

حدیثِ دل

منظور الہامین

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں -

سن اشاعت : ۱۹۹۵ء

تعداد اشاعت : چار سو

کتابت : فضل محمد

طباعت : جوائے اینڈ جوائے آف سیٹ پریس حد آباد

سرورق : رفیعہ منظور الامین

ناشر : منظور الامین

قیمت : ۱۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : B 3

FAIRVIEW

ROAD NO 7

BANJARA HILLS

HYDERABAD.34

TEL: 395145

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی

حکومتِ اتر پردیش لکھنؤ کے مالی

متعاون سے شائع ہوئی



لیلیٰ المجنون

(قصہ عاشق و معشوق جانا باز)

(شہرہ آفاق شاعر نظامی گنجوی کی فارسی شنوی)

(لیلیٰ المجنون کا منظوم اردو روپ)

رَفِیعِ کَیَم

”بگیر ایں ہمہ سرمایہ بہار از من“

کرد آس

سیدنا صری (لیلیٰ کے والد)

عامران

وزیر

صحافی

لیلیٰ

خار دشت

کامین

عازمان ج

خلق

ادبаш

رعایا

نظمی

کلبِ دری

مؤرِ مشرقی

داستان گو

شاہ (قیس کے والد)

دخترانِ رے

عوام

قیس (مجنوں)

خار دشت

سائیں

صلا

ہم سبق

آواز

شاعر

دلِ قیس

پاسبانِ لیلیٰ

وزیرِ اعلیٰ

سوسن	خلقت	عطر شناس
هزار داستان	غزالان دشت	فضل بن غفار
قمری	دوسرا غزال	دیہاتی
مرد راج	شعاع	شہسوار
شہباز	گوزن (گائے)	مطرب
طیور	صیاد ع	سلیم عامری
ظہیر شامی	زارغ	شام
ابن سلام	خلق خدا	خادر شاہ
شیخ سلام	نقیر درویش	حاجب
نوفل	عجوز	زابد
حواری ۱، ۲، ۳ و ۴	شتر سوار	دنیا
رحمان تابک	صیاد ع	مادر قیس
نورین	فلسفی ہند	پیر بزرگ
قوی دست	درندے	باد صبا
جوان	حکم رال	شاطر
میابخی	رقیب	سیانا
جرنیل	سگبان	شیخ العقل
دودکی آواز	نوجوان	سلام بغدادی
غزال	وزیر کمن	استاد
صیاد ع	شاو کمن	زید
		عم زید
		زمانہ

پیش لفظ

لیلیٰ مجنوں کا قصہ ہمارے لئے کوئی نئی داستان نہیں آپ اور ہم برسوں سے اسکو جانتے ہیں عرصے سے یہ کہانی ہمارے منہ پر پیش کی جاتی رہی ہے اس حکایت کی فلمیں بھی بنی ہیں ریڈیا کی ناٹک اور ٹیلی ویژن ڈرامے بھی شہروں اور دیہاتوں میں جب کبھی اسے پیش کیا گیا تو سبھی نے بڑے شوق سے اسے دیکھا اور اس پر اپنی پسندیدگی کی مہر لگائی۔

ناویں میں یہ قصہ شیخ نظامی گنجوی نے مثنوی کی شکل میں لکھا تھا جو 'لیلیٰ مجنوں' نظامی کے نام سے مشہور ہوا، نظامی کو سرآمد مثنوی گویاں کہا گیا ہے شیخ نے کل پانچ مثنویاں تحریر کی تھیں پہلی تو یہی 'لیلیٰ مجنوں' جسے قبولیت عام حاصل ہوئی دوسری 'مخزن الاسرار' جو بہرام شاہ رومی کے لئے لکھی گئی تھی اس کے صلے میں نظامی کو پانچ ہزار دینار سونہ اور خاصی تعداد میں ادنیٰ معاوضے کے طور پر ملے تھے۔ تیسری مثنوی ہے 'خسر و شیرینی' جو طغرل ارسلان سلجوقی کی خاطر لکھی گئی تھی۔ چوتھی ہفت پیکر اور پانچویں

د سکندر نامہ بری و بحری، 'مثنوی لیلیٰ' مجنوں نظامی شروع سے آخر تک ایک ہی بحر میں تحریر کی گئی ہے، اے نام تو بہترین سر آغا ز سے لیکر ہر شیار کن ہزار مجنوں تک بس ایک ہی سبک اور رواں بحر ہے جو چار ہزار بیت کی اس نظم میں نظامی نے استعمال کی ہے یہ بحر عام طور پر مثنوی کی بحر مانی گئی ہے اردو شاعروں نے بھی اکثر اسی بحر میں مثنویاں لکھی ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کی شہرہ آفاق مثنوی 'گلزارِ نسیم' اسی بحر میں لکھی گئی ہے۔

سنبل مرا تا زیا نہ لانا ؛ شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا

لیلیٰ مجنوں کے قصے کو جو فارسی میں ہے میں نے اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے ایک طویل نظم کی شکل میں، ایسا کرتے ہوئے حافظ کا یہ شعر میرے ذہن میں تھا۔

در درہ منزل لیلیٰ کہ خطر بلاست در آں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

طیلی دیرن محکمے میں اپنی گونا گوں ذمہ داریاں اٹھاتے ہوئے میں کس حد تک یہ انوکھی صحرا خوردی کر پایا ہوں اس کا فیصلہ آپ کریں، قصہ اردو میں نظم کرتے ہوئے میں نے مثنوی نظامی کی رائج بحر بھی استعمال کی ہے اور قصے کے ارتقا اور دیگر تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور کئی بحر بھی، اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ صرف روایت کا سہارا نہیں لیا گیا دوسرے گفتگو میں تنوع پیدا ہوا اور ایک ہی بحر کی یکسانیت دور ہو گئی۔

میں نے بنیادی داستان میں بعض جگہوں پر اضافے اور تبدیلیاں کی ہیں قصے کو ڈرامائی انداز میں لکھا ہے اور اس میں نئے کردار بھی شامل کئے ہیں کچھ ایسے

واقعوں کا اپنی طرف سے اس قصے میں اضافہ کیا ہے جو ہماری آپ کی زندگی کے بعض اہم مسائل سے تال میل رکھتے ہیں ان مسائل کو دانستہ طور پر اس قصے کے تلنے بانے میں اس طرح بٹھانے کی سعی کی گئی ہے کہ وہ روحِ عصر کا آہنگ بن کر ہمارے سامنے آئیں، اس ضمن میں میری کوشش یہی رہی ہے کہ ان نئے واقعوں کے اضافے کی وجہ سے داستان کے بنیادی ہیولے اور تسلسل میں کوئی فرق نہ ہو۔

عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ تبدیلیاں اور اخراج شعوری طور پر کئے گئے ہیں کوشش اس بات کی گئی ہے کہ ہماری اور آپ کی انفرادی زندگی اور حیاتِ اجتماعی کی چند ایک بولچھونِ عصری حقیقتوں کو اس حکایت میں اسی طرح پرو دیا جائے کہ اسباب و علل کی اس کائنات میں واقعیت کا ادراک آسانی سے ہو سکے چاہتا ہوں کہ ان مقامات کی توضیح و تشریح کر دوں۔

جیسا کہ پہلے دستور تھا کہ ہر قصے کی ابتداء اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی تھی۔ مثنوی لیلیٰ انجمنِ نظامی میں بھی نظامی نے یہی روایت برقرار رکھی ہے اسی کے بعد شہنشاہ شہر قباب قوسین سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتِ شریف ہے۔

بعد ازاں خلفائے راشدین کو بدیہ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ نظامی اس کے بعد سلطان سریر کائنات ختم الرسل کے برقِ سپیکر براق اور زفر پر، معراج میں راتِ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر سدرۃ المنتہیٰ کے آگے تک جانے، قدرت کے نمونے دیکھنے، حضرت ذوالجلال کی دیدار و کلام حق سننے کا ذکر کرتے ہیں پھر قاطعِ حدودِ آفرینیش کے ذکر سے گذرتی ہوئی۔ یہ مثنوی براعتہ استہلال تک جا

پہنچتی ہے۔ جس کے پیرائے سے نظامی لیلیٰ مجنوں کی اس داستان کو نظم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد خاقان کبیر ابو مظفر اختسان منوچہر گور کہ جنھیں زمیندار ملک ہفت کشور اور کبیر و ثانی، کیقباد پیکر، کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ کی شان میں نظامی نے ایک قصیدہ رقم کیلئے۔

اس کے بعد خود کے پسر کو فرزند ملک کے سپرد کرنے کا بیان آتا ہے۔ اور پھر شکایت حال خویش، خود کے فرزند کو نصیحت اور ساقی نامے کی منازل آتی ہیں اور تب لیلیٰ مجنوں کی اصل داستان کا آغاز ہوتا ہے۔

اردو میں میں نے اس قصے کا آغاز اس مقام سے کیا ہے جہاں سے فارسی میں لیلیٰ مجنوں کی اصل داستان شروع ہوتی ہے، دو سکر لفظوں میں یہ کہوں گا

ان تمام منازل کو جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا ہے میں نے اپنی اس

داستان میں شامل نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس امر کی نشان دہی ضروری ہے تاکہ اس بات کی ملاحظہ ہو جائے کہ ”حدیث دل“ مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی کا حرف بحرف

لفظ بہ لفظ فقرہ بہ فقرہ مصرع بہ مصرع اور شعر بہ شعر ترجمہ نہیں ہے

بنیادی قصے کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے

ان واقعات اور حکایات سے جن کا تذکرہ مثنوی میں کیا گیا ہے۔ تخلیقی استفادہ

کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے ساتھ ہی نظامی کی مثنوی میں کئی باتیں بڑی دلچسپ

ہیں۔ یہ خمر پڑھتے ہوئے میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا ایسی باتیں ممکن بھی ہیں۔

مثلاً نظامی نے ایک بڑھیا کا ذکر کیا ہے۔ جس کے گلے میں پھندا ڈال کر اس کا

شوہر بازار میں کھینچتے ہوئے لئے جا رہا تھا،

اتفاق سے پرانے اخباروں کے Livres کے بارے میں پڑھتے ہوئے مجھے لندن کے ڈیلی ٹائمز کے ۵ مئی ۱۹۳۲ء کے شمارے میں ایک ڈاکٹر برٹن کا خط پڑھنے کو ملا اس خط کا ترجمہ نیچے دے رہا ہوں۔

”میں نے شہر نارنوک کی سڑک پر ایک دیہاتی کو دیکھا جس کے ساتھ ایک عورت تھی اس عورت کے گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ یہ دیہاتی مرد اس عورت کو بیچنا چاہتا ہے۔ اور کھینچے ہوئے لئے جا رہا تھا۔ چنانچہ ایک آدمی نے اس عورت کو دس شیلنگ میں خریدا تھا یہ ۱۸۲۰ء کا واقعہ ہے۔“

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا میں نے بعض نئے کردارِ حدیثِ دل میں شامل کئے ہیں جن کا وجود اصل متنوی میں کہیں نہیں ان کے بارے میں گفتگو آگے قدرے تفصیل سے کی جائے گی۔

آپ کی توجہ حدیثِ دل کے FORMAT کی طرف بھی مبذول کرنا چاہتا ہوں سنسکرت زبان کی بعض نگارشات میں ایک معروف سا کردار بار بار سامنے آتا ہے جسے سوتر دھار सूत्रधार کہتے ہیں داستان میں تسلسل اور روانی کی موجودگی ان بزرگوار کی ذمہ داری ہوتی ہے اور یہ اسے بڑی خوبی سے نبھاتے بھی ہیں اسی طرح قدیم داستانوں کو داستان گو سنایا کرتے تھے ریڈیو میں راوی اور ٹیلی ویژن میں ANCHOR PERSON کا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے، میں نے حدیثِ دل، ایک داستان گو کی زبانی کہلوائی ہے اس سے ایک ناکدہ توبہ ہوا کہ کرداروں کے تعارف میں آسانی ہو گئی، دوسرے قصے کی سلسلہ بندی کا مرحلہ

سمیل ہو گیا۔

اب ان چند کرداروں کا ذکر کرنا چاہوں گا، جو نظامی کی مشنوی میں موجود نہیں یہ ہیں :

دخترانِ رے عوام، خارِ دشت، سائیں شاعر، دلِ قیس، پاسبانِ لیلیٰ، صحافی کاہن، ادبِ اش، ظہیرِ شامی، حواری، رحمان تاجک، نورین، جرنیل، شعلہ، فلسفی ہند، فضل بن غفار، مطرب، شام، بادِ صبا، شاطر، سیانا، شیخ العقل، استاد، زمانہ وغیرہ۔

ان کرداروں کو داستان میں شامل کرنے کی مختلف وجوہات ہیں، آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان میں سے بعض کردار بالکل ضمنی ہیں ایسے کرداروں سے فقط ایک آدھ مکالمہ ہی کہلوایا گیا ہے لیکن وہ فقرہ اپنی جگہ اہم ہے مثلاً سائیں کا کردار جو صرف دو مصرعوں میں بادشاہ سے بات کر دیتا ہے۔

اب وقت وہ آ گیا ہے خسرو تم قیس کو درِ س گاہ بھیجو
اس مختصر سے مکالمے سے قصے کو ایک نیا موڑ ملتا ہے کیونکہ اس بزرگ سائیں کے مشورے سے ہی قیس مکتب جاتا ہے جہاں لیلیٰ سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور پھر بات آگے بڑھتی ہے سائیں داستان میں پھر کبھی نہیں آتا۔
سکانِ تیز چنگال کی حکایت میں رقیب کا کردار جو صرف ان پانچ لفظوں میں رقیب کے شعلے اگل کر گفتگو کو آتشِ رنگ سے دیتا ہے،

ہے مرگِ مفاجات اس کا نصیب

عازمانِ حج جو ان الفاظ میں قیس کے والد کو مشورہ دیتے ہیں۔

جب لی ہے حرم کی آپ نے راہ اچھا ہوا اگر ہو قیس ہمارا
اس کے بعد عازمان حج کا ذکر داستان میں بھی نہیں آتا۔

داستان میں ہندوستانی تمدن کے اظہار کیلئے فلسفی ہند کا کردار ہے جو
پلوت ہو کپوت تو دھن کا ہے کو پلوت ہو سیوت تو دھن کا ہے کو
کی خوب صورت تکرار کے ذریعے بات کو پُر تاثیر بنا دیتا ہے مثنوی لیلیٰ محض
میں یہ کردار موجود نہیں،

میری کوشش یہ رہی ہے کہ ان کرداروں کے ذریعے بات میں ہر لحظہ نیا
رنگ آتا جائے دوسرے یہ کہ ان کی شمولیت سے حکایت میں مزید معنویت
پیدا ہو تیسرے ان کے توسط سے حقیقت ادا کرنے کا ایک فطری امتزاج
سامنے آئے جو تھے قصے میں ان کے شامل کر لینے سے عمری افکار کی نمود ہو اکثر مقامات
پر عمری تقاضوں سے مطابقت اور ہم آہنگی ان کرداروں کی وجہ سے وجود میں آئی
ہے۔

جہاں نئے کردار حکایت میں شامل ہوئے ہیں وہاں اکثر ایک نئے واقعہ
کی تخلیق بھی عمل میں آئی ہے مثلاً فضل بن غفارا جو پیشے سے تو عطار ہے
لیکن قدرت نے جسے اعلیٰ ذوق سے بھی سرفراز کیا ہے (کے ساتھ جو کچھ پیش آیا
وہ ایک نیا واقعہ ہے نظامی کی مثنوی میں اس کا کہیں ذکر نہیں یا پھر کچھوے
اور شیخ العقول کی حکایت جو طربسہ پیرائے میں آج کے ان بزرگواروں پر طنز ہے جو
ہیں تو جاہل محض لیکن جنہوں نے مشہور یہ کر رکھا ہے کہ عقل و خرد کے تعلق سے
وہ اردوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

نورین ایک ایسی ہستی ہے جسے آپ آج کے سیاق و سباق میں ”نامہ نگار جنگ“ کہہ سکتے ہیں یہ کردار بھی مثنوی نظامی میں کہیں نہیں۔

ڈرامائی اسلوب کو اپناتے ہوئے میں نے داستان کے شروع ہی میں دخترانِ رے کو متعارف کیا ہے، جو ایک Chahalgachoup کی شکل میں سامنے آتی ہیں اور صنفِ نازک کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں جس سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ عورت کا انسانی زندگی میں وہ مقام ہے کہ یہ اگر بزم سے اٹھ جائے چٹخاں نہ لے، مثنوی نظامی میں یہ کردار موجود نہیں، خارِ دشت کے نام سے ہیں ایک صحرائی شخصیت کا تعارف کروایا ہے۔ خارِ دشت کی آبلہ قیس سے گفتگو کا ایک واقعہ نظم کیا گیا ہے یہ واقعہ بھی مثنوی نظامی میں موجود نہیں ہے۔

اسطرح محاورہ مابین ملاؤ قیس، مکالمہ مابین پاسبانِ لیلیٰ و قیس، گفتگو درمیانِ صحافی و ہم سبق نظامی کی مثنوی میں نہیں ہیں۔

ایک کردار کا ہن کاہے جو مختصر سے عرصے کے لئے آتا ہے اس کے ذریعے زندگی کے بعض حقائق کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ہے ہی روزِ ازل سے ایک دستورِ حیات
سراٹھا کر جو چیلے گا سرنگوں ہو جائیگا
آئیگا طوناں اجر جائے گی اک دن کشتِ ظلم
ہر ستم گر ایک دن خوار و زبون ہو جائیگا

کاہن کا کردار بھی نظامی کے یہاں نہیں ہے۔

نظم کے ایک اور حصے میں جہاں لیلیٰ بغرضِ تفریح باغِ عنبر کو

گئی ہے میں نے کئی پرندوں کے نام تحریر کئے ہیں یہ نام نظامی کی مثنوی میں نہیں ہیں۔
 محاورہ مابین رحمان تاجک و سیدنا صری داستان کو آگے بڑھانے میں
 معاون ثابت ہوتا ہے کرنیل اور جرنیل کے کردار داستان میں عصری رنگ پیدا
 کرتے ہیں، خاندانی منصوبہ بندی جیسے آج کے موضوع کو میں نے اس نظم میں شامل
 کیا ہے۔ صیاد ہماری عصری زندگی کے اس مسئلے کو یوں پیش کرتا ہے۔

میں ایک غریب آدمی ہوں اسباب نہیں ہیں کچھ دکھی ہوں
 ہے جیب مری سدا ہی خالی اس پر مری کثرت العیالی
 پس جن کے بہت بڑے ہیں کنبے غمگین ہیں وہ مری طرح سے
 کنبہ ہوتا میرا جو چھوٹا ہوتا نہ خواہ اور نہ ٹوٹا

حب الوطنی، غلامی اور آزادی جیسے آج کے تصورات بھی نظم میں شامل ہیں
 حب الوطنی کے سلسلے میں آپ کی توجہ یوم آزادی کے موقع پر غزالانِ دشت کے
 نغمے کی طرف مبذول کرنا چاہوں گا۔

محاورہ مابین زارع و قیس ————— اسے میں نے جس انداز سے لکھا
 ہے وہ میری رائے میں تخلیقی نوعیت کے اضافے کی ایک شکل ہے زارع کو خلقِ خدا
 نے بیسیوں نام دیئے ہیں جن سے اس پرندے کی بدنامی ہوتی ہے ان القاب کو سنکر
 زارع کا دل پارہ پارہ ہے قیس اس کے ان زخموں پر مرہم رکھتا ہے۔

آدمِ خاک کی سے بہتر اور برتر زارع ہے
 آدمی انسانیت پر ایک کالا داغ ہے

جائزہ تن کے بارے میں قیس کا مکالمہ اور دنیا کے عنوان کے تحت

اشعار ہماری آپ کی عصری زندگی سے مطابقت رکھتے ہیں نظمی کے یہاں یہ
پیشکشیں نہیں ہیں۔

سلام بغدادی کے اس حصے میں جس کا عنوان ہے ”کیا ہو وہ اہل اکیاں؟“
میں براڈ کاسٹنگ کی بعض تکنیکی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً

پُر اثر، بے لاگ درِ قیس کی ہے طول موج
نشر ہوتی ہے نوا جو نہی اسے ملتا ہے ادج
جائے سختی ہے سفر کرتی ہوتی وہ مستقل !
اُس جگہ تک جس جگہ پُر نصب ہے لیلیٰ کا دل

ایک جگہ لیلیٰ کا سراپا قیس کے الفاظ میں اور دوسری جگہ ”رنگ
ہلے رنگا رنگ“ اس امید سے پیش کر رہا ہوں کہ یہ آپ کے جمالیاتی ذوق
کی تسکین کا باعث ہوں گے۔

اس میں کیا شک ہے کہ قیس کی شخصیت ایک بوقلموں شخصیت تھی، وہ
عاشق تھا، حسن شناس تھا، صحرا نور دکھا، نباضِ فطرت تھا، شاعر تھا، اس نظم
پر اس کی شخصیت پوری طرح حاوی ہے۔

اب آپ کی توجہ قیس و لیلیٰ کی آخری ملاقات والے نظم کے اس حصے
کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں جو ”وہ سب سے“، ”برسائے کہ بس“ عنوان سے
شروع ہوتا ہے اور جس میں لیلیٰ قیس دونوں نے ہی اپنے اپنے عشق کا بے باکانہ
اور بے حجابانہ ذکر کیا ہے اس کے ساتھ ہی آپ زید کی زبان سے کہلوائے گئے
ان اشعار پر بھی غور فرمائیے گا جن میں زید، قیس کو لیلیٰ کی وفاتِ حسرت آیات

کی اطلاع دیتا ہے۔ نظم کے یہ سارے ہی حصے میری رائے میں تخلیقی اضافوں کی نوعیت رکھتے ہیں۔

اس طویل نظم کا اختتام ایک نوے سے کیا گیا ہے جس میں، میں نے راجہ رام نرائن موزوں کا وہ مشہور شعر استعمال کیا ہے جو انھوں نے سراج الدولہ کی شہادت کی خبر سن کر لکھا تھا تاریخ شاہد ہے کہ سنگِ آدم میر جعفر کے پوت میر نے پلاسی کی جنگ میں شکست خوردہ سراج الدولہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سراج الدولہ کو جو اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر غاصب انگریزوں کے خلاف سینہ پیر تھا۔

پچھلے صفحات سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ میں نے کوشش یہ کی ہے کہ بعض ایسے انحرافات کی نشاندہی کر دوں جو مشنوی لیبلی مجنوں نظم کی کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے میں نے کئے ہیں۔ یہ انحرافات شعوری بھی ہیں اور لاشعوری بھی بہر حال اردو میں منتقل شدہ اس طویل نظم کے حسن و قبح کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

قصہ لیبلی مجنوں پیش خدمت ہے اس کی کمزوریاں بھی آپ کے سامنے ہیں اور کہیں کوئی خوبی نظر آجائے تو وہ بھی آپ کی نذر ہے۔
نظمی ہی الفاظ میں کہوں گا کہ

زینِ حمیدہ فسانہ کہ گویم
باتو بسخن بہانہ جویم

منظور الامین

بجارتہ ہلز حیدرآباد
دسمبر ۱۹۶۶ء

تعارف

شاعری اور محبوبہ کا گذر تو ایک ساتھ مزے سے ہو جاتا ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ بیوی اور شاعری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے اسکی کئی مثالیں ہیں جن میں پیش پیش مرزا غالب ہیں دیسے مرزا تھے بھی بہت کامیاب بیوی کی ہو گئی کھڑی کر کے سب کچھ کر جاتے تھے اور داویلا کرتے تو بیوی کی ناقدر دانی کا

قرض کی پیٹے ڈومنیوں میں مست رہتے تھے۔ پھر بھی دنیا بھر کی ہمدردیاں بٹورتے رہتے تھے، شہرہ تھا تو بیوی کی سفاکی کا!

اگر ذرا سے میرے قلم ڈگمگا جاتے تو آج جھنڈے پر نام میرا بھی چڑھا ہوتا میں نے اس بدنامی سے خود کو اس طرح بچائے رکھا کہ آئین جب بھی شعر سناتے تو بڑے غور سے سنتی اور اسی احتیاط سے دوسرے کان سے اڑا دیتی، اس لئے انھیں کبھی وہ شکایت مجھ سے نہیں ہوئی جو مرزا غالب کو اپنی بیوی سے تھی لیکن کامیابیاں شاید ہر مرد ہوتا ہے۔ بہت بعد میں مجھے ایک حقیقت کا پتہ چلا تو میرے پیدا کو زبردست دھکا لگا۔ پتہ یہ چلا کہ جب طرح ان کے شعر میں ایک کان سے سنکر دوسرے سے اڑا جاتی بعینہ یہی حرکت یہ ذات شریف بھی میری کہانیوں کے ساتھ کرتے تھے تب سے میں سنبھل گئی اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ اگر اپنی کہانیوں کے بارے میں ان کی

رائے سننی ہے تو ان کی شاعری پر بھی رائے زنی کرنی ہوگی لیکن گھاسٹے میں پھر بھی اس میں ہرگز کیونکہ ان کے اور میرے مبالغہ علم کا کوئی مقابلہ نہیں ہے اور نکرہ ہر کس بقدر ہمت اوست کے بمصداق میری رائے ان کی شاعری کے بارے میں محدود رہتی جبکہ میرے انسانی ذوق کو ان کی رائے زنی سے زیادہ فائدہ پہنچتا، اب یہ بات ہے کہ میری تریا ہٹ کے باعث کئی موتوں پر میں اپنی رائے پر اڑی رہتی، یہ سلسلہ آج تک بھی جاری ہے۔

”حدیث دل“ بھی ان مناقشوں اور مذاکروں کی ایک کڑی ہے۔ جب امین نے اسے لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے پرزور مخالفت کی کیونکہ لیلیٰ مجنوں شیریں فریاد، مرزا صاحبان وغیرہ آج کل گلی گلی میں بائیں ڈالے گھومتے رہتے ہیں، دراصل اس زمانہ میں لوگ محبت کم کرتے ہوں گے۔ اس لئے ایک دو جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر صحرا نوردی کرنے لگتے تھے یا ایک تیشہ کہار سے جوئے شیر لانے کے لئے کمر بستہ ہو جایا کرتے تھے، ان کا چرچا عام ہو جاتا تھا۔

لیلیٰ مجنوں وہ ہستیاں ہیں جنہیں نظامی سے لیکر آج تک ہر دور کے ادیبوں، شاعروں، ڈرامہ نویسوں اور فلم والوں نے گھسیٹ کر ان کا قیمہ بنا دیا ہے میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا نیک نام شوہر بھی قصاؤں کے زمرے میں کھڑا ہو جائے لیکن امین اس کام کو کرنے پر تلے ہوئے تھے آخر کار انھوں نے ’حدیث دل‘ کہہ ہی ڈالی۔

میرے خیال میں وہ شخص جس کا نام تیس تھا اور بعد میں مجنوں ہوا بڑا publicity seeker تھا اس نے عشق کیا تھا — ٹھیک !

اُس نے محبت اور عالم جنوں میں دامن کے چاک اور لڑکیاں کے چپاک کے خاسا زخم مار دیا تھا۔
 درست! لیکن سوئے صحرا اس پُدیاترا کی ضرورت کیا تھی؟ خیر رموز مملکت
 خویش خرداں دانند۔۔۔ اس نے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے
 ایک لائحہ عمل پیش کر دیا، آج کے ہمارے پُدیاتری، اپنے جدِ امجد کے راستے
 پر گامزن نظر آتے ہیں فرق صرف اتنے ہے جنہوں نے خود کو تباہ کر لیا۔ اور یہ
 ہمیں تالان کرنے پر تلے ہوئے ہیں،

’پدیاترا‘ کا ذکر ہو تو صحافیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، نظامی
 گنجوی غالباً اپنے زمانے کے کامیاب ترین صحافی رہے ہوں گے، جنہوں نے
 جنوں کی سوئے صحرا پدیاترا کو Scope کے طور پر استعمال کیا اور
 امر ہو کر رہ گئے!

نظامی گنجوی کی شان میں میری گستاخی اور بے باکی اس حقیقت پر
 مبنی ہے کہ مرحوم جنتِ نشاں ہستیاں آج کی عدالتوں کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا
 سکتیں اور ہتکِ عزت کا دعویٰ نہیں کر سکتیں،

قصہ لیلیٰ جنوں کی آفاقیت اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کی
 بنیاد ایک لافانی جذبہ یعنی عشق ہے، بلکہ اس سلسلے میں جن گونا گوں واقعات
 و محوسات کا ذکر آتا ہے وہ ہمیں اس عہد کے سماجی نظریات
 و اخلاقی مظاہر سے روشناس کروا رہے ہیں۔ جیسے جیسے یہ قصہ آگے بڑھتا
 ہے۔ کئی ایسے مسائل اور مرحلے سامنے آتے ہیں جو ہمارے
 عصر کے مسائل سے مختلف نہیں ہیں اور ایمین نے اس حقیقت

سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی 'حدیثِ دل' کھول کر رکھ دی ہے۔ یہ ایک حساس اور زندہ ذہن کی ضامن ہے، اگر یہ لیلیٰ 'مجنوں نظامی' کا مصرع بہ مصرع اور شعر بہ شعر ترجمہ ہوتا تو حدیثِ دل کی اہمیت کبھی ایک چابک دست ترجمے سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی، یہ لیلیٰ 'مجنوں نظامی' کے اشعار کی تفسیر بھی نہیں ہے، امین نے لیلیٰ 'مجنوں نظامی' سے استفادہ کیا ہے اسکی حکایات اور واقعات کو بھی برقرار رکھا ہے۔ لیکن اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے، عمری تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے اپنی طرف سے اس میں جو تخلیقی اضافے کئے ہیں تو یہ احتیاط برتی ہے کہ اس قصے کی بنیادی قدیں مجروح نہ ہوں، مثلاً ایک جگہ عمر حاضری کے انحطاط اور اس کی ریاکاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کتنے مقتل ہیں یہاں اس میرے پیارے شہر میں
چلتی پھرتی کتنی لاشیں ہمارے شہر میں
ہر قدم پر رمل ہی جلتے ہیں یہاں دارورسن
روز ہوتے ہیں یہاں قربان کتنے جان و تن
شہر میں ہر طرح کے دکھ درد ہیں آلام ہیں
آہ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ با آرام ہیں

روایتی اذائبِ بیان سے ہٹ کر اچانک اس طرح کے اضافے جب سامنے آ جاتے ہیں تو ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم عہدِ ماضی کی ایک لافانی عشقیہ ٹریجڈی سے گزر رہے ہیں، بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے بات گویا ہمیں کہیں کی ہے !

داستان گو

(گرہ کشایانِ سلسلہ سخن و تازہ کنندگانِ افسانہ کہیں
نے تو سن قلم کو میدان سخن میں یوں جولال کیلے ہے !)

مَدّت ہوئی ایک نوجوان تھا
مخمل میں حریر و پرنیاں تھا
جتنے تھے عوامِ سلطنت کے
سرِ جملہ عجلہ شہر یا زالاں
شاہنشہ عصر، شاہِ دوراں
کم ہوتے ہیں تاجدار ایسے
سلطان تھا پیکرِ شرافت
اللہ نے دی تھی وہ ذہانت
حق گوئی میں تیغ برہنہ تھا
خاقانِ جہاں، جہاں خداوند
گفتار میں تھانبات اور قند
تھا داد و دہش میں مثلِ حاتم
دل سے تھی عزیز اسے رعایا
ہر شے پہ تھا رنگ اس کا چھایا
خلقت کی صلاح اور بہبود
جوارضِ عرب کا حکم راں تھا
جب دن ہو تو قہرِ آسمان تھا
کرتے تھے اُسے پسند دل سے
سلطانِ جہاں، جہاں کا سلطان
نغفورِ زماں و شاہِ شاہاں
آتے نہیں بار بار ایسے
کرتی تھی رعیت اس کی عزّت
تھا دہر میں شہرہ سیاست
اور حلم میں مثلِ مینہ تھا
ہشیار، ذہین، حوصلہ مند
زیرک، نرسند، چاق و چوبند
اور فضل میں جیسے ایک عالم
تھا جس پہ سدا ہی اس کا سایا
دنیا کی پلٹ گئی تھی کا یا !
ہر آن تھی بادشہ کو مقصود

تھی ایک لگن سحر سے تاشا
ایسے میں کہاں کا چین آرام
ہرزخم کے چاک سی رہا تھا

اصل طرح گزر رہے تھے ایام
دن رات تھے نظم و نسق کے کام
اک وضع سے شاہ جی رہا تھا

شاہ

آئے نہ کسی پلک پہ آنسو
خالی نہ رہے کسی کا پہلو
دل میں ہے نقطہ ہی تمت

ٹوٹیں نہ کسی کے دست و بازو
دوٹھے نہ کسی سے کوئی گلرود
سن لے یہ مری دعا خدایا

داستان گو

معمول، سدا ہے وہ مشغول
تھا دل سے پسند قول معقول
آتے ہیں جو کام دوسروں کے
خود اس کو لگا تھکا تھکا تھا
چلتا تو ہے کام سلطنت کا
بہلائے شکار سے طبیعت
کی ترک معاشی بادشاہی
مضبوط رہی اس کی باگ تھانی
قسمت نے کہا شکارِ مہ کو

تھا شہ کا یہی بس ایک معمول
ہو تو نہ فرد گزاشت یا بھول
’ہیں لوگ وہی جہاں ہیں اچھے
اک روز سحر کو جب وہ اٹھا
’یہ روز اسے خیال آیا
دو چار دنوں کی لئے رخصت
’تے ہی خیال دیر کیا تھی
تھا اس پر کہ اک اسیل عربی
ادشاہ گیا شکار گہر کو

سرحد سے پرے شکار گہرے کے
گل چہر انگار جانے کتنے
شما قدان رہے کا شہرا
کچھ دور پہ اس شکار گہ سے
جو مت الست کر رہے تھے
ہر سمت تھی زمزمے کی خوشبو
اک ملک تھا جس کا نام تھا رہے
اُٹھ تھے اسی زمین رہے سے
بقی بستی، نگر نگر تھا
اک آگ سے اٹھ رہے تھے شعلے
نغمے تھے یہ دختران رہے کے
اک سحر سا بچہ گیا تھا ہر سو

دخترانِ رہے

(کاروانِ خوشبو)

نازش دشت و گلستاں ہم ہیں
ایک خوشبو کا کارواں ہم ہیں
غنجے غنجے کے راز داں ہم ہیں
لالہ و گل کی داستاں ہم ہیں

اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں!

ہم نہ ہوں ہر طرف اندھیرا ہو، چار سو ظلمتوں کا ڈیرا ہو، نور کو تیسرگی نے گھیرا ہو
اک تجلی کے پاسباں ہم ہیں
اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں
ہم ہمارے سبب سے رنگ مکلاں، آب و گل خاک و باد کا یہ جہاں ہے ہمارا وجود پرنازاں
باعثِ عیشِ جادواں ہم ہیں
اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں
سر تسلیم خم جو بات کہی ہے ہمارا کلام لاشافی، نطق ہم کو ملا ہے اس پر بھی
لوگ کہتے ہیں بے زبیل ہم ہیں
اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں
ہم سمجھتے ہیں برق کے تئور، زلزلے کے ہیں اک ہمیں محو، آندھیوں سے کہتا ہے اکثر
تم جہاں بھی ہو بس وہاں ہم ہیں
اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

دہشتوں سے لیا ہے ہم نے خراج۔ آنکوں کا بدل چکے مزاج، جنسِ ارزاں یہ پڑ گیا ہے رواج
 ہو کے ارزاں بھی کیا گراں ہم ہیں اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں!
 چشمِ آہو، ہلال سے ابرو۔ عنبریں زلف، صندل بازو۔ رشکِ آئینہ، رشکِ مرہرلو
 لبِ عشاق کی فغاں ہم ہیں اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں
 آندھیوں میں جلا رہے ہیں چمڑے۔ بجلیوں کو کہاں ہے ہم سے فراغ، ہم کو حق نے عطا کیا وہ دماغ
 برق و باران کے راز داں ہم ہیں اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

داستان گو

کچھ دُور پہ بادشاہ نے دیکھا
 مجمع تھا حسین گمخو کا
 اک پیڑ کی آڑ چھپ گیا تھا
 نے جس نے اٹھائی اول اول
 دلا رہے تھیلیوں کا۔ صندل
 تھی دہریں کب مثال ان کی
 وہ شوخ تھی رے کی شاہزادی
 ویسے وہ بہت تھی سیدھی سادی
 گر پیر میں پکھڑی بھی چبھتی
 تھی وہ بکر شاہ شاہِ خوباں
 اک دشت میں مجمعِ حیناں
 اک شوخ کے آس پاس پھیلا
 سو ماہ کے گرد جیسے ہالا!
 نغمے سے وہ حظ اٹھا رہا تھا
 تھا آبِ رواں کا اس کا اپنچل
 چشمانِ سیاہ کا نرم کا جل
 ملتی ہے کہیں مثال ایسی
 اب تک نہ ہوئی تھی جس کی شادی
 کلفت کی مگر وہ تھی نہ عادی
 شہزادی کو دیر تک کھٹکتی
 ہمراہ ہستانِ مصروفِ نمان
 تھا غرقِ سرورِ چرخِ گرداں

اُس حسن پہ شہ نے دل دیا وار
اُس شوخ کی بھی نگاہ اٹھی
دونوں کی مِلی نگاہ ایسی
پس ایک نظر میں عہدِ پیمیاں
اب شہ کو قرار تھا نہ اک پُل
بس چھوڑ شکار گاہ و جنگل
دریافت کیا مرصا جہوں سے

شاہ

دل جس کا ہوا ہے اب طلب گار
ہم کو ہوا ہے کیا آزار ؟
ہے کون سے گلستاں کی خوشبو ؟

ہے کون بھلا وہ لالہ رخسار ؟
کس زلف کا ہو گیا گرفتار
کس باغ کا گلی ہے وہ پری رو

داستان گو

خدا م نے تب پتے لگائے
ہیں ذکر جہاں میں جس کے اچھے !
دریافت کیا الف سے یہ تک
خود عشق نے آپ ہی نکالا
ہر شام کو زہر کا پیالا !

تفصیل سنی جو اپنے شہ سے
ہر وہ ہے وہ شاہزادی دے
وہ پوچھتے کیوں الف سے بے تک
عشق آیا تو عقل کا دولا ...
ہر جہ کو خطلی نوالا

اک ناگ پھنی پہ کھادہ مجبور
 مجلس نے کیا بہم یہ جر چھا
 سلطان کے حق میں ہو گا اچھا
 پیغام نکاح بھیجا جائے
 بھیجا بس اک ایچی سوئے رے
 تحفے جو بہت ہی قیمتی تھے
 شہزادی کے ہاتھ کی گزارش
 خوش ہو کے کیا پیام منظور
 نغمے سے ہوا حصار معمور
 سج اٹھے نگر میں شا میا نے
 آئیں گی عرب کی شاہ بانو

محبوب کی یاد ہی میں رہجور
 حاکم کا یہ حال جو نہی دیکھا
 آپس میں سبھی کے طے پایا
 شہزادی کا ہاتھ مانگا جلے
 جیسے ہی یہ طے کیا سبھی نے
 ہمراہ شہ عرب گئے تحفے
 اور ساتھ ہی شاہ کی یہ خواہش
 پس والے نے ہو کے مشکور
 سنکر ہوئے اہل دے بھی مسرور
 برج اٹھے طرب کے شادیاں
 مردہ ملا جو نہی یاد شہ کو

مجلس سے کیا

شاہ

یہ حکم سن لو

ہو نور سے بام و در و رخشاں
 زرتادہ بخوم مہکشاں کے
 نغمات لطیف نغمہ خواں کے
 بستی کا ہر ایک گھر سجا دو

اک جشنِ عظیم ملک میں ہو !
 ہو جلے نگر نگر چراغوں
 لے آؤ شہاب آسماں کے
 سارے گلاب گلستاں کے
 شہ بانو کی راہ میں بچھا دو

داستان گو

جس دن کا ہر ایک منتظر تھا
 جھلکا سرِ عام رنگِ صہبہ -
 تجدیدِ حیات کی تھی ساعت
 ساقی سرِ ابخمن قدح دیز
 شیریں سخن و دہن نوا بے سبز
 چھایا ہوا بزمِ پیرِ فصول تھا

آخروہ حسین دن بکفی آیا
 ہر لب پہ تھا جس کا روزِ چرچا
 شادی و نشات کی تھی ساعت
 ایوانِ عروس آتشِ تیز -
 طرار و حسین چند نو خیز
 اک نغمہ تھا ایک ارغنون تھا
دخترانِ سامے

(اٹھاؤ دف اور سناؤ نغمے)

بچمن میں جیسے ہی یار آیا
 گل و سمن پر نکھار آیا

اٹھاؤ دف اور سناؤ نغمے کہ بزم میں شہرِ یاد آیا
 گراؤ پلکوں کی چلنوں کو حرم میں اک گلخدا آیا
 کمی نہ کرنا کہ آج محفل میں میکش بے قرار آیا
 ادھر اسی لالہ رخ کے دستِ حنائی کا خوشگوار آیا
 لئے نگاہوں کے تیر کا رہی جوان اک فوجدار آیا
 نشا کرنے ہزار جانوں کو آج اک جانِ نشا دار آیا
 جو بے پے ہی خمار میں ہو بلا کا وہ بادہ خوار آیا

پچھاؤ تارے سجاؤ راہیں کہ اک جری شہسوار آیا
 قدم جو محفل میں اس نے رکھا صدا کی یہ بلامد آیا
 اٹھاؤ مین بھر دپیالہ کہ کوسم ساز گار آیا
 ادھر کسی لالہ رخ کے چہرے پہ آگئی ہے حیا کی سرخی
 نگر نگر میں ہے اس کا چہرہ چاکرتہ کرنے صہار دل کو
 لئے ہوئے اپنا سر اٹھیلی پہ آگیا اک حرفِ مصر
 سونے کوئی اس سے پوچھے اسے سلیقہ ہے کی

بہار آئی، نگار آیا، نگار آیا، قرار آیا
 گلوں کا وہ غمگسار آیا چمن کا وہ راز دار آیا
 لئے ہوئے کچھ شرار روشن وہ برسرِ لالہ زار آیا
 ہر ایک شخص اس سے متفق ہے کہ خسر و شکار آیا
 سبھی کی جو آنکھ کانپے تا آج بھی کا وہ تاجدار آیا
 وہ پھر برسے کو ٹوٹ کے ابراکِ سر کو ہمار آیا

یہی تو ہے فصلِ عاشقی کی یہی تو موسم ہے دہری کا
 اٹھو اور اٹھ کے روشِ روشِ سنگھار کرو اہلِ بخش
 بہارِ رخسار چھو کے اس کے گلوں کی رنگت بڑھاؤ
 نہیں ہے دیا کوئی اور ایسا جہاں میں ہر کوئی کہہ رہا ہے
 یہ تخت اسی کو بہت ہے بھتا یہ تاج اسی کیلئے ہے بیا
 سبھی کی محفلِ ملیکے حدودِ قرآنِ سعیدین ہو گا امشب

وہ جس کی عرصے سے آرزو تھی وہ جس کے منت سے منتظر تھے
 وہی کماندارِ کجِ منت کے بعد اپنے دیار آیا

داستان گو

تھے جمع عمائدین کشور
 تھا سب کا ہی فیصلہ دیاں یبر
 اک چاند ہے دوسرا ہے سورج
 آئے تھے عوام بھی بکثرت
 قاضی نے جو کی یہ لحنِ قراءت
 سنتے رہے احترام کے سات
 جس وقت ہوا نکاح ان کا

عوام

باہم رہے فیر و لطف ایسا

پاکیزہ و خوش چو آبِ کوثر
 جوڑی تو نہ ہوگی اس سے بہتر
 کیا چاند ہے اور کیا ہے سورج !
 اک جشن تھا اور شان و شوکت
 قرآنِ حکیم کی تلاوت
 اللہ کی اس کتاب کی بات
 ہر شخص نے ہی دعا دیا

جس طرح تھے یوسف و زلیخا

پیس میں ہے خلاص والفت
آپس میں ہے خیالِ تکریم
جس طرح تھے سارہ و براہیم

جوڑی ہے تا ابد سلامت
بڑھتی ہے دن بدن ہی اقلیم
دشاد ہے نہ ہو کوئی بیم

داستان گو

جب ختم ہوئی دعا تو دل سے ”آمین“ کہا بھی نہ مل کے!

چھوہارے رکھے گئے بہ ہر کف
لائے گئے آرسی و مصحف
پوری ہوئی کچھ لگی نہ دیری!
راہوں میں بچھے تھے لعل و گوہر
دربان تھے اس کے زار و سحر
کرتی تھی دلوں پہ راجِ ملکہ!
پہلے وہ اسے سلام کرتا!
ملکہ کے حضور ہی وہ رہتا
اُس بام پہ کرتا جبہ سائی!
پکھراج کہ جیسے کوئی افسوں
ہمیرا، الماس و دُرِ مکھنوں
شہ بانو کے راستے کے ذرے
خوشبو ہی تھا جن کا لمحہ لمحہ

تھے پیر و جوان سب بیک صف
بچنے لگا اس کے بعد ہی دف
اس رسم کے بعد رخصتی بھی
تھی دہر کی ہر خوشی میسر
کیا کچھ بلمندی مقدر!
تھی منکرا منراجِ ملکہ
ہر ماہ جو ماہِ نو نکلتا
جب چو دھویں شب کو بدبنتا
ہر روز ہی میرِ صبح گاہی
پیروزہ بہ رنگِ آبِ جیحوں
مرجان، یا قوت و لعلِ پرنحوں
سارے ہی جواہرات بس تھے
نیلوفر و سوسن و بنفشہ —

نسرین و سمن کا غنچہ غنچہ
 کھلتے تھے کہ شاہ بانو خوش ہوں
 زربفت، شجر آدر - سنجاب
 جمشید، مکندر اور داراب
 تھے سارے یہ حاکمان عالی
 جب بھی انھیں بستے پیر ہن یاف
 اس میں نہیں کچھ گزاف اور لاف
 ملکہ انھیں دیکھے سب سے پہلے
 لیکن تھا محل، اداس، خاموش
 تھے عیش و سرور خانہ بردوش
 تاریک تھے بام و سقف و ایوان
 ہوا دے بہشت یا کہ ہو دے
 جدہ ہو کہ بخند یا کہ ہو طے
 غمگین تھی بالخصوص ملکہ
 مریخ کی چشم، چشمِ خونین
 زہرہ کا رباب ہلاہل آگین
 حالت تھی یہ چرخ پر قسم کی
 فردا تھا دیاں کوئی نہ تھا دوش
 ملکہ تھی تہی و خالی آغوش

بچ ہے کہ چین کا ہر شگونہ
 جم جائے تھیلیوں پر سرسوں
~~تھیں~~ قائم، حریر و کجواب
 کیخسرو کی باد و ہر اب
~~ہو جاتا تھا~~ نام قاف قاف
 اس بات کو کر چکے تھے وہ صاف
 ملکہ انھیں سب سے پہلے پہنے
 ہنکائے، چہل پیل، فراموش
 تھی مہر کی ہر کرن سیہ پوش
 ظلمت تھی حیاتِ شہ کا عنوان
 بس دل کو مسوستی تھی اک شے
 تھی ایک ہی تان ایک ہی
 اُس شاخ پہ کوئی پھل نہیں تھا
 ناہید کا جرم، جرم سنگین -
 رنجور و سرزدہ زحل و پریون
 تھی چاندن اس کی پھیک پھیک
 اک حرف غلط خردش اور جوش
 اور شاہ کو بھی نہ تھا کوئی ہوش

اک غم تھا یہی حرم سرا کو !!
 درویش نواز یوں کا شہرا
 دمی داد بایلاں دیم —
 اولاد کی آرزو بر آئی
 ملکہ کو پس دیا خدانے
 بن سب کو نوید دی صبر نے
 سنگیت کو جب ملا نیا سر
 روشن گہرا ہد چاق و چوبند
 دل سے ہوا ختم اور خرسند
 در نہاتھ، سکم انہروں کو

دگر تھے شاہ و شاہ بانو
 تھا شاہ کا اک جہاں میں چرچا
 ہر شخص یہ بات جانتا تھا —
 تقدیر خوشی کا دن بھی لائی
 کچھ ایسا اثر کیا دعا —
 پھولوں کے جہاں بھی تھے ٹھکانے
 تھا فصل بر س کا ماہ آذر
 جب شاہ نے دیکھا روئے فرزند
 صحت سے درست اور تندرست
 فرمایا در خزینہ وا ہو

شاہ

(باط عیش بچھاؤ)

دیوار الم کی ڈھکادی جائے
 خوشیوں کی بھاسجالی جائے
 لوداشت تخت و تاج آیا
 ہو جائے ہر اک نگاہ خمیرا
 آلام کا دور ہو اندھیرا
 گھر گھر میں ہو اور نگر نگر ہو

ہنگامہ ہو نوپ داغی جائے
 اک منہ گل بچھائی جائے
 اک مہر و خشاں آج آیا
 وہ نور پر اب وہ ہو، اجبالا
 ایسا ہو نشاط کا سویرا
 اک رقص باط عیش پر ہو

یعنی کہ دلوں پہ راج کا دن
 دن ہے یہ نئے رواج کا دن
 اور عیشِ نشانِ غمِ مٹاے
 اس بلبل نہ کر تو، کوئی تاخیر
 دے سب کو جوان ہو کر کہ جو پھیر
 ہر ایک کی سیر ہو طبیعت
 خالی ہو جائے تو شہِ خاں
 مطرب تو سنایا ترانہ
 ہو عہدِ میان ساز و آواز
 دو اتنا الم وہ بھول جائے
 چینے میں کمی نہ ہونے پائے
 اس در سے نہ جائے کوئی خالی

اک جشن کا دن ہے آج کا دن
 دن کب سے یہ کام کا ج کا دن
 گردش میں ہوئے عیشِ آئے
 ساقی قے لالہ رنگِ برگیر
 پوری ہوئی خوابِ شب کی تعبیر
 مٹ جائے ہر اک دل کی حسرت
 داروغہ نہ پیش کر یہاں نہ
 ہے چنگ کہاں ترا چغمانہ
 نغماتِ طرب کا ذکر دبا نہ
 کنگول بکف جو کوئی آئے
 باب کوئی یہاں نہ دکھا اٹھائے
 آئے تو بس آنے دو سوالی

داستان گو

ہاتھ سے نکلتے جا رہے تھے
 لمحے تھے کہ گلتے جا رہے تھے!
 کچھ اور بڑھا تھا غفل کا سن
 ماں باپ نے قیاس نام رکھا
 تعریف کی سب نے ہی سراہا

حالات بدلتے جا رہے تھے
 سوج تھے کہ ڈھلتے جا رہے تھے
 گردش میں تھے یہی دات اور دن
 جب اور بڑھا ہوا وہ — لڑکا
 دل کو یہ بھی کے نام بھٹایا

آگے کی یہ دل نشیں کہانی سن لیجئے قیس کی نہ بانی !

(خاوردہ مابین قیس و خاردشت)

سلام علی بخد من حلہ یا بخد فافهم حلوا القلبی علی البعد

(سلام ہو بخد پر اور بخد میں سہنے والوں پر)

باجود دوری مکاں وہ میرے دل میں جاگزین ہیں)

(ہو نہ سار بردا کے چکنے چکنے پات)

قیس

میں ابھی ننھا ہی تھا سنہا ہی تھا بچہ ہی تھا کوہ و دشت بخد سے اک دلی گذر میرا ہوا

ساتھ تھے والد میرے سلطان تھے جو بادشاہ تاجدار مقتدر شاہنشہ والا تیار

ذرہ ذرہ دشت کا مجھ سے جگہ ملنے لگا میں بھی ہر درے سے ملکر بے تحاشہ خوش ہوا

چلتے چلتے پاؤں میں میرے ہوا اک آبلہ

خاردشتی آبلے سے اس طرح گویا ہوا

خاردشت

اے رفیق قیس تو مجھ کو نہیں ہے جانتا نیک دنیا جانتی ہے تو نہیں پہچانتا

میں ہوں خوار دشت پیاما ہوں شاہ دشت دیکھ کر تجھ کو یہاں آئے لگا ہے مجھ کو وجد

جس کا ہے دن پہ خالی آؤ فہر میرا سبو جس کا دل ہے رات کی مانند تاریک سیاہ

ہے یہ وہ صحر اکسبہ محرابے آب و گیاه جس کا چہرانا معلیٰ ہے اور گرد آلودہ ہے

جس کی آنکھوں میں بخولنے کتنی دھول آسودہ ہے

بجکے سقف و بام و در تعمیر میں ہیں بے نظیر
 بانیوں اور مار و کتر دم کی یہ فردوس بریں
 گرم کوئی گود کی پالی ہوئی جس کی ہوا
 میں نکیلے خار زاروں کی جہاں آبادیاں
 ایک بھوری گود کھلے جس کے چہرے پر گلال
 جس کے لب پر اک صدائے ابعطش دیرینہ ہے
 ریت کا مصر صرکا جس میں مد و جزر و زید دم
 ایک ریگستان جس میں کوئی گلشن ہے نہ کھیت
 جو جی ابوں میں بھی رہ کر ہے سدا سے بے حیا
 ریت کے جھکڑ یہاں بالوکے فونا لے شمار
 صحن میں اسکے نقطہ کھلتے ہیں خاروں کے گلاب
 خار زاروں، ریگ زاروں کی یہ اک دنیا دوں
 اک زمین بے فلک، اک آسمان بے کلس
 جس کے روز و شب گرفتار طلسم ساحری
 دشت بے گلزار ہو جائیگا یس گلزار دشت
 اس کی آمد سے یہ ریگستاں ہل رہی ہو جاگا
 آگے لگ جاتری تقدیس کا ہے غلغلہ

دشت جو ہے ریت کے ٹیلوں کا قہر پذیر
 دشت جو ہے ست رخسار آذ و ہول کی سرزمین
 زہر سے بھر پور ہے مسوم ہے جس کی فضا
 جس میں تاحہ نظریہ ست ہیں ویرانیاں
 آج تک جس کو نہیں معلوم کیلے برنگال
 ایک عرصے سے جو صحر اگر سنہ لب تشنہ ہے
 ہے یہ آوارہ بگولوں کا جہان کیف و کم
 اس زمین بے شجر میں بس آگاکرتی ہے ریت
 ایک بے یانی سمندر جس کی موجیں ہیں ہر آن
 ہے تودہ صحر اکہ ہے صحرائے ناپسند آگاہ
 اس سیہ صحر اپہ صدیوں سے سورج کا عتاب
 اک عظیم نشان ویرانہ ہے صحرائے جنوں
 ایک سناٹے کا گھر اک دشت بے بانگ جس
 جس کے آنگن میں ہے جلتی دھوپ جاگڑی
 آج لیکن اس زبوں اقبال کا جاگا بخت
 قیس لیلیٰ جب جواں ہو کر یہاں پر آئیگا
 تو کہ پہلا آبلہ ہے پا برہنہ قیس کا

قیس

آبلہ سے خار دشت کی سنی جب گفتگو۔ بولے والد۔۔۔۔

شاہ

..... تو ہمارے کئی کی ہو گا آبرو

قیس

خوش ہوئے اتنے کہ وہ ہنسے لگے بے اختیار۔ اور پھر دین مجھ کو والد نے دعائیں بے شمار

شاہ

میرے بن خور دار تو دشمن کر لگا میرا نام عاشقوں میں بس سرفہرست ہو گا تیرا نام
داستان گو

جس دن میں بھینگے کو آئیں اک شخص نے شاہ کو دکھائیں
موجود تھا اک بزرگ سائیں۔ بولا کہ

سائیں

..... مراد میں تم نے پائیں

اب وقت وہ آ گیا ہے خسرو تم قیس کو درس گاہ بھیجو
داستان گو

یوں دل کو لگی بزرگ کی بات اور صبح کو اک غلام کے سات
اس نام کا شہر میں تھا مکتب پس دل میں لئے جہانِ نکویم
سلطان نے طے کیا اسی رات بھجوا دیا قیس کو مقلات
پڑھنا تھا یہیں پہ قیس کو اب تکویم و توجہات و تحریم
مشغول شدہ بد رس و تعلیم ملا نے پسر کو دین دعائیں
امیدیں تمہاری سب بر آئیں

تھی یہ اک ادب سرا انوکھی
 تدیس یہاں یہ تھی اکٹھی
 باہم تھا ملاپ اس طرح کا
 تھے طالب علم جمع اتنے
 استاد بھی تھے نہایت اچھے
 تھے ہم سبقوں میں دو اک ایسے
 اک روز گھڑی تھی دوپہر کی
 مکتب میں برائے علم خوانی
 شائد وزیر و مہذب
 تھی ستید نامری کی دختر
 پہنچی جو درس گئے اندر
 ہر ایک نے دل سے کی مداحات
 دو شاہنے، ذو ذریعہ بازو
 دو ابرو اور دو چشم آہو
 گل ریز تھی، گل عذار، گل نام
 ہر کام میں اس کے تھا سلیقہ
 روتے کو ہنسانا اس کا شیوہ
 شکر دہنی تھی لمحہ لمحہ
 پیشانی کہ جو قمر کو شرمائے

تعلیم یہاں پہ مشترک تھی
 کرتا نہ تھا اعتراض کوئی
 تہذیب سے کام چیل رہا تھا!!
 جتنے تھے کہ ملک میں قبیلے
 مکتب میں جو درس دے رہے تھے
 پڑھتے تھے جو بے ذوق صحیفے
 اک دختر دنواز آئی
 کچھ سیکھنے فلسفہ، ریاضی
 والائے اور عالی منصب
 دختر تھی کہ آبدار گوہر
 تھی سب کی نگاہ اس کے رخ پر
 پھر جلد ہی اٹھ گئے حجابات!
 شانوں پہ دو مشکبار گیمو
 دلب کہ تھی جن میں گل کی خوشبو
 لیلی گل خوب رو کا تھا نام
 ہر بات میں اس کے تھا قرینہ
 وہ حسن کہ ہر نگاہ خیرہ
 لشکر شکنی تھی لحظہ لحظہ
 رخسار گلوں کو نیچا دکھلائے

ابرو کہ ہلال جس کے گن گائے
 گیسو جنہیں دیکھ شب ہو خاموش
 کرتی تھی کلام جب وہ نہرود
 ہر بات میں مکتہ اور جادو
 لب کھولتی، ہوتی گلی نشانی
 دیکھا جو بغور حسن لیلیٰ
 دیکھا تو نظر ہٹانہ پایا
 اک بات کا ہوش اب اسے تھا
 وہ ایک نگہ، نگاہ سے کم
 لیلیٰ کے جمال کا جسم و خم
 پہلی ہی نظر میں دل کی بازی
 تھے قیس کے روز و شب دگرگوں
 بیماری دل تھی روز افزوں
 جاتا تو تھا روز ہی وہ مکتب

قیس

(”خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا“)

کچھ دنوں سے کیا ہوا راتوں کو غیظ آتی ہیں
 کچھ دنوں سے تر ہے آنکھوں کے ہوئے آستین
 کچھ دنوں سے آنکھیں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی رات
 کچھ دنوں سے دل ہمارا بس یونہی دکھ پائے

بسترِ راحت پہ گویا سلوٹوں کا انتظام
 تیرگی اپنی اس آب و تاب کو کھوٹی نہیں
 جیسے میرا دل کہیں پر کھو گیا ہے ان دنوں
 یک سرِ مو یہ جو دے حسی ہلتا نہیں
 کوئی قدموں کا نشان باقی نہ کوئی رہ گزار
 اب بہاروں سے بھی اس دل کا کنول کھلتا نہیں
 شہر سے اور شہر کے شورِ یدہ باز اور ملک سے دور
 ہاں مگر جب خاک اپنی در بدر ہو جائے گی
 کیسی کیسی ذہرہ وناہید، کیا کیا آفتاب
 حسی عالم تاب کی جن کی کوئی سیما نہ حد
 نترن، سوسن، بنفشہ، لالہ، نسرین، یاسمن
 اور ہونٹوں کو ترستے ہیں ابھی کیا کیا ایاغ
 ہیں تلاطم کے لئے کیا کیا سفینے بے قرار
 کتنے سینوں میں کسک ہے چارہ سازوں کیلئے
 کتنے، مبہم، کیسے دھندلے، کتنے تیرہ خواب ہیں
 میرے نغمے کے لئے میرا وہی اپنا باب
 کیا کوئی قاتل کوئی مقتول بھی ہے میرے لئے
 اس کی آب و تاب کو اس سے نہیں کوئی خطر
 تو اگر چاہے تو میرا تلخ بھی ہوا انگبیں !!
 کیا مری قسمت میں بھی ہے کوئی موتی آبدار؟

رات کیسا ہے کر دلوں پر کروٹیں لینے کا نام
 تیرہ دنار یکے اتوں کی سحر ہوتی نہیں
 ایسا لگتا ہے مجھے کچھ ہو گیا ہے ان دنوں
 چاک ایسا ہے کسی صورت سے جو رستہ نہیں
 جستجئے کارواں میں مضطرب ہر سو غبار
 قصر وادیوں میں بھی اس دل کو سکون ملتا نہیں
 جوش و خروش دشت میں چلا جاتا ہوں رنگاموں کے دور
 لوگ کہتے ہیں شبِ غم کی سحر ہو جاگی
 زندگی میں سامنے آتے ہیں کیا کیا مہتاب
 کیسی کیسی ماہ و شمس، آتش بدن، شمشاد قد
 صف شکن، خوش پیر، سین، بدن شیریں، دین
 آندھیوں کی راہ نکلتے ہیں ابھی کیا کیا چسورغ
 کتنے فرمن ہیں تجھیں ہے بجلیوں کا انتظار
 کتنے نغمے مضطرب ہیں نے نوازوں کے لئے
 انتہائے درد و غم سے کتنے دل بے تاب ہیں
 آہ کیا مجھ کو بھی مل سکتا ہے میرا مہتاب
 کوئی ہنگامہ کوئی ہلچل بھی ہے میرے لئے
 روز ہی سورج لٹا لٹا ہے یہاں کرنوں کا رز
 اے خدا تیری سخاوت میں کمی کوئی نہیں
 میں یہاں بکھرے ہوئے لعل و زمر دے شمار

داستان گو

پڑھنے کی کہاں تھی اس کو فرصت
ظاہر ابھی کی نہ تھی محبت !
استاد کی جھڑکیاں وہ سہتا

کتب میں یہ قیس کی تھی حالت
بس ایک ہی بات کی تھی دقت !
سیر کو دیکھتا وہ رہتا
ملا

بے میر اللہ تم پر سدا
پڑھو غور سے قیس تم یہ دعا
دکریا بہ بخٹے بر حال ما

قیس

دکریا بہ بخٹے بر حال ما

ملا

کہ ہستم اسیرِ کمند ہوا

قیس

کمندِ رخ یا ہستم سدا

(چیں برجیں)

ملا

کہا میں نے کیا تم نے کیا پڑھ دیا

(جلدی سے)

قیس

کہ ہستم اسیرِ کمند ہوا

پڑھوں پہلے میں پھر پڑھو تم یہ شعر

ملا

بشنو اذ نے چون حکایت می کند
وز جدا نہیں شکایت می کند

قیس :- اے کریم! برجوائی کن نظر
ملا :-

کیا کہا پھر سے پڑھو اس شعر کو اپنے دل سے مت گڑھو اس شعر کو
قیس :- بشواز نے چون شکایت می کند
ملا :- (چڑھ کر)

قیس تم کو میں پڑھا سکتا نہیں
بھول جاتے ہو حکایت بار بار
میں لگتا تو ہے تم ہشیار ہو
علم سے تم کو شغف کچھ بھی نہیں
تم یہاں ہو، دل تمہارا ہے کہاں؟
وقت کو ہر باد کرنے آئے ہو
رات ہے دن، دن نہیں اک رات ہے
آئے ہو مکتب میں تم پھر کس لئے
تم کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں (ق)
بس اٹھاؤ اپنا بستہ اور کتاب
یاد کر کے کل سبق آنا ضرور
داستان گو

لیلیٰ نے بھی بے رخی کو چھوڑا
دونوں کو نہ تھی کسی کی پروا

جب قیس کا التفات دیکھا
اور دل سے ہوئی وہ اس پہ شیدا

قسمت کا لکھا وہ ہو گئے تھے
مکتب پہ کھلا یہ بھید سارا
ہو جائے کسی کو کوئی پینا
چھپ سکتے نہیں ہیں عشق اور مشک
کرتے ہیں کہاں وہ خوش خروا
ہوتی ہے کہاں حدیثِ یادی؟
ہوتے ہیں کدھر کہاں پہ یجا
تعلیم میں جو کمی نہ کرتے
جز لیلیٰ و قیس وہ یہ کہتے
تعلیم ہے عشق پر مقدم
کیونکہ انھیں درس کی تھی چارست
ملا کہ تھی بس یہی شکایت
ایشان لُغتے دگر نوشتند
جز قیس حساب میں تھے مشغول
لیلیٰ کی جناب میں تھے مشغول
ایشان بحديث ہر بانی

(..... کہ اس میں آگ دہی ہے)

چھوٹی چھوٹی بات پر بے وجہ بھر آتا ہے دل
ہائے اب خود کے دھڑکنے سے بھی گھبرا ادا دل

اک دوسرے میں وہ کھو گئے تھے
ہو کر دلا عشق آتش کا را
دنیا کو کہاں ہے یہ گوارا
کہتے تھے یہ ایک زاید خشک
ہر شخص کو ٹوہ تھی اسی کی
ملنے میں کدھر بہ دل نوازی
بس فکر ہی تھی قیس و لیلیٰ
ایسے بھی تھے درس گہ میں لڑکے
دل ان کے پڑھائی سے نہ ہٹتے
تعلیم ہے عشق سے بھی محکم
مہر و اُدھر تھے ہم جماعت
ان دونوں کو اس کی تھی نہ فرصت
یاراں سخن از لغت سرشتند
ہم لوحِ نصاب میں تھے مشغول
جو دل کی کتاب میں تھے مشغول
یاراں بہ حسابِ علم خوانی
قیس

جب کسی نازک ادا والی پہ آجاتا ہے دل
نرم سی اک چوٹ سے پہرہاں چل جاتا ہے دل

پھر ان ہی آنکھوں کی جھیلیں میں اُتر آتا ہے دل
شوق سے دیوار کی تصویر بن جاتا ہے دل
آپ کی آنکھوں کا کاجل تک چر لاتا ہے دل

پہلے ان دلدار آنکھوں کی قسم کھا تے دل
آپ کا جب ذکر ہوتا ہے کسی بھی بزم میں
آپ کو اس بات کی کچھ بھی خبر ہوتی نہیں

داستان گو

جذبات میں بہتے جا رہے تھے
حالات بگڑتے جا رہے تھے
تھا ایک ہی سر اور ایک سرگم
سب قیس کو چھیڑتے ہی رہتے
رہتے ہو کہاں پہ شاہ زادے؟
کیا دل یہ کسی کو دے دیا ہے؟

جو چاہتے کرتے جا رہے تھے
دن یونہی گزرتے جا رہے تھے
دونوں کے دلوں کا تھا یہ عالم
ہوتے تھے جب ہم سبق اکٹھے
اس سے وہ یہی سوال کرتے
کچھ ہم کو بتاؤ بات کیا ہے؟

(کیا بتائیں کہ ماجرا کیلئے!)

قیس

یعنی اک دایم دلدار میں گرفت رہا ہوں
یوں تو اس دہر میں لاکھوں ہی طرح دار ہوں
کوئی اُس جیسے بھی عالم میں کماندار ہوں
وہ سبھی محو تماشائے رخ یار ہوئے
یوں تو کہنے کو بہت وعدہ دیدار ہوئے

دوستو ہم کسی چشم کے بیمار ہوئے
اُس میں جو بات ہے یاد وہ ہے کچھ اور ہی بات
حسن والے تو بہت قافلہ سالار ہوئے
اپنی ہشیاری پہ جو لوگ بہت نازاں تھے
سچ یہی ہے کہ نقاب رخ جاننا نہ اٹھا

داستان گو

میل ہی کو یاد کر کے روتا

تہائی میں قیس جب بھی ہوتا

اک لمحہ فضول وہ نہ کھوٹا
تھا اپنے شباب پر بھی نازاں
قیس

(اکل اور آج)

کل تک تو تھا لڑکپن یعنی آغازِ شباب
شیر کا دل ہے جگر چیتے کا اور چشمِ عقاب
کل تک تو تھیں مَیں بھیگی اب ایسا حال
کل تک جو کچھ بھی مل جاتا بہل جاتا تھا دل
دیکھ کر نہرہ جبینوں کو سکون پاتا تھا دل
آج میرا دل بہت بالغ، بہت ہوشیار ہے
آج کو چاہیے اک پیشِ قیمت کوہِ نور
قلب کی خنکی، جگر کا سوز، آنکھوں کا سردر
آج ہے مطلوبِ دل کو میرا اپنا آفتاب
دوڑتا پھرتا ہے رگ رگ میں جوانی کا ہوا
یہ مجھے اس کی تلاش اور ہے کسی کی جستجو
جلنے کب ملنا ہوا اس سے جس کا میں منتظر
جب درِ دل پر کوئی دستک سی دیتا جائے
دل کی وہ حالت کہ ہر آہٹ پہ جھوکا کھٹا ہے
اس کی آمد کا یہ پوشیدہ اشارہ تو نہیں
بلنے کب آئے گا میرا ریحِ اقلیمِ دل

آج اُس منزل میں ہوں جس کا نہیں کوئی جواب
اور عزمِ آہنی کے سمنے فولادِ آب
جسم میں رستم کی قوت اور زورِ زال ہے
رات دن صبح و سناغمے گانا تھا دل
اس قدر اُن کے آنکھوں میں کھنچا آتا تھا دل
جسم ہے اک قافلہ، دل قافلہ سالار ہے
کوہِ نور ایسا کہ جو پہر تو سیناے طور
دور آنکھوں سے مگر پھر بھی جو آنکھوں کے حضور
کار کا وہ دہر میں جس کا نہیں کوئی جواب
خاکِ جو کر دے ہے اس شعلے کی جھکوا آرزو
قریہ، قریہ، کوہِ کو، صحرا بہ صحرا، جو بجو
تک ہے ہیں راہ اس کی قصر کے دیوار و در
وہ کہ جس کی شکل اس دل کو بہت ہی بھائی ہے
دیر تک لچل رہے ہے جی بہت گھبرا رہے ہے
میرے دل میں ایک کا نارا کھٹکتا ہے کہیں
روپ ہے جس کا کیٹلا، جس کا نقش ہے سبج

راہ جس کی دیکھتے آنکھیں ہوئیں پھر کی سب
سب کی نظریں دن سمجھ کر شب دھوکا کھانگی

ایک میں کیا منتظر رہا ہے جان اب گل
وہ جو آجلے تو شمعیں خود بخود جل جائیگی

داستان گو

اک گل کو کوئی مہل رہا تھا
تیس اپنے لہو میں جل رہا تھا
آرا تھا کہ دل پہ چل رہا تھا
اک موم تھا جو پگھل رہا تھا
آنکھوں میں سرشک دل میں آزار
تھا کوئی نہ اس کا یار غم خود ادا

قیس (تنہا — ایک شمشیر برہنہ)

کس قدر تنہا ہوں اے شہزنگار!

دل کسی صورت بہلتا ہی نہیں
یار ہے کوئی نہ کوئی غمگار
خدا اک دل میں اترتا جاگے ہے
جلنے کب مل پائے گا دل کو قرا
چل رہی ہے دل پہ اک شمشیر سی
بن گیا ہے غم ہی بس دل کا شعاع
تھر شاہی، بطرح زنداں کوئی
بے حدود دے ثغور دے دیار
آج نکلوں شہر کی جانب چلوں
تاکہ دل پر سے اچھے ٹھوڑا سا بار

اپنے حجرے سے نکلتا ہی نہیں
کس قدر تنہا ہوں اے شہزنگار
حال زار اپنا بگڑتا جاگے ہے
کس قدر تنہا ہوں اے شہزنگار
اور ہے جذبات پر زنجیر سی
کس قدر تنہا ہوں اے شہزنگار
انگتا ہوں خانہ دیراں کوئی
کس قدر تنہا ہوں اے شہزنگار
اک ذرا بازار ہی میں جھانک لوں
کس قدر تنہا ہوں اے شہزنگار

آواز

پھر سے لیلیٰ کی دید کا دن ہے قیس کو آج عید کا دن ہے !
داستان گو

لیلیٰ کے بھی دل میں آئی یہ بات بازار وہ جائے غم کو دے مات
 افسردہ دلی کو ہات کے ہات دے آئے چہل پہل کو سوغات

مادر سے وہ کمر کے اک بہانہ
 برق لئے پس ہوئی روانہ

بازار میں جب کہ قیس پہنچا دراصل اک اتفاق ہی تھا
 آئی اسی رہ گزر پہ لیلیٰ دیکھا جب اسے تو قیس ٹھٹکا

پہچان گیا تھا دیکھ کر چال
 تھا ضبط کے باوجود بے حال

قیس (تو آؤ دل و جاں سرِ راہ رکھ دیں)

کون آتا ہے یہ سراپا ناز کانپتا ہے جہاں سوز و ساز
 کس کی ہے داستان کا آغاز ایک عالم ہے گوش بر آواز
 ہے یہ کون اک صنم کدہ بردوش اب نہیں ہم کو تن بدن کا ہوش
 کون ہے کون رہنمائی تمکیں ہے وہی جو ہے میر دل کا میکس
 لالہ رخ، سرو قد، پری پیکر سیم تن، گل عذار، بنتِ قمر
 میرے دل کا سکون، جگر کا قرار ہے مری جاں ہی جو ہے راہ سپار
 چاہتا ہوں اسی سمن بر — کو یعنی اس بے مثال گوہر کو

التجاس ہے مراد بر آئے
 میں اسی آنکھ کا شہید بنوں
 چال سے لگ رہا ہے لیٹی ہے
 پاس جا کر کچھ اس سے بات کروں
 کیا برقع ہٹا بھی پائے گی؟
 دیکھتا ہوں اُلٹ رہی ہے نقاب
 ہاتھ سے دھت نکلا جاتا ہے
 گر نہ میری مراد بر آئے

انگتا ہوں جو مجھ کو مل جائے
 عاشقوں کے لئے نوید بنوں
 تیس کے دکھ کا جو میٹھا ہے
 اس سے کچھ اپنا حال زار کہوں
 چاند سا رخ دکھا بھی پائیگی؟
 نور برسا رہا ہے اک مہتاب
 کوئی جاتا ہے کوئی آتا ہے
 گریہ دلبر نہ مجھ کو مل پائے

اک نیا گل یہاں کھلا دنگا
 اپنی ہستی کو میں مٹا دوں گا

(تخاطب بہ لیٹی)

السلام اے دل کی راحت السلام
 السلام اے قلب کے حسین السلام
 آپ کی اس زلف بیچاں کا اسیر
 مشکل اسکی آپ کر سکتی ہیں سہل
 دید کا شربت پلا بھی دیجئے
 ایک دم دے کو جلا بھی دیجئے

(محاورہ مابین تیس و لیٹی)

لیٹی

تنگ کتنا ہے ردیفے قافیہ جانتی ہوں آپ کا جغرافیہ

شاہ زادے آپ ہیں اور ہیں شریف میسر دشمن ہیں نہ ہیں میسر حریف
ایک تو لڑا کی ہوں میں نا تختہ ا دوسرے ہے راستہ بازدار کا
اس طرح سے مجھ کو روکا کس لئے مجھ کو روکا مجھ کو ٹوکا کس لئے

قیس

(آپ کے حکم کی دیر ہے)

”عالم جوش جنوں میں پروا کیا کیا کچھ
کہیے کیا حکم ہے دیوانہ بنوں یا نہ بنوں؟“
عرش تک جائے فرشتوں کا جو دل دہلا دے
میں وہی نعرہ مستانہ بنوں یا نہ بنوں؟
ایک بھی جس کے مقدر میں بلا نوشی نہ ہو
میں اسی طرح کا پیمانہ بنوں یا نہ بنوں؟
کتے بوجھلوں کو پے ہوش دخر د کا پندار
میں بھی اُن جیسا ہی فرزانہ بنوں یا نہ بنوں؟
ایک تانستہ سائیکانوں کا جہاں پر ہو لگا
اس جگہ خود سے ہی بیگانہ بنوں یا نہ بنوں؟
اے مری شمع نقطہ اتنا ہی فرما دیجئے
آپ کے حسن کا پردانہ بنوں یا نہ بنوں؟

لیلیٰ

پھول اک بن کر ہلکنے سے لگے آپ دوبارہ بہکنے سے لگے
ہے مناسب بند ہو بانگ درا آپ کی گستاخیوں کا سلسلہ

قیس

عرض چھوٹی سی مری سن لیجئے
قابل الزام ہے تو سن ہے
آپ کی خفگی سر آنکھوں پہ مرے
درمیاں ہے جو مرے اور آپ کے
ایک شاعر نے ہے کیا اچھا کہا
شعر جو سننے ہی دل کو بھا گیا
شاعر

شمع روشن ہو تو پروانے بھی آئیں گے ضرور
شمع کے ساتھ ہی خود کو بھی جلائیں گے ضرور

(ہم کو اس سے کیا !)

لیلیٰ

جلتے ہیں تو جل جائیں اس بزم میں پروانے
کچھ غور کرے اس پر دنیا کو کہاں نصرت
اس غور کی عادت سے ہوتی ہے بہت دقت
ہوتے ہیں تو ہو جائیں فرزانے بھی دیوانے
معمولی نہیں یہ ہے اس میں بہت تلخی
چکھ کر بھی اسے دیکھیں میخواروں کی کیا ہستی
میخواروں کی کیا ہستی جل جلتے ہیں پیانے !
بہتر تو یہی ہے بس چپ چاپ لایکھجئے
بیگانے میں بیگانے کس کس کا گلہ کیجئے
بن جاتے ہیں دنیا میں جب اپنے ہی بیگانے
جو دل کی تمنا ہے وہ نقش ہے دل پر
جس بیت کو دیا ہے دل اس بت کی پریش کر
دیے تو ہیں دنیا میں بہترے صنم خانے

(تقریب بہر ملاقات !)

قیس

اے صنم آپ ہی اس دل کے مکاں کے ہیں مکین
آپ ہی کا تو فرد کش ہے یہاں نقشِ حسین

ایک مدت سے حضور آپ کا دیوانہ ہوں،
 آپ تو جانتی ہیں آپ کا پروانہ ہوں،
 آج تک نام مراقینس تھا اب ہے مجنوں
 شہر پایا جائے گا ہر قریے میں راقم کا جنوں
 دن دہ آئے گا بہت جلد ہی انشاء اللہ
 ایک عالم میں مرا آپ کا چرچا ہو گا
 اب یہ فرمائیے کب آپ سے آکر میں رسول
 پھول کی طرح سے کب آپ کے گلشن میں کھلوں
 کوئی تاریخ کوئی دن تو معین کیجئے
 اور ملنا ہے کہاں یہ بھی تو فرما دیجئے
 آپ ہاں کہ دیں تو حد درجے سکون پائے گا
 ورنہ اک خستہ جگر جاں سے گزر جائیگا

لیلیٰ

معا کہنے کو آسان سے لفظوں کو چٹنا
 حبِ حال آپ کے ہے شعر کسی شاعر کا

شاعر

بے نمود اور نمودار کہیں دیکھا ہے ؟
 اس قدر سادہ و پُرکار کہیں دیکھا ہے

لیلیٰ

پس یہ معلوم ہوا آپ خطرناک بھی ہیں
 سخت گستاخ بھی آزاد بھی بے باک بھی ہیں
 اب ہوا علم کہ میں طاق نظر بازی میں
 آپ اور دل سے نظر بازی کریں ہم تو چلیں

آواز

اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگ ناگہاں سے
 وہ چلے جھٹک کے دامن مرے دستِ ناتواں سے

داستانِ گو

بس یونہی گزر رہے تھے دن رات ہوتی تھی کبھی توشہ - کبھی مات
 دہر کا تھا غم، کبھی غم ذات کرتا تھا وہ اپنے دل سے یوں بات
 کیا تجھ سے بتاؤں اے دل، اے دل
 ہے تجھ سے نبہا کتنا مشکل -

قنیں

[کون سی دادی میں ہے کونسی منزل میں ہے]
 جنابِ دل یہ کیا لائے؟ کہاں تھے تم؟ کہاں تھے تم؟
 بہت مدت کے بعد آئے کہاں تھے تم؟ کہاں تھے تم؟
 اہم، آزر دگی اور اشک کی سوغات لائے ہو
 ہمارے واسطے آہوں سے پُر جذبات لائے ہو
 زمانہ وہ نہیں آیا لگے دل کی جگہ پر دل
 نہیں تو ہم نہ رہتے ایسے بیچارے نہ یوں بسمل

الم تم کو ہو کیوں آخر تمہیں کس بات کا ہو غم
 کوئی صورت نکالو جی کہ ہو سرگشتگی کچھ کم
 کہاں تفریح کرتے ہو کہاں پھرتے ہو آوارہ
 کہ جیسے کوئی ناکارہ کہ جوں ٹوٹا ہوا تا رہ
 ہمارے جسم اور جاں کو لگی کب تک رہے رنج
 رہیں صبح و ساگر دشن میں ہم بے دل رہیں کب تک؟
 اجی حضرت بتاؤ ہم سے آخر ماجرا کیا ہے
 یہ ہنگامہ ہے کیا، تم کو بتلاؤ، ہو کیا ہے؟
 ہے مرکز کون سا لے دل کہاں محو تمہارا ہے
 کہاں ہے، کدھر مینا، کہاں ساغر تمہارا ہے؟
 یہ سیاحی، یہ گردش، الغرض آوارہ گردی کیوں
 ہمیں بتلاؤ تو اپنی یہ حالت تم نے کر دی کیوں
 گزرتی ہے جو تم پر اس سے ناواقف مگر ہم ہیں
 جو کہتے ہیں حقیقت ہے یہ سچ ہے بے خبر ہم ہیں

دل قیس (اے قیس یہ ہے آپ کا عارفانہ تجاہل)

آپ اور بے خبر جناب قیس !
 جیسے کچھ جانتے نہیں ہیں آپ
 آفریں آپ پر جناب قیس
 خاک تو چھانتے نہیں ہیں آپ
 آپ کے عشق کی ہے شہر میں ہجوم
 کتنے بھولے ہیں کس قدر معصوم

آپ کی بات ہم نہیں سمجھ
کس لئے ساری بے قراری ہے
یعنی اک گھات ہم نہیں سمجھ
کس کی خاطر یہ جاں سپاری ہے
بنّت مہ دختر سحر ہے کون
آپ جس حور کے ہیں شیدائی
جسکی خاطر یہ ہے حبیبیں سائی
آپ کے دل کا مدعا ہے جو گل
زندگانی کا آسرا ہے جو گل

ہاتھ لگنے سے بھی جو ہومبلا

ہاں اسی گل کا نام ہے لیلیٰ

داستان گو

ہوتی تھیں وہاں بس ایسی باتیں
بے خواب ہوئی تھیں ان کی راتیں
باتیں جنہیں کہتے میٹھی گھاتیں
قسمت تھی فراق کی راتیں

پھر اگلی ہی شام تیس شیدا

محبوب کے آستان پہ پہنچا

لیلیٰ کا محل

فتیس (رباب پر نغمہ سرا)

ایک دیوانہ ہے کشکول بکف در پہ تیسرے
تو شہنشاہِ حینان جہاں لے لیلیٰ
اپنی ہمت ہے کہ ہم ایسی جگہ جیتے ہیں
سانس لینا بھی جہاں پر ہو گراں لے لیلیٰ
تلخیِ ذہیت بھلا بیٹھا ہوں تجھ سے مل کر
تو کہ ہے خمر و شیریں دہناں لے لیلیٰ

کیوں نہ ہو ایسی بلندی پہ ترا کا شانہ
تو کہ ہے نازشِ شمشاد قد اے لیلیٰ
تو وہ مشعل ہے اندھیروں کو جو کرتی ہے گداز
تو ہے سر جلد آتش بدناں اے لیلیٰ

پاسبانِ لیلیٰ

[خود کلامی]

گا رہا ہے یہ کون بیگانہ
چشمِ پُر غم سی چال بے ہنگم
نقلِ مفک سا اپنے ماضی کا
میں کہ لیلیٰ کا پاسبان ہوں یہاں
جو ادُن نزدیک اسکی تھہاہ تو لوں
(پاسبانِ قیس کی طرف بڑھتا ہے، رباب بجا رہا ہے قیس نے ایک نئی لے چھڑی)
کوئی دیوانہ ہے کہ فرزا نہ
بال بکھرے سے حال بے ہنگم
یہ ہے اک مسئلہ ریا صنی کا
فرض ہے اس سے پوچھوں نامِ نشان
کچھ کہوں اپنی کچھ میں اس کی سنوں
[انداز تو دیکھو]

قیس

تجھی سے مانگ رہا ہوں تجھے میں اے لیلیٰ
گدا ہوں پر میرا انداز خسروانہ ہے
مری غزل میں ہے تیرے شباب کی مستی
مری غزل میں سرورِ مے شبانہ ہے
مری غزل تری دوشینرگی کا نقشِ حسین
مری غزل تری رعنائی کا فسانہ ہے

یہ بات سچ ہے طبیعت میں مسیّر ہے رندی
 فرامزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے
 وہ شخص جس کو کہتے تھے لوگ فرزانہ
 عجب یہ ہے کہ ترانِ دنوں دوانہ ہے

پاسبانِ لیلیٰ

کون کہتا ہے تم ہو فرزانے جھکو تو لگ ہے ہو دیوانے
 (قیس تم بوسی کرتا ہے)

پاسبانِ لیلیٰ

یہ کیا کہ تم نے قدم آگے بڑھ کے میرے لئے
 گدا سمجھ کے میں چپا تھا ابھی تک، سمجھے !

قیس

آپ بھی ہیں مجھ کو اے بابا عزیز

دیے جیسے ہے مگِ لیلیٰ عزیز

(برود بسوز درآتشِ خویش)

پاسبانِ لیلیٰ

میں کہاں اور کیا ہے تھے لیلیٰ کا سگ

تم مجھے کوئی نظر آتے ہو ٹھگ

کون ہو تم؟ چلے بیٹے کیا؟ کہ ہے ہو کیا یہاں؟

مگر ہو موسیقار تو بازار میں کھولو۔ دکان

دور ہی سے سن رہا تھا میں یہ دودھاری غزل

سازِ اُسی میں ہے مگر ہے سوز سے عاری غزل

تم سمجھتے ہو کہ سرمستی تمہاری لئے میں ہے
 تم سمجھتے ہو کہ موسیقی تمہاری لئے میں ہے
 یاد رکھو روح میں ہوتا ہے نغمہ اے پسر
 اور ہوا کرتی ہے ایسی موج نے ہی کار و گھر
 دل میں بت ساند کے پوشیدہ ہوتا ہے غم
 خلوتوں کی انجمن ہی میں لیتا ہے جسم
 تم ابھی بھولے ہو، سادہ ہو، بہت معصوم ہو
 آگ میں اپنے لہو کی اور کچھ عرصہ جلو !
 دل کہ جو اپنے لہو کی آگ میں جلتا نہیں
 بس تپا کرتا ہے وہ کندن کبھی بنتا نہیں
 کسکو فرصت ہے سنے جو داستانِ اضطراب
 درد کے بازار میں کھولو دکانِ اضطراب !
 (گاتا ہوا جبار ہے)

قیس

بجز اک چیز کے اے گل بدن اس گھر میں اب کیلئے
 فقط دل ہی تو ہے وہ بھی مگر دست سے تیرا ہے
 اگر تیری توجہ سے بھی ہم محروم ہو جائیں
 تو بس پھر مر ہے اور اک بے درد دیوار صحرائے
 جدِ دیرِ حرم سے ہم بہت آگے کو جا پہنچے ،
 جبیں اب بے نیازِ آستانِ دیر و کعبہ ہے

داستان گو

اک سوچ میں قیس تھا مسلسل لیٹی کے فراق میں تھا بے کل
تنہائی سے دل میں تھا ہلا ہلا تھی فکر مگر دماغ تھا شل
تشنہ تھی بہت ہی پیاس اسکی شایں تھیں ادا اس ادا اس کی

قیس

جھٹکتی جاتی ہے شام کی تبدیل ہر طرف ایک خاشی کی نصیل
کمتنی پُر پیچ اور کمتنی طویل بام و در پر ہیں پہرہ بے سکوت
غل یہ ہے غل کا اٹھ چکا تابوت موحیرت ہے عالم ناسوت

خاشی خاشی سے محو کلام ہو چکا کام ناطقے کا تمام
رک گئی آج گردشِ ایام شب کے پچھلے پہر میں تنہائی
بن گیا شہر خود تماشا شائی اک کمینگاہ سے نکل آئی

راہ مبہوت، سرنگول اشجار ہے چمن میں نہ رنگ و بو کا فشار
زلیت بوجھل، کٹھن، گراں، دشوار

دھول اڑتی ہوئی سی وحشت کی دور سناٹے نے صدا سی دی
غم نے پھر دل میں ایک کر دٹ لی

ہو چکا ہے سکون دل تاراج حیف غم کا نہیں ہے کوئی علاج
کوئی ساتھی نہ غمگاہ ہے آج

یہ میرا شہر، میرا اپنا شہر شہر جس میں کہ پی رہا ہوں نہ ہر
 زندگی کیا ہے اک مسلسل قہر
 دا ہوئے حلقہ ہائے دارد رسن نہ تو آہیں نہ نالہ و شیون
 چاک ہے زندگی کا پیرا ہن!

داستان گو

قیس اور غم یار، یار تھا دور غمگین تھا، غم گسا تھا دور
 مجبور سے، اختیار تھا دور بایوس سے کردگار تھا دور
 تھی یاس محیط جان و دل پر آنکھوں کے ہوسے تر تھا بستر
 (مداوا کوئی نہیں)

قیس

اک گراںبار اداسی ہے دل و جاں پہ محیط
 اور اک ایسی خلش جیسا کوئی نام نہیں
 نبشِ عقرب ہی کہوں میں اس کو
 جس کی ہر ضرب ہے زہر آلودہ
 ایک مفرابِ ستم !
 جس کے چھوٹے ہی لرز جاتا ہے دل کا ہر تار
 خوابِ زخمی میں امیدیں مجروح
 آرزوؤں کا کلچہ چھلنی
 کیا غم زیت کا اب کوئی مداوا ہی نہیں؟ چارہ گر کوئی نہیں کوئی مسحا ہی نہیں
 کیا نہیں کوئی بھی تسکین نہاں کی صورت۔ کوئی آسودگی، قلبِ تپاں کی صورت

ذہن اک تیسرہ دتار یک۔ سر مجس میں ہوا ہے تبدیل
 میسر انکار جہاں قید ہیں زندانی ہیں
 کتنی مسموم ہے اس مجس پیرہ کی نضا
 جس نضامیں مرے انکار کا دم گھٹتا ہے۔ میری جرات مرے انکار کا دم گھٹتا ہے
 اک گرا نبار اداسی ہے دل و جاں پہ محیط !

(سیلی بہ نفس نفیس آتی ہے)
 مردہ باد اے مرگ، عیسیٰ آپ ہی بیا ہے !

سیلی

ہم ادھر سے جا رہے تھے اپنی اکلم کہتا
 اتفاقاً ہم نے جب پڑ سوز اک نغمہ سنا
 ہم کو اے قیس آپ کی آواز کا دھوکا ہوا۔
 دیکھ لیں کیا کر رہے ہیں آپ کیلئے حال چال
 اپنی ہمد سے کیا ہم نے ذرا سا شورا
 رائے اس نے دی ملیں ہم آپ سے ہر ج کیا

(تشر، تشر)

قیس

آپ آئیں دل سے میرا شکریہ !
 کیا یہ سچ ہے آپ میں میرے قریب - لگ ہی ہے بات لیلی عجیب۔ جاگ اٹھے، میں قیس کے سونے نصیب
 آپ آئیں دل سے میرا شکریہ !
 اک نہ دھیر تھا یہاں پر چھا رہا۔ آپ نے آکر اجالا کر دیا۔ آپ کے آنے کا امکان بھی نہ تھا !
 آپ آئیں دل سے میرا شکریہ !
 آپ کی آمد سے دل سیرا بس ہے۔ میری خوش بختی کا پہلا باب ہے۔ جاگت ہوں یا کہ کوئی خواب ہے
 آپ آئیں دل سے میرا شکریہ !

لیلیٰ :- بات کیا ہے کن خیالوں میں ادھر کھوئے ہیں آپ
ایسا لگتا ہے کہ کل شب کو نہیں سوئے ہیں آپ

قیس [صورت بسبب حالت پر سر]

ایک دو راتوں کا بے کیا غم مہینے ہو گئے خواب کیا ہے؟ نیند کیا شے ہے؟ نہیں ہم جانتے
دل ہمارا رات بھر منہ زور تھا، دھڑکا کیا شام ہی سے یہ چراغ شب بہت بھڑکا کیا!
ہم یہ سمجھے بات سے اپنے نکل جائیگا دل اور نکل جائے تو پھر واپس نہیں آئیگا دل
آپ ادھر تشریف لائیں خیر مقدم آپ کا اس طرف ہوتا گذرے یوں بھی کم کم آپ کا
گر اجازت ہو تو کچھ دیر کو چھپڑوں رباب اس مسرت میں کہ ظلمت میں ہے چمکا آتی

لیلیٰ آپ کی گر خوشی اسی میں ہے۔ چھپڑ دیں آپ ساز پر اک لے

قیس (رباب چھپڑ کر گاتا ہے) [اے ہدیہ بہار]

اجالو طور کی مشعل جلاؤ اندھیر و تم عدم کو کوٹ جاؤ
کہ آپ آئی ہیں اس ظلمت کدے میں منبر کباد ہم خود کو نہ کیوں دیں
مرے اشعار کی رنگین تفسیر مری صحوں کی نورانی لطافت!
حسین ہدیہ بہاروں کی طرف سے چمن کے گل عذاروں کی طرف سے
کلیاؤ کی با حرمت ہواؤ یہ مریم، میں اپنی کے گیت گاؤ
نہیں ان کوئی عذرا سے نسبت کہ وہ اک خواب ہے میں یہ حقیقت
مجھے زرتشت کی تقدیس تسلیم مگر واجب ہے اس شعلے کی تعظیم
نہ کیوں ہو اب مقدر پر مجھے ناز کہ آپ آئی ہیں صن کے دل کی آواز

لیلیٰ

اس حسین نغمے کا بے حد شکریہ

سن کے اس کو جی بہت ہی خوش ہوا

قیس

”وہ آئیں گھر میں ہمارا خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں“

لیلیٰ

شکریہ لیں آپ اس تعریف کا

ان حسین الفاظ اور توصیف کا

شکریہ جذبات و احساسات کا

شکریہ اس دل نشیں سوغات کا

قیس

(مجھے معلوم نہ تھا)

آج کا دن ہے مری زینت کا حاصل اک دن

آئیگی ایسی بھی ساعت مجھے معلوم نہ تھا

آپ خود آئیگی اس گھر میں مرے نفس نفیس

ہوگی اک ایسی بھی صورت مجھے معلوم نہ تھا

نہ فراموش اسے میں کبھی کر پاؤں گا

یوں ملیگی مجھے عزت مجھے معلوم نہ تھا!

آفت جاں پہ نکل آئے گا یوں ایک قمر

غم کی مٹ جائیگی ظلمت مجھے معلوم نہ تھا

حشر کا دن تو بہت دور ہے لیکن ہوگی

حشر سے پہلے قیامت مجھے معلوم نہ تھا

آئیگی دولت بیدار مرے گھر اک دن

ایسا دن اے مری چاہت مجھے معلوم نہ تھا

آپ یاں آئیں مقدر کو مرے چمکا یا

ہوگی اس درجہ سرت مجھے معلوم نہ تھا

لیلیٰ

(سوال و جواب)

آپ کے شعر سب سننے میں نے

جیسے محفل میں ایک جام شراب

آپ کی انگلیوں نے وجد کے ساتھ

چھڑا آہستگی سے، تار و باب

نشہ دونوں کا ایک ہی سا ہے

ہے سوال ایک دوسرا ہے جواب

بلکی طرح سے تو — باقی ہیں

آپ کے میسر جانے کتنے حساب

میری قسمت آپ ہی میرا مقدر آپ ہیں
میری تقدیر اور مرا بخت سکندر آپ ہیں
اس اندھیرے میں اجلے کے سمیر آپ ہیں
جو کلیجے میں اتر جائے وہ خنجر آپ ہیں
آئینہ جس سے خیرہ ہو جاوے گوہر آپ ہیں
اس میں مجھ کو شک نہیں کچھ میرا محور آپ ہیں
خوش جالوں کے سپہ سالار و افسر آپ ہیں

کیوں نہ مجھ کو نخر ہو اور کیوں نہ مجھ کو ناز ہو
ہے مشیت نے ازل سے میری قسمت میں لکھا
ظلمت میں ہی ظلمتیں ہیں آسماں سے تاز میں
زخم بھی ہونے نہ پائے گھاؤ بھی کاری لگے
دور کرنے جو اندھیرا آپ ہیں وہ کوہ نور
گھومتی ہے میری قسمت آپ ہی کے آس پاس
آپ ہیں بے حد حسیں دراصل آنکھیں کھولیں

(اب اجازت دیں)

لیلیٰ

نبض اب دن کی ڈھلنے والی ہے
آسماں پر نکلنے والی ہے !
راگ کی لئے بدلنے والی ہے !
دن گیا، شام چلنے والی ہے !

رمل ہے ہیں افق یہ دونوں وقت
چاند تاروں کی اک حسیں رات
اب چلیں آپ سے اجازت لیں
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

داستان گو

سب کہتے تھے اس کا ہی دوانا
جاتا تھا کبھی بسوئے صحرا

بیوست تھا تیر چشم لیلیٰ
بتی میں کبھی وہ گھومتا تھا

تھا ایک خیال ایک ہی فکر
لیلیٰ کا ہی نام اس کا ہی ذکر

دنیا کا رواج بھی ہے کیسا...
 بجنوں لقب اس کا رکھ دیا تھا
 بجنوں ہی اسے پکارتے تھے
 بیٹے کے مرض کا شہ کو تھا غم
 دونوں ہی کو فکر تھی یہ سپہم
 رہتے تھے بہت ہی دہ پریشاں
 احوال جو پوچھا شہ نے اس کا
 معلوم ہوا ہے عشق لسنی
 تاجلہ کریں وہ طے یہ رشتہ

یاروں نے بجائے قیس شیدا
 سب بھول گئے تھے نام پہلا
 اس نام کو ہی نکھارتے تھے
 تھی ماں کی بھی چشم، چشم پر نم
 ہر لمحہ تھا گویا ساغرِ سم
 بیٹے کے ملال سے ہراساں
 گویا ہوئے محرابِ خانہ
 سلطان ہوئے سنتے ہی روانہ
 ہو جائے کہیں مرض نہ دو نہ

وزیرِ اعلیٰ (ایک ضروری مسئلہ)

سیدنا صر کو جھک کر خاکسار
 میں وزیرِ اعظم کا بینہ رہوں
 لائے ہیں تشریف شاہ ذی وقار
 اک ضروری مسئلہ درپیش ہے
 بات کرنی چاہتے ہیں اے بزرگ

پیش کرتا ہے سلام و احترام
 اور عرب کے شاہ کا ادنیٰ غلام
 میں ہوں ہمراہِ شہِ عالی مقام
 جس کی خاطر یہ کہتا ہوں
 آپ ہی سے ہر شے غنی احتیاج

سیدنا صری (مدعا کیا ہے)

السلام اے تاجدار اے حاکم والا تبار
 آپ آئے آپ کو کہتے ہیں ہم خوش آمدید

آپ کی آمد سے روشن ہو گیا ہے ہر دیار
 یہ غلام ہو گیا مسلّمِ مومنین کا

نہ صری ہے یہ ریاست جس کا میں سردار ہوں
اسکی خاطر جان بھی دینے کو میں تیار ہوں
معا کیا ہے یہاں آنے کا اور کیا راز ہے؟
آپ فرمائیں کہ بندہ گوش بر آواز ہے

شاہ

(مسیح دلی عہد کو آپ فرزندگی میں قبول کریں)

سید ناصر علیک
جیتہ ناصر علیک
شکر یہ آپ کی عنایت کا
لے کے آیا ہوں ایک اپنی مراد
میرا فرزند جس کا نام ہے قیس
ہے وہ بس ایک ہی ہمنسریں طاق
وہ ہمنس جس کا عاشقی ہے نام
قیس ہے کچھ دنوں سے تشنہ جگر
جس کا شہر انق سے تا آفاق
اس سے واقف ہیں سارے خاص عام
نام ہے ایک اس کے ہونٹوں پر

لیٹی لیٹی، پکارے ہے بن میں

لیٹی ہی لیٹی ہے بسی من میں

صبح سے شام تک وہی اک نام
آپ کی دخترِ حسین کے لئے
س کے لب پر جناب صبح و مسا
یش کرتا ہوں میں سلامی میں
پ جوہر شناس ہیں سید
وہی میخوار اور وہی اک جام
اس نے آرام و خواب تج ڈالے
ذکر ہے گرتو ذکر ہے اس کا
آپ بے لیں اسے غلامی میں
میرے بچے کا اس میں سید

سیدنا صری (آپ کا ہے مال، مال پر خلل)

آپ نے رکھا ہے میرے سامنے اک مسئلہ
 کچھ ہی عرصہ قبل میرے علم میں آئی یہ بات
 تب سے مجھ کو بھی یہی اک غم ہی آزار ہے
 بات کہنی چاہوں گا پس آپ سے میں صاف
 اس میں کیا شک ہے کہ وہ آشفۃ مغز آشفۃ
 آپ کی ہوتی اگر بیٹی تو رکھیے دل پہ بات
 آپ بھی چاہیں گے کیا اس حال میں کبہر دوں میں
 آپ بھی ہیں اک عرب اور جانتے ہیں آپ نے ب
 جب کبھی بازار میں آتے ہیں مال پر خلل
 آپ ہی کے مال میں ہے عیب اور خامی حضور
 بات میں اپنے جگر گوشے کا کچھ دوں صاف

داستان گو سن کر یہ جواب نامری سے
 دربار میں آ کے سب بولے
 اچھا ہو جو قیس کو سنا ہو
 کامینہ نے سن کے حکم سلطان
 عامران : بے وجہ ہوں کس لئے ہر اسماں
 لیٹی سے ہزار درجے بہتر
 پس ایک وزیر اس سے بولے
 میں بارغ میں اور بھی شگوفے
 سلطان بہت ادا اس بولے
 انکار کیا ہے نامری نے
 سلجی میں نئے اسکو ڈھالو
 آپس میں صلح کی یک جاں
 ہے کب یہ نشان ہو خوش مذاں
 لائیں گے برائے قیس، دلبر
 نظریں تو اٹھاؤ شاہزادے
 آراستہ ترز نو بہارے

ہیں اور ہزار ہا پریشانی
 اے تیس ہیں شعلہ نام کتنے
 دیکھے ہی سے جھکائے غمش
 روشن ہیں مہ تمام کتنے
 ہیں اور بھی خوش خرام کتنے
 ہیں کتنے جہان میں سخن بر
 ہیں ہر بلند بام کتنے
 لیلیٰ ہی میں کیا کئے ہیں گہر؟

تیس

آپ کو کیا زیب دیتی ہے یہ بات
 مجھ کو یہ سن کر بہت ہی دکھ ہوا
 اس کے آگے اب نہ کچھ فرمایئے
 دل میں ہے پیوست پہلے سے ہی غم
 بچی میں آتا ہے یہ ہیں مرجائیئے
 ہے مری درخواست میرے مہربان
 تیسرا اس پر اور مت برسائیئے
 آپ بس تشریف اب لے جائیئے

داستان گو

مسکین، غریب، تیس، محصوم
 پھر جب اسے ہو گیا یہ معلوم
 تھا درد بھری خبر سے محروم
 تھتے ہی یہ کیفیت تھی اس کی
 محبوب نہ ہو سکے گی مقسوم
 جیسے کہ گری ہوا اس پہ بجلی

تیس

(پھولوں کے زخم)

دن کی بھیڑ میں تپتا
 ترکش کا تیسرا اس کی لبو
 اک بجر، سوکھا صحرا
 یاں پھول نہیں آگے سکتے
 جو گھاؤ کرے ہے گہرا
 ہیں اس کے کنوئیں سبائے
 خاروں کا لگایا ہے پہرا
 صحرائے ستم ہے بہرا
 تھا شہر میں ان گاروں پر
 دل دشت میں آ کے ٹھہرا
 دنیا بھی عجب سی شے ہے
 لہتے ہیں یہاں ابلخانے

یال چھوٹی سی باتوں کے بن جاتے ہیں افسانے
 ہیں لوگ بہت جو خود کو کہلاتے ہیں فرزانے
 جو عادل ہیں یہ سن کر بن جاتے ہیں دیوانے
 غیروں کا گلہ کیا کیجئے جب اپنے ہوں بیگانے
 پھولوں سے کانٹے اچھے چھ کر جو نکلی ہیں جاتے
 جو زخم دیئے پھولوں نے وہ زخم نہیں بھر پاتے
 ہے از حد بھولا بھالا کیوں دل کو ہوا الجھاتے؟
 کیوں اس پہ غضب یوں کرتے کیوں اس کو نہیں سمجھاتے؟
 گردل ہے اک صحرائی ان یاروں کی یاری دیکھی
 جو ہستے ہوئے ڈستے ہیں وہ بازی ہاری دیکھی
 جس پر بھی داد لگایا ساری کی ساری دیکھی
 اس دل کی ہوئی جو درگت رسوائی اور بر بادی
 ان کی مجبوری دیکھی ذلت اور خواری دیکھی
 اپنی لا چاری دیکھی

(تازہ خبر)

صحافی

آج کی تازہ خبر لو صحافی سے سنو
 سن کے بس سر کو دھنو تانا بانا ہے بنو
 اک نیا پھول چنو آج کی تازہ خبر
 چشم پر خوں کی خبر دہر مکنوں کی خبر

ایک عسزدوں کی خبر ایک مجنوں کی خبر آج کی تازہ خبر
ہم سبق (کچھ ہمیں بھی تو بتلائیے کیا ہوا؟)

ہم جماعت ہم سبق مجنوں کے یاداں ہم بھی ہیں
کچھ نہیں ہم بھی تو کیا تازہ خبر ہے آج کی
کیا کسی نے پھر کسی کی چھین لی ہے جائیداد
کیا کسی ہوش کو نیک ہو گیا کوئی فرار؟
کیا کسی نے پھر کسی معصوم کا توڑا ہے دل
کیا کسی گل رخ نے دونوں جویں کے واسطے
کیا کسی صیاد نے گلشن پہ پھر پھینکا ہے دم

صحافی (تمیں بالآخر دوانہ ہو گیا)

ہم جماعت تمیں کے گرسن سکو تو لوسنو
تمیں عامر جانب صحرا دوانہ ہو گیا
میں نے خود دیکھا کہ جب جا رہا تھا بے گناہ
شہر کے کچھ چھو کرے برسرِ تھے سنگ و خشت
نام لیلیٰ کا وہ لیتا جا رہا تھا بار بار
تمیں کے لب پر جو نغمہ تھا وہ ہم سب نے سنا

(تیرے شہر میں)

فانش کتب پاک یہ اسرار تیرے شہر میں
تب سے کھو یا ہم نے دل کی دھڑکنوں پر خیمہ
گلی تو گل کتنے گراں میں خار تیرے شہر میں
جب سے پایاک حسین آزار تیرے شہر میں

ہر نفس اہل وفا کے واسطے ہے پل صراط
مرحبا اسال کیا پھولی ہے فصل اشک و آہ
اتن ارزاں تو شبیدوں کا لہو پہلے نہ تھا
گلابے کا ہے ہی نظر آتے تھے گر گبر گرسنہ
ہر قدم پر گور کن اور ہر طرف دار و رسن
معترف تھا دہر جتنی عظمت کر دار کا
جب سے لے قاتل ہو لہے عام تیرا فیض چشم
میں یہاں کسکو پکاروں کسکو آواز دوں
در حقیقت آج سے پہلے نہ ہوتے تھے کبھی
آستینوں میں نہ یوں پہناں تھا خنجر اس کے قبل
آہ الیسی قیامت ہے کہ خود مجنوں ترا

(ہائے ہائے)

ہم سبق

” ماد مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
” او بہ صحرانت و مادر کو چہ ہار سوا شدیم“

بات تو نے اے صفائی کیا سائی دل خراش
جانتے ہیں سب کہ وہ کچھ دن تھا صاف زراش
ہو گیا ہے راہی دشت و بیاباں ہا ہائے
میں نہ تھا تیار ایسی بات سننے کیلئے
غم اگر کوئی کہے اپنا تو کب؟ کس سے کہے
کس قدر دشوار ہے یہ راہِ جاناں ہائے ہائے

کیا خبر ہے آج کی؟ میں پوچھتا تھا سے نہ کاش
تھا نہ یہ معلوم ہو جائے گا یوں وہ پاش پاش
چل دیا گلشن سے اک ناز گلستاں ہا ہائے
دکھ یہ ہے کیا کیا نہ غم اس تیرے قہر سے
کسکو فرستہ ہے کہ ایسی داستانِ غم سنے
کوہِ غم ہے سر پہ پھر بھی ہے وہ خداں ہا ہائے

اس میں کیا شک ہے کہ اس کا عشق ہے عشقِ محال
 پر ہے ایسے عشق پر آہیں نہیں سکتا زوال
 دیکھ مجھ کو بیطرف لے چرخِ گرداں کہا مے
 راہ میں حائل ہیں اسکے کتنے طوفانِ ہائے

(ایک بات پوچھیں)

صحافی

آپ نے جو کچھ بھی فرمایا درست
 پوچھنے کو یوں بہت سے ہیں امور
 اور سمجھ میں میری بھی آیا درست
 بات لیکن ایک ہی پوچھوں حضور

(پوچھئیے)

ہم سبق

پوچھئے آپ فردؔ اس میں تکلف کیا ہے
 اس میں کیا ہرج، کہوں علم میں جو کچھ ہے سر

(قیس آپ کا ہم مکتب تھا)

صحافی

ابھی کچھ دیر ہوئی آپ نے یہ فرمایا
 قیسؔ آشفۃ کبھی آپ کا ہم مکتب تھا
 حبِ حال آپ کے اک شعر مجھے یاد آیا
 ہوا جازت کہ مجھ یاد وہ برباد آیا

شعر ہے ”قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھ جانے دو“
 خوب گزریگی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو
 آپ کا کیا خیال ہے فرمائیں؟

عرض کرتا ہوں بات دھیان میں لائیں

ہم سبق

ابھی تو ہم یہ ہے اک جبر کی سی کیفیت
 نہیں قبول ہیں یہ نہیں ہمیں منظور
 یہ کیا فرد ہے ایسا نہ ہو تو اچھا ہے
 بڑی خوشی سے چلے جائیں ہم بھی صحر اکو
 گلوں پہ کچھ تو ہمارا بھی اختیار چلے
 جو کل چلے تو یہ کیا ساتھ ساتھ خار چلے
 پیادہ ساتھ میں ہو جب کہ شہسوار چلے
 ہمارے ساتھ اگر باغ کی بہار چلے!

صحافی ”اتنا بڑھا پا کئی دالال کی حکایت“
 دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ!

فقط یہ قیس کا ہے طرف جو یہ کہہ نکلا
 قیس کوئی چلے نہ چلے ہم تو سو دار چلے
 وہ رات جس کی نہ ہو گی سحر قیامت تک
 ترے نگر میں وہی رات ہم گزار چلے
 خدا بناے رکھے تیری آنکھ کا اجل
 کہ اشکبار چلے ہم تو سو گوار چلے

(جرم و سزا)

گھر چھوڑ کے قیس جا رہا ہے
 جیتی ہوئی بازی اس نے ہاری
 کیا جرم ہے اور یہ کیا سزا ہے
 قسمت میں ہے اس کی سنگاری
 شہر میں آج یہ لیلیٰ نے منادی کر دی

(دور کی آواز)

لیلیٰ

کوئی پتھر سے نہ مار دمرے دیوانے کو
 ہاے ایسے نہ جلاؤ مرے پردانے کو

(دور کی آواز)

صحافی

ہے کوئی جو اس کے دکھ کو جھیلے
 ہے کوئی کرے جو غم گاری
 دراصل یہ سنگ دل ہے دنیا
 کیا کہیے کہ زخم بھی ہے کاری
 جیسے کہ رکھی ہو دل پہ اک سل
 جاتا ہے کہ دل بہت ہے بھاری
 آنکھوں کو ترس گئی ہیں آنکھیں
 آنکھوں ہی سے جوئے غم ہے جاری
 آزار سے شل ہیں دست و بازو
 رقت سی ہے اک دل پہ طاری
 آیا ہوا سر پہ اک تلاطم
 چہرے پہ لکھی تکان ساری
 دن آیا تو بڑھ گئے مصائب
 گنتے ہوئے تارے شب گزاری
 (لڑکوں کا تسخر) ”تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی؛ لڑکوں کیلئے گیا ہے کیا کھیل نکال“
 قیس: ”اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو؛ تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بناؤ“
 صحافی: آیا نہیں اس کو دل دکھانا
 دہر سیکھی نہیں اس نے دنیا داری

اس طرح گزاری عمر ساری
 دروازے نے بانہ تھی پساری
 جب جاتی تھی تیس کی سواری
 ہر لمحہ ہی صدا تھی جادی
 پھر جانے کب آئے اپنی باری
 لڑکوں کا ہے دورِ سنگ باری

تھے چشم میں بس سرشکِ خونیں
 اور تلخ وہ شے کہ جو تھی شیریں
 بس اسکے ہی غم میں کھو گئی تھی

ہجومِ یاس میں گم ہو گئی مری آواز
 نہ دلوئے نہ امنگیں نہ تازگی نہ ترنگ
 میں ایسے جینے سے کیوں ہائے مر نہیں جاتی
 کسے صدا دوں کہ کوئی ادھر نہیں آتا

کتنے برسوں بعد جاگا ہے یہاں پر میرِ محبت
 دیکھ لے اے دشت تو اس بے نوا کو دیکھ لے
 تیس کی لڑائی آج صحرایں غماری — آگئی
 لوٹ آئیگی مرے چہرے پہ پھر سے تازگی

دن چین نہ رات کو ہے آرام
 جب دشت کو وہ ہوا روانہ
 اٹھتا تھا دھواں چسپاںِ در سے
 ایوانِ دُا طاقِ دِبا مِ ددر سے
 آجا کہ تجھے گلے لگا لیس
 ”پتھر ہی کہیں نہ اسکو لگ جائے“
داستانِ گو

لیلیٰ تھی بہت نزار و غمِ گیس
 اک حرفِ غلط تھا خوابِ نوشیں
 جانِ دادہ تیس ہو گئی تھی
لیلیٰ

بہت فرود ہے نغمہ بہت اداس ہے ساز
 گذر رہے ہیں شبِ دردِ اس قدر بے رنگ
 پکارتی ہوں یہ آواز کچھ نہیں آتی
 وہ تیرگی ہے کہ کچھ بھی نظر نہیں آتا

خارِ دشت

بجد کے بخر کہے کا میں وہی ہوں خارِ دشت
 ابلہ پانیِ مقدر میں لکھی تھی تیس کے
 ہو گئی ہے پیش گوئی پوری جو کہ تھی کبھی
 آبلوں سے اسکے بچھ جائیگی میری تشنگی

ہے جو بنجر یہ بیاہاں اب ہرا ہو جائے گا دیکھ لیں گے سب صحرا کیا سے کیا ہو جائیگا
قیس (شرہ خارِ دشت اب تلوار کھجائے ہے)

ایک کا ہنسنے ہی تھی میرے والد سے یہ بات
غم کر لیکا خلوتِ دل میں سرایت ایک دن
ایک دن اس دیدہ پر ہم سے ٹپکے گا لہو
ہے ہی لہذا ازل سے ایک دستورِ حیات
آئینکا طوفان اجڑ جائے گی اک دن کشتِ ظلم
ہو کے رہ جائے گی برہم ایک دن بزمِ نشا
ایک دن سمار ہو جائیگی روح کا سینا
داستانِ گو: اب قیس تو بن گیا تھا مجنوں
ربحیدہ دسینہ چاکِ مخروں
دیوانہ صفت وہ ہو گیا تھا
صحرا تھا کہ کاروبارِ وحشت
صحرا تھا کہ خارزارِ حیرت
صحرا تھا کہ خانہ غریباں
تھا ایک ہی نغمہ ایک آہنگ
دیوانہ کہ آمدہ ز خود جنگ
ناشا کی آبرو تھی صحرا

آپ کے فرزند کو اک دن جنوں ہو جائیگا
آج بے شک کم ہے لیکن کل فرزند ہو جائیگا
ایک دن آئینکا جب اس دل کا خو ہو جائیگا
سراٹھا کر جو چلے گا سرنگوں ہو جائیگا
ہرستم گر ایک دن خوار و زبوں ہو جائیگا
ایک دن خاموش ہر اک ارغنون ہو جائیگا
کالعدم اک دن جہانِ کاف و نون ہو جائیگا
تھی چشم بھی اشکبار و پرنون
تھا اس کا مزاج ہی دگرگوں
صحرا کے نگر میں کھو گیا تھا
صحرا تھا کہ کردگارِ رحمت
صحرا تھا کہ اقتدارِ ظلمت
صحرا تھا کہ بلادِ خموشاں
منزل کا نشان نہ میلِ فرسنگ
افنا دوشکت بر سرِ سنگ
دامق کو تھی آمد و زوے عذرا

قیس

ہر اک ایوان میں ہر اک سنگ در میں ہر اک ذرے میں ہر تارِ حجر میں

نظر آتا ہے بس لیلیٰ کا جلوہ !
 فقط ہے ایک ہی منزل نظر میں
 نظر آتا ہے بس لیلیٰ کا جلوہ
 شجر میں اور شجر کے ہر شمر میں
 نظر آتا ہے بس لیلیٰ کا جلوہ

ہر اک پتے میں ہر شاخ شجر میں
 نہ جی لگتا ہے صحرا میں نہ گھر میں
 فقط اب ایک ہی سودا ہے سر میں
 شکر کنجشک کے پردانِ پر - میں
 غرض اس کا کیناتِ خشک در میں
 داستانِ گو

استادہ کبھی، کبھی نگوں سر
 لیلیٰ ہی کا نقش سکے دل پر
 صحرا میں فقط یہ کہتا پھرتا

تھا دشت میں حالِ تیس ابتر
 تھا ایک ہی نام اس کو ازبر
 اٹھتا کبھی، کبھی وہ گرگرتا

تیس

خانہ بردوش ہے اور بے رخت ہے
 ددرِ افلاک میسر لئے سخت ہے
 یوں نہ بر باد ہو گلستاں میں کوئی
 گم شدہ ہوں کوئی میسر جیسا نہ ہو
 اور کسی پرستم، جو ایسا نہ ہو
 ایسے ویسے یہاں کیسے کیسے ہوئے
 تیری خاطر ہی رسوا ہوا چار سو
 میں کہ ہوں یم یم، جو بکو - کو بکو
 اب صبا تیرے پیغام لاتی نہیں
 دید کا تیری ہوں شیفہ جانِ من

شیفہ اپنے ہی حال میں مست ہے
 دل میں بس ایک ہی تیسر پیوست ہے
 ایسا اجر طے نہ گھر اس جہاں میں کوئی
 میں اگر ہوں برا حال کیسا نہ ہو
 جیسا اس وقت ہوں کوئی ویسا نہ ہو
 کیسے کیسے یہاں ایسے ویسے ہوئے
 میں خراب اور خستہ ہوں لے ماہِ رد
 کاش ملنا ہو تجھ سے کبھی دو بدد
 کوئی تدبیر اب کام آتی نہیں
 تیری یا دوں سے روشن مری انجن

کھل رہا ہے یہاں تیرے رخ کا چن
میں بہت دور ہوں تو بہت دور ہے!

سائے آواز کے تیسرے کوہِ دامن
تیرے پیکر سے اس دشت میں نور ہے
داستان گو

ہو جس میں ہو س کہیں نہ شامل
کاذب ہے وہ عشق اور باطل
از معرفت تمام عشق است
جس عشق میں ہو طلب کی گرمی
مقصود ملے؟ یہ کیا ضروری
جب عشق ہے اس کا آستانہ
جو بھی تھے وہاں پہ محرمِ حج
کہنے لگے شہ سے وہ دمِ حج
عازمانِ حج :- جب لی ہے حرم کی آپنے راہ؟ اچھا ہو اگر ہو قیس ہمراہ

در اصل وہی ہے عشق کا مسل
ہوتی ہے ہو س جب اکسین داخل
”بخون کہ بلند نام عشق است
لاریب وہ عشق ہے حقیقی
جس میں کرے معرفت کی مستی
دیوانے کو مت کہو روانہ
آیا تھا قریب موسمِ حج
تھا جن کو خیال اور غمِ حج
عازمانِ حج :- جب لی ہے حرم کی آپنے راہ؟ اچھا ہو اگر ہو قیس ہمراہ
داستان گو

نکلا وہ شتاب سوئے صحرا
پہنچا وہ اسی جگہ اسی جا
بیٹے نے نفی میں سر ہلایا
بجھائے معافی اطاعت
آخر ہوئی بارہ در مشقت

اس رائے سے شاہ متفق تھا
کچھ دن سے جہاں تھا قیس ٹھہرا
آنے کا جو مدعا بتایا
کچھ دیر کی منت اور سماجت
کچھ حج کے مسائل اور برکت

باطن ہی سے قیس تھا حجازی

بیٹے کو یہ راہ میں سمجھایا

شاہ :- اے نورِ نظر تو باز آجا۔ امکان نہیں ملے گی لیلیٰ صحرایِ روش سے فائدہ کیا
داستان گو :- شکر ہوئے اشکِ تیس جاری ؛ کعبے میں پہنچ کے یہ دعا کی
قیس :- کعبے میں (پروردگارِ عالم)

پروردگارِ عالم دونوں جہان کے داود
 لے کر دگارِ عالم سب کا ہے تو ہی سرور
 دے نورِ عشق ایسا جو تیسرگی مٹا دے
 اور عشق ہی کے جلوے چاروں طرف دکھا دے
 میری مرثیہ کو تو بس عشق سے جلا دے
 مینائے عشق ہی کی صہبائے مجھ پلا دے
 میری دعا نہیں ہے یاربِ روادری میں
 کٹ جائے عمر ساری بس یادِ یار ہی میں

داستان گو :- جب شاہ نے یہ سنی دعائیں
 ہم زخم کسے کسے دکھائیں
 نورِ اہی وہ رچ کے بعد لڑے
 سینے سے لگائے نقشِ لیلیٰ
 آیا جو نہی دشتِ قیس اُترا
 دیکھا کئے دور تک اسے سب
 اس بات کے ملک بھر میں چڑھے
 اک دوسرے سے یہ کہتے پھرتے
 تھا سب کا خیال ایسی
 سوچا کہ فصول ہیں دوائیں
 بیماریِ دل کسے بتائیں
 کعبے سے وہ نامراد لوٹے
 جو اس کی حیات کا تھا ملجا
 خاموش سدھار اس کو صبرا
 شہِ بونے علاج کچھ نہیں اب
 اک طنز کے ساتھ لوگ کہتے
 ہوتے ہیں یہ عشق کے نیچے
 رسوائی ہو اور بھی کچھ اُنکی

خلق

اب تیس کا حال ہے دگرگوں
لیلیٰ کے فراق میں ہے محزون
مٹی میں ملا ہے نام لیلیٰ
جگر کے وہ آگیا پیر سوں
ہے اس کا جنوں تو روز افزوں
رہوائے زمیں سے باہم لیلیٰ

داستان گو

تھے لوگ اکھر طرح آزاد
بیٹے جو ہوئی تباہ و برباد
مجنوں ہی کا ذکر اسی گھاتیں
چرچے اسی بات کے تھے چرچے
ہر ایک زباں پہ تھے شگونے
تھے لوگ ہاں بڑے ہی لائق
ہر قسم کے لوگ تھے نگر میں
جو معرکہ جو تھے خشک تر میں
ان باتوں کا گیت سنا بنایا
اک حرف غلط وہاں تھی بیدار
لیلیٰ کا پدربہت تھا ناشاد
تھیں جتنی زبانیں اتنی باتیں
سب جان گئے تھے ایر غیرے
داں لب پہ بٹھا تا کون پیرے
قصے تھے زباں زدِ خلائق
سودا تھے ہزار جن کے سر میں
صرصر میں کبھی کبھی شر میں
اوباش نے اک اسی نے گایا

(بیار بادہ)

اوباش

دل ہے بڑا بے قرار، آئی ہوئی ہے بہار، گردش میں پھر جام ہو
پھر فیض اک عام ہو، مایوس ہے زندگی، دل کو کچھ آرام ہو
تیرا کہاں ہے جواب؟ لیلیٰ کہاں ہے شراب؟ لیلیٰ کہاں ہیں شراب؟
مجھ کو نہیں انتظار!

داستان گو

اس ہرزہ سرا پہ طیش آیا
ہر شخص کے ذہن میں سمایا
تلواریں میان سے نکالیں

رعایا

آدم ہیں نہ طیش ہووے گا کم
ہم میں وہ زور اور دم خم
ہم چیر کے اُس کو پھینک دیں گے

داستان گو

اک عامری بھی دہاں تھا موجود
اک سوچ تھی اس کے دل میں، معبود
لپکا ہوا پاس پہونچا شے کے
سن کر یہ خبر سبھی دکھی تھے
چپ چاپ وہ بیٹھ رہتے یکے
جو سمجھ بھی سنا تھا کہ سنایا

قمیس

(جنوں اور ہوگا نرول)

قبلہ و عقبہ مرے، میرے پدر
اے مکرّم میرے، میرے محترم
اے میرے بھائی، اے میرے بھائی؟

غصے کا، الم کا ابر چھایا
سید کے محل گئی رعایا!
اور اپنے ہی سر کی قمیص کھالیں

جب تک کہ ہمارے دم میں ہے دم
مجنوں کو مٹا کے لین گے دم ہم
پھر اس کے نشان نہیں ملیں گے!

کہتے تھے جسے عوام معبود
ہے راہ فرارِ قیص مدد!
اور ان کو خبر سنائی اُس نے
شہ جلد ہی دشتِ قیص پہونچے
کب تک وہ خبر یہ سنتے رہتے
بیٹے نے بھی حالِ دل بتایا!

مجھ کو کب ہے ایسی باتوں سے خطر
کس لئے کرتے ہیں خود پر یوں ستم
مجھ کو اس سے ہے بہت شرمندگی

عشق میرا کم نہ ہو گا زینہا ر
میں کہ ہوں روزِ ازل سے رو سیاہ
دشت میں اک پل نہیں ہے جھکوچین
ہے خرابہ میری آنکھوں سے رواں
میں یہاں رنجور ہوں اور درد مند
رحم اپنے حال پر فرمائیے

شاہ

(اپنے ختن لوٹ چلو)

تم کہاں رہتے ہو اے لختِ جگر نورِ نظر
انگلیاں اٹھتی ہیں پھولوں کے نگہ داروں کی
اس بیاباں میں تو دشت کے سوا کچھ بھی نہیں
خاک اور خون کے طوفان اٹھاتا ہے یہ دشت
اس خرابے میں فقط دھوپ اگا کرتی ہے
تشنگی اس کی فضاؤں میں جنم لیتی ہے
ریگ زاروں کا سراپوں کا یہ دیرانہ ہے
کون واقف نہیں میدان ہے یہ میدانِ ستم
یہ بیاباں ہے کوئی پل ہے زمیں پر دوزخ
آف یہ صحرَا کہ جسے حاتم بے فیض کہیں
اے مرے نورِ نظر، کجِ بصر، لختِ جگر
تم نے اس دشت کا جو راستہ اپنایا ہے
تم نے صحرا میں جلائے تو میں آہوں کے چراغ

ہے سبھی پر حال میرا آشکار
اور بھی اب ہو گئی حالتِ تباہ
گاہ چپ ہوں گاہ کرتا ہوں میں بین
اک دو آبِ میری آنکھوں سے رواں
دہر بھی میسر لے ہے مثلِ قند
آپ اب اللہ واپس جائیے

یہ ملامت کی گلی ہے یہ خجالت کا نگر
ایک ہی حرف میں کچھ دہل تو کہوں خارِ دل کی
سچ تو یہ ہے کہ مذمت کے سوا کچھ بھی نہیں
لوریاں تو کی سناتا ہے رلاتا ہے یہ دشت
صرصرِ یاس یہاں آہ دُکا کرتی ہے
بھوک اس دشت کے زخموں کو ہوا دیتی ہے
کوئی آذر نہیں جگایہ صنم خانہ ہے
یعنی اک دشت جو کردیتا ہے نوشین کو کم
جسم اور جاں کو جلا دیتا ہے بس یہ مطنخ
کچھ نہ مل پائے جہاں ہاتھ پارے ہی نہیں
میری تارِ یک و حزین شب کی درخشندہ سحر
پس کہو تم نے یہاں کوئی سکون پایا ہے؟
کیا ملا ہے تمہیں اس راہ میں منزل کا رخ؟

دھاگا کچا ہے، ملائم ہے، بہت ہی باریک
 راہ گم کر دے، ہوتی چھوڑ دے راہ رُدی
 اپنے گھر، اپنے چمن، اپنے نگر لوٹ چلو!
 تم کو بھجوا یا ہے صبحوں نے مسرت کا پیام
 دیکھتی راہ میں پھولوں کی قطاریں کتنی
 آکھی جاؤ طرب و عیش کا دن آیا ہے
 ہے بچھائے ہوئے آنکھوں کو درخشندہ قمر
 جام میں آج بھی صہبائے حسن باقی ہے

اے مری راحتِ جاں راہ بہت ہی تاریک
 ہوش میں آؤ کر دو ترک یہ شوریدہ سری
 میں یہ کہنے کو آیا ہوں کہ گھر لوٹ چلو
 تم کو کہلایا ہے سورج نے اجالوں کا سلام
 منظرِ رنگزدوں پر ہیں بہارِ دین کتنی
 بادلوں نے یہ سندیر تمہیں بھجوا یا ہے
 چرخِ طشت میں آئے ہیں ستاروں کے گھر
 آج بھی شوخیِ اندازِ چمن باقی ہے

اے مرے سرورِ چمن اپنے چمن لوٹ چلو!
 میرے آہوئے ختن اپنے ختن لوٹ چلو!

(مری واپسی ہے عبث اور محال)

قیس

مگر اس میں میرا نہیں کچھ قصور
 کیا جو کیا، ہو گیا جو ہوا!
 حد، دشمن، بغض، کینہ، کپٹ
 یہاں کی فضا میں ہے آسینہ سم
 سمندرِ سراب، آبلے ہیں حجاب
 زالی یہاں کی ہے ہر ایک شے
 جو بہ کر نہ لوٹ آئے میں ہوں وہ آب
 کہ کھینچی ہوئی ایک شمشیر ہوں
 تردد ہے مجھ کو مگر کیا کہوں

مجھے شرم آتی ہے میرے حضور
 نہیں اس میں کچھ بھی تو میری خطا
 یہ صرصر، یہ آندھی یہ کو کی لپٹ
 عذابِ الہی ہے دشتِ ستم
 حجابِ آبلے ہیں سمندرِ سراب
 یہ سب کچھ ہی اس دشت کی دین ہے
 کہاں ہے بیاباں میں میرا جواب
 میں ترکش سے نکلا ہوا تیر ہوں
 نہ آپاؤں گا میں گیا وقت ہوں

میرا وطن ہے عبث اور محال
یہاں پر میں ہر طرح آباد ہوں

(جگر بھر چارہ نیست)

شاہ

یہ صحرائے یہاں کی رسم ہی سب زالی ہے
مداد اگر یہ خونبار کا کچھ بھی نہیں شاید
ہوس بھی چھپرتی ہے چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر
بڑے بڑے ہوں نے اپنے تجربے ہی سے بتا دیے
وہ رشتہ توڑ دیتا ہے عزیزوں کے اقارب سے (ق)
نہیں معلوم کیا تاثیر ہے اسکی ہوائوں میں
یہ صحرائے یہاں ہرگز نہیں ہے پایہ بگل کوئی
خدا جانے یہ کس نے کہا دیا ہے کم سودا دس
لئے آہوں کو دل میں جا رہا ہوں اس بیابان سے
تمہارے واسطے جگر بھر اب چارہ نہیں کوئی

(عشق اور ہوس)

قلیس

مرے بزرگ مجھے اس کا ہے بہت افسوس
یہ پھول دل میں آگے ہیں کہ زخم ہیں کاری
جو قمر عشق بنا یا تھا دل کے صحرا میں
یہ سچ ہے ہر سے بہتر نہیں ہے کوئی شے

کہ آج تک میں کبھی کوئی کام آنہ سکا
انہیں چھپانہ سکا ٹھیک سے دکھانہ سکا
اسے الم کا کوئی زلزلہ بھی ڈھانہ سکا
میں جانتا ہوں پہ ایمان اس پہ لانہ سکا

’دے کہ عاشق و صادق بود مگر سنگ است

ز عشق تا بہ صوری ہزار فرسنگ است‘

عشق سوزِ زندگی سازِ حیات
کارِ گاہِ دہر کی نایابِ جنس
عشق ہے اک پیکرِ عالی صفات
عشق اک گنجینہٴ دالا گہر
ریشے ریشے میں سما جائے جو شے
عشق سے ہوتا ہے جو روشن ضمیر
عشق ہی سرچشمہٴ تخلیق ہے
عشق سے ہے آستانِ کیف و کم
ہے ہوس کیا داستانِ گم رہی
بوالہوسِ زندانی و ہم دگماں
بوالہوسِ صدیوں سے صید ہائے و ہمو
جو ازل سے ہے جہاں میں تشنہٴ کام
ایک سودا ہے ہوس سودائے خام
کم نصیب و کم سواد و کم نظر
ہے ہوس کیا ایک دھوکا اک فریب

شاہ

(اشک کیوں بہلتے ہو؟)

بات جو بھی کہتے ہو دل میں وہ اترتی ہے
پھر بھی لے سپر میرے، اشکِ چشمِ تر میرے
تم ہو اس طرح برباد، دیکھ ہم نہیں سکتے
اب تلک ہو جو کچھ اسکو بھول جاؤ تم

عشق سرِ بندگی رازِ حیات
عشق ہی سے ہے وجودِ جن و انس
جسکی اپنی ذات اپنی کائنات
جس سے نابینا بھی ہو روشن بصر
اسکو پس بجز عشق کوئی کیا کہے
یہ سچ ہیں اس کیلئے تاج و سریر
عشق سے ارفع بھی ہے کیا کوئی شے؟
عشق سے ہے داستانِ کیف و کم
عشق کیا ہے معرفت، خود آگہی
جو سمجھ پلے نہ فرقِ جسم و جاں
اک گرفتارِ فریب رنگ و بو
جسکی دنیا میں سحر ہے اور نہ شام
ہے ہوس کیا زہر سے بھر پور جام
ہے ہوس کیا ایک بے منزل سفر
چاک داماں، چاک قیمت، چاک حبیب

درد مند جو دل ہے اس میں گھر وہ کرتی ہے
باپ کی محبت ایک سرد آہ بھرتی ہے
کیا ہوا طبیعت کو بات کہتے ڈرتی ہے
یوں بکھر بکھر کر ہی زندگی سنورتی ہے

ابر گھر کے آتے ہیں، برق بھی کرکڑتی ہے بدلیوں کے چھتے ہی دھوپ بھی ٹھرتی ہے
 اشک کیوں بہاتے ہو، کلتے نہیں ہستے؟
 اک خلش ہے جو سب کو بے قرار کرتی ہے!

(گریہ ہے اپنی جگہ بہتر)

قیس

پوچھتے ہیں لوگ اگر کیا درد ہوتا ہے کہیں اس قدر دوتا ہوں کیوں میں کسی لئے نہ تائیں
 کس لئے میں اتنا غمگین اس قدر ناشاد ہوں شہر میں آباد تھا صحرا میں کیوں برباد ہوں
 کون سمجھائے کہے سمجھائے کیوں ہوتا ہے درد بزم میں بھی گھٹن محسوس کر سکتا ہے فرد
 سچ یہ ہے ہر چیز اچھی لگتی ہے اپنی جگہ مگر مسافر ہے کوئی ٹھہرے نہیں لے اپنی رہ
 مگر یہ ہے اپنی جگہ بہتر تو دوتا ہے بشر مگر مقام خندہ ہو نہیں لے بلا خوف و خطر

بات کیا اچھی نظر می گنجوی نے ہے کہی

میں سنا تا ہوں اسے اب درز بان پہلوی

نظامی 'خندہ کہ نہ در مقام خویش است - در خور دہزار گریہ بیش است'

حکایت

(قصہ مورد کبک دری)

قیس

ایک دن جب اک گلستان سے گذر میرا ہوا میں نے دیکھا پیڑ پر اک کبک تھا بیٹھا ہوا
 سائے لمبے ہو چلے تھے جھٹ پٹے کا د تھا اپنی منزل کی طرف جاتا تھا ہر چھوٹا بڑا
 آشیانوں کو ردال تھے زاغ اور کبک بھی ایک دے کے رند بھی اور زاہدان خشک بھی
 رات بام چرخ سے نیچے اتر آنے کو تھی چاند تا دوسلے لٹکے آ پخل کو لہرانے کو تھی!
 اک دھندلکا تھا افق سے تا افق چھایا ہوا دن کی گرمی سے ہر اک چہرہ اٹھا سنا لایا ہوا
 دم بدم تارے نمایاں ہو رہے تھے چرخ پر ایک چادر سُرمی اور ہر اک ہلکڑ

تھامہ نو یا کہ بالی تھی نگارِ شام کی
جو سحر سے چاق چوبند اور ایستادہ تھامہ
نعتانِ خوش ادا کرتے تھے چہرل اور یاریاں
آکے شبِ نیم نے حرمِ گل پہ جبے شک کا دی
کبک کی منہا میں اک ناتواں سا مورا تھا
اُس کے جی میں جانے کیا آئی کہ جانے کیا ہوا
اس جہارت پر قیامت سی بپا اک ہو گئی
اس کے تئور میں کئی مضمون پوشیدہ تھے
کبک دری (مکراہٹ سے ٹکی اک اور ڈھنی)

کیوں بے لے گتلخ کیڑے ہے تری کیسی یہ چال، ہنس رہا ہے تو ہمارے لئے شغال
تیرے ہونٹوں پر ہنسی تو ہے مگر کیسی ہنسی۔ اس ہنسی سے جھانکتی ہے تیری اپنی بے بسی
ہنس کی کیوں چال چلتا ہے تو اے کیڑوں کے زارغ۔ بلغ میں بیٹھا ہوا کیوں ہو رہا ہے باغِ بلغ
آدمیوں میں ہنسی کا بادشہ ضحاک ہے۔ طائروں میں کبک ہے جو طائرِ افلاک ہے!
زندگانی کی حقیقت میں تجھے سمجھاؤنگا۔ آج تجھ کو کام کی اک چیز میں بتلاؤنگا!

زندگانی تہقہ ہے اک مسلسل تہقہ • رات دن صبح و سائے کی پل تہقہ!
زندگانی چیز کیا ہے تہقہوں کی روشنی • مکراہٹ کے ستاروں سے ٹکی اک اور ڈھنی
اس دے کو یاد رکھ کوئی بھگتا نہیں • اسکے آگے کوئی رنگ اپنا جاسکتا نہیں
زندگی، زندہ دلی اور شادمانی کا ہے نام • تہقہ معتب ہوں تو زندگانی ہے حرام

تھک کے اک پل کے لئے بھی اگر جاتا ہوں لیٹ۔ دوسرے پل میں ہی ہنستا ہوں پھر دکر اپنا پیٹ

الغرض ہے زندگانی سرخوشی، شادی، نشات۔ ہے اسی زندہ دلی سے زندگانی کو ثبات !
اس پہ بولا نمود.....

نمودِ مشرقی [خاکسار]

..... اے کبکِ دری کر دے معاف
میری گستاخی جسے سمجھا ہے تو لاف و گزاف !
میں کہ ہوں اس خاکدان کا ایک نمودِ ناتواں۔ ایک ذرہ خاک ہوں، ایک ننھی سی ہوں جاں
لوگ کہتے ہیں مجھے دیسے تو نمودِ مشرقی۔ میں نہ مشرق سے ہوں واقف اور نہ ہوں میں مغربی
ایک 'دنی' نمود ہوں میں ایک 'ادنی' خاکسار۔ میں اٹھا ہوں خاک ہی سے خاک ہے میرا شعار
میں ازل سے اکِ مرآتی ہوں یہ فطرت ہے مری سر جھکا کر ارض پر چلنا یہ عادت ہے مری
میں نہ نوری ہوں نہ ناری ایک خاکی ہوں حقد۔ فخر ہے اس پر مجھے اور ناز ہے اس پر ضرور
خاک ہی سے رزق پاکر خاک میں مل جاؤنگا۔ نمودِ خاکی ہوں، سدا خاکی ہی میں کہلاؤنگا
گر غلط ایک بات بھی بولوں تو میرے منہ میں خاک۔ میرا سرمایہ ہی کیا بس تین پائے اور ایک کھانک
میرا پیشہ تہقہ کب ہے یہ پیشہ ہے ترا۔ ہو کو تم تیرا اگر تو مجھ کو دکھلا دے ذرا !
کس طرح ہستے ہیں، کیوں ہستے ہیں، کیلے تہقہ۔ مجھ کو تو اک بار ہی ہنس کر سکھا دے زمرہ !
انجاری نمود کی کبکِ دری کو بھاگئی۔ یک بیک ہی تب ہنسی ہونٹوں پہ اس کے آگئی
کھکھلا کر ہنس پڑا کبکِ دری دیوانہ دار۔ پس گرا منقار سے اسکی وہ نمودِ ہوشیار

شاہ

”تو طفل ہے وقت نہ دار۔ شمشیر بہ میں دس رنگہ دار !“

(ایسے مسلمان نہ ہوں)

قیس

اس قدر غم نہ کریں اتنے پریشان نہ ہوں
ہوں مسلمان تو مگر ایسے مسلمان نہ ہوں
مجھ سے لیلیٰ کے پدر کا نہ کریں ذکر اب در!

آپ بے وجہ مرے واسطے ہلکان نہ ہوں
سیدنا صری کی طرح کے انسان نہ ہوں
آپ نے نفلِ الہی نہ کریں فکرا اب اور
داستان گو

اک پل کو بھی سکھ نہ تھا میسر
خاموش ہی رہتی تھی وہ اکشر۔
اظہار سے دل کو ملتی راحت!
شعرا کے کلام سے تھی رغبت۔
ہو جاتی تھی جب رواں طبعیت
الفاظ کے دولتی تھی موتی!

لیلیٰ کا الم تھا بد سے بد تر
وہ اپنے مزاج پر تھی شہد
ہوتی تھی کبھی یہ اس کی حالت
تھی نظم سخن پہ اس کو قدرت
اشعارِ حسیں کی دل کو چاہت
اُس وقت جو لب کشا وہ ہوتی

(ایں کہ می بسیم)

لیلیٰ

وقت کے ساغر میں جب ڈھلتی تھی عشرت کی شہر آب
جب بد خشاں سے تھا دابہ کوئی لعلِ خوش آب
تھے حقائقِ خلہ کے دنیا میں ہم پر یہ نقاب
جھوم جلتے تھے ستارے رقص کرتے تھے شہاب
مل کے ہم تم لکھ رہے تھے داستانِ دل کے باب
آندھیوں سے بے خطر یوں جیسے دریا میں جہاز
ہائے اب عیش کے آیا ہیں مانند خواب!

قیس نے دل کے سکون آتی ہے اُن لمحوں کی یاد
جب درخشاں تھی حرمِ حسن میں قندیلِ عشق
عرش کی رعنائیوں کی فرش پر اک دھوم تھی
عالمِ مستی میں جب ہر اٹھاتی تھی ستار
یاد آیا ہے کہ ہم دونو تھے نطقِ یکدگر
بے نیا ز فکرِ مستقبل تھی اپنی زندگی
بن چکے ہیں آہ وہ لمحات اب ضی کا جز

آج بھی گرم سفر ہے وقت پہلے کی طرح
 فخر خواہ ہے آج بھی سازِ گلستاں پر بہار
 عرش سے تافرش ہوتی ہے نضا اک سیلِ نور
 آسمان ہوتا ہے طوفانِ شفق سے لالہ زار
 قطرہ شبنم، یہ آئینہ شعلہِ دہر کا
 سر دکھ دیتی ہے بارشِ سینہ دہقان کی آگ
 زیت کی رگ رگ میں جولاں ہے تغیر کا لہو
 اہ لیکن ان مناظر میں وہ رعنائی نہیں
 کیا طلسم طور تھا معبود وہ دندِ وصال
 اب یہ دل ظالم حوادث سے سرگرم تیز
 جھکے تاروں پر پورہ رہ کر رواں مفراب غم
 چشمِ پریم، رخِ فسرہ، روحِ زخمی، دلِ نگار

اب جدائی کی ہر اک ساعت ہے آہستہ خرام
 جبکہ ہم تم ساتھ تھے لمحات تھے کیا تیز گام

داستانِ گو

تھا ذہن میں ایک ہی ہیو لا
 لیلیٰ ہی کا دل میں تھا سراپا
 اور دل پہ نقطہ اسی کا سایا
 رہتا تو اسی کا دھیان رہتا
 گویا کہ تھی یاد اسی کا پیشہ

قیس

(ایں طرز سخن بہ ہیں) سراپا

اس میں کچھ شک ہی نہیں لے جان میں
 حسن تیسرا قاف کی پریوں کا حسن
 کتنا دل آویز ہے تیسرا جمال
 مانگ میں افساں تری یوں ہے عیاں
 تیرے گیمو کی طوالت الا ماں
 وہ چم و خم تیسری پیشانی کا ہے
 دو نوا برد دو کمانوں کی طرح
 مست سب کو کر گئی ہے چشم مست
 شرمگین آنکھوں میں خوابوں کا خمار
 چاند سے چہرے پہ اک ستواں سی ناک
 لالہ و گل میں ترے عارض کا رنگ
 گفتگو تیری ہے اک اعجازِ نطق
 دیکھنا تو حسنِ دندان دیکھ کر
 ہم سے تشنہ کامِ دوراں کیلئے
 خوب صورت گوش اور پیاری کوئیں
 حق نے بخشا ہے تجھے عالی دماغ
 کس قدر ہیں تیرے دوشانے سدا دل
 صندوقی باتوں پہ تحریرِ حرف

تو ہے اپنی ذات سے اک انجمن
 ہے وہی شان اور وہی ہے بانگین
 کس قدر ہے پرکشش تیرا بدن !
 شب کو جیسے چاند کی کوئی کمرن !
 ہجر کی راتوں کا ہونٹہ ہرن
 صبح کے جلوے شکن اندر شکن
 اور نگہ کے تیسرے ہتے ہیں، بزن !
 لالہ و گل ہوں کہ نسرین دامن
 اور پیاری پیاری پلکیں صف شکن
 پنکھڑی سے لب شگونے سا دہن
 یا سمن میں تیسری بوئے پیروین
 کم نہیں الہام سے تیسرا سخن
 موتیوں کو ہو رہی ہے اک جلن
 دل نشیں، دکھش ترا چاہِ ذوق
 گو شوارے کان میں تیسرے مگن
 تیرے آگے سرنگوں ہیں اہل فن !
 دیکھنے سے ان کے مٹ جائے تھکن
 خطرہ ایمانِ شیخ و برہمن

جس پہ آٹھ جائے ترا دستِ کرم
 تیرا سینہ دوجزرد زیر و بم
 تیرے دوساق بلوریں دیکھ کر
 تیرے گورے گورے پیار پیارے پاؤں
 دوڑتا ہے یوں رگڑپے میں لہو
 تذکرہ جیسے صبح دم کی بھیر دیں
 جسم تیرا مثلِ شلخِ آتشیں
 ہے تری رفتار میں پنہاں کہیں
 کوئی کہتا ہے بنفشے کی کلی
 جسم سے اٹھتی شامے کی لویں
 ہر ادا سے صاف ظاہر ہے تری
 تیری جلوت کائنات ہائے دہو
 حسن تیرا حسنِ عذرا کا جواب
 حسن کا دیکھ تو کوئی ططراق
 حسن تیرا پر تو حسنِ ازل
 سینکڑوں صدیاں ہی بیتیں بیت جائیں
 چاند پر درخ کے ترے لیلیٰ کبھی
 تیرا یہ پیکر ہے گا لازوال

کام اس کا بالیقین جاتا ہے بن
 تیرا سینہ طبعِ مجنوں کا وطن
 بڑھ گیا ہے اور مرادِ یوانہ بین
 اور پھر ان میں پازیبوں کی چھن
 رقص میں ہو جس طرح کوئی کرن
 زلف جیسے شب کو چھیرے یمن
 ہر نگہ تیری ہے برقِ شعردان
 شوخی رفتار آہو سے خستن
 کوئی کہتا ہے تجھے حورِ یمن!
 تو ختن اندر ختن اے سیم تن
 حورِ جنت کی اداؤں کا چلن
 تیری خلوت خلوتِ کوہِ دامن
 عزم تیرا جیسے دامق کی لگن
 آب و تابِ رخ چمن اندر چمن
 حسن تیرا باعثِ فخرِ زمن -
 بیت جائے دہریں لاکھوں قرن*
 چاہے کچھ ہو آ نہیں سکتا کہن
 حسن تیرا ہو نہیں سکتا کہن

* قرن: اس لفظ میں 'ر' ساکن ہے لیکن ضرورتِ شعری کے تحت میں نے اسکو متحرک نظم کیا ہے!

داستان گو

دریا دریا وہ رو رہا تھا!
عزالت عزالت کا سامن تھا
دامان دریدہ تا گریباں

محرا محرا وہ گھومت تھا
دشت دشت کا آسرا تھا
تھا قیس بحالت پریشاں
قیس

در دل صحرانی یا ہم سراغِ منبزم !!!
عمر بگذشت و غنی دانم چہی خواہد دلم !

پائے آغشہ بخون و دامن من تار تار
گہہ بہ ریگ دشت گہہ آد بخیم با خارزار

(ایک وہی نام بھلا)

دل کی تسکین کی صورت کوئی گرہ ہے تو وہی
شکل وہ ایک بھلی، ایک وہی نام بھلا!
اب لئے پھرتی ہے دشت ہیں محرا محرا
ہم کو بس روزیہ کا جیہ کام بھلا!
آئے بھی لوگ نکالے بھی گئے محفل سے
بزمِ جاناں کا آغاز نہ انجام بھلا
دل کا کیا حال کہیں، کیا ہو بیاں کیفیت
نہ تو وہ صبح بھلا اور نہ وہ شام بھلا!!
اور غریبوں کا تو نقشہ نہ حما دنیا میں
عیشِ منعم کو بھلا، ہم کو دل آرام بھلا
آج تک چرخ نہ پیدا نہ کیا جن کا جواب
ایک شے ہم کو وہی، ایک ہی جام بھلا!

اب نہ امروز نہ دیر دز، نہ فرط ہے کوئی
سانولی سانولی صورت ہے جو دلبر کی مری
انجن میں بھی ہر کیفیت تہہ تہہ
یادیں یاد کی ہم روتے ہیں دریا دریا
ان کی آشفٹہ مزاج کو بھلا کیسے
یوں نکالے گئے جیسے کبھی آئے ہی نہ تھے
ہم نے دیکھے نہ سنے ایسے کہیں بد قسمت
اسکے آرام کی باقی نہیں کوئی صورت
میر و سلطان کیلئے عیشِ بنا دنیا میں
عشقِ عاشق کا طلبگار و دنیا میں
اور کچھ دیر تو پی لیں ہم ان آنکھوں شراب
اور پھر آئے جو آنا ہو جہاں سے بھی عذاب

داستان گو

یہی بھی مرض سے ناتواں تھی
سینے میں دبی دبی فغاں تھی
اک چوبِ چنارِ گلستاں تھی
سلگی سلگی دھواں دھواں تھی
کلفت کا کہیں نہ تھا مدا
آنکھوں سے ابل رہا تھا لادا
اک روز تھی طبعِ قدرے بہتر
جی چاہا کہ نکلے گھر سے باہر
تھا گھر کے قریب بارغِ عنبر
یہی گئی اس چمن کے اندر
جیسے ہی وہاں گئی وہ بیکل
گلشن میں ہوئی عجب سی ہلچل

[ایسا دن ایسا دن ہے مقدّر کہاں]

سوسن

میں کہ اس گلستاں کی ہوں ناچیز شے
نام میرا ہے یاں سوسنِ نکتہ داں
کچھ تو کہتے ہیں میری زباں تیغ ہے
اور کچھ مجھ کو کہتے ہیں آتش بیاں
خود ستائی نہ سمجھیں اسے آپ اگر
میں فقط ایک ہی حرف میں اب کہوں
پتے پتے کے اسرار کا علم ہے
بوتے بوتے کو میں جانتی ہوں یہاں
آپ آئیں جو لیکنی تو جاگا نصیب
غیغہ غیغہ مہرِ ترست سے ہے کھل گیا!
آج گلشن کا ہر پھول ہے شاہِ اداں
کیونکہ دن، ایسا دن ہے مقدّر کہاں!
شاہِ خوباں وہ ہے مرتبہ آپ کا
آپ نے بارغ میں جو نہی رکھا قدم
ایستادہ ہوا سر و تعظیم سے
جو شجرِ پیر تھا ہو گیا ہے جواں
اے شہِ گلزاراں یہ ہے واقعہ
آپ کو دیکھنے، آپ کی مدح میں
واہوا دیدہ زرگی بارغ میں
خوب چلنے لگی میسری جاہل زباں!

اس کا اہل گلستاں کو اقرار ہے
 ہیں یہاں آپ سر جملہ گلہ خاں!
 بچھ گئی کنج میں مسندِ نستر ن
 گل بنفشے کا اک نیلگوں سائبان
 زرد ہی زرد ہے اک گل زرد درو
 سرخ ہی سرخ ہے لالہ دلستاں

ایک حرفِ غلط، حرفِ انکار ہے
 اس میں گنجائشِ شک کسی کو نہیں
 بکھینچ گئی یا سمن کی معطر طناب
 آپ کے آتے ہی لگ گیا بارغ میں
 ہم بھی کو مگر اس کا افسوس ہے
 گو کہ ہے سبز ہی سبز، سبزہ یہاں

ہزار داستان (طاہروں کی مجلس شورائے)

میں جہاں میں، جہاں گرد، جہاں دیدہ ہوں
 اسکی فرقت میں سدا شک بہائے میں
 داستان گوئی میں حاصل ہے جہاں محکوم
 آپ کے آنے سے سارا ہی گلستاں خوش ہے
 آپ کے آتے ہی خوشیوں شرابور ہوں

بلغِ عنبر کی میں اک طبل شوریدہ ہوں
 گیسوئے گل کی گرفتار ہوں اک تہ سے
 میں رہوں چپ تو ہوا کرتی ہے دشت مجھکو
 کچھ خوش ہے روشیں خوش ہیں خیابا خوش
 قہقہہ پیشہ ہے گلزار میں جو کبکب در
 عالم وجد میں شمشاد پہ قمری نے کہا.....

قمری
 آج دشا د ہیں ہم اہل چمن لے لیلی

ہزار داستان

نارون سے یہ صدا آئی کہ.....

دراج ہوں میں.....

دراج

آپ کے آنے سے سرور بہت آج ہوں میں

ہزار داستان

سب کے سب اپنے مقدر پہ بہت نازاں ہیں

جرّہ دیدہ و تندرستی شاداں ہیں

شاہِ بے بیل بھی ادھر شاد ادھر شکر بھی خوش
شاد مرغانِ عقاب اور ہری گوریا
خوش سلٹی بھی ہے کوئل بھی ہناد بھی حضور
باشا خوش ہے تو تیر بھی بیبا بھی خوش ہے

آپ آئیں تو ہے خوش باغ کا چوزہ چوزہ
تور بھی کہتے ہیں یا نام ہے جس کا طادیں
آپ کے باغ میں آجٹے سے وہ شاداں
آپ کا چرچا ہے از ملکِ عرب تاپا اس
گو بختی گلشنِ آفاق میں ہے ان کی نوا!
آپ آئیں تو بہت شاد ہیں مرغانِ چین
نغمہ پیرا ہے تندرُ ایک سرشارِ چنار
گھولتی کانوں میں رس آج ہے کس کی بولی
صلصل دسار میں ہنگامہ بپا ہے بکسر
اُس نے گلزار میں نغموں کی دکان کھولی ہے!

دسعتِ چرخ میں پرواز کساں ہے شہباز، کہہ رہا ہے کہ.....

شہباز

مجھے آج مقدّر پہ ہے ناز!

ہزار داستان

بالیقینِ طبعِ عطار بنا ہے گلزار
کتے مسرور ہیں کنجش، کیوتر، تیتتر

چرخ بھی شاد ہے شاہیں بھی سحر خور بھی خوش
شاد پھل گئی، چکور اور ہشتی چڑیا
تازہ بھی خوش ہے تونق لٹ بھی بہت مسرور
خوش مولا بھی ہے طوطا بھی لو بھی خوش ہے
خوش بہت خوش ہیں یہاں بگلا، بنٹا، بوزہ
جس پرندے کو پرندوں کا کہیں کیا کادیں
آج وہ رنگ بتاں، رقص کناں، خداں ہے
شاد ہیں ہیری دسرخاب، سہیلی، سادس
زمزمہ دیز ہیں دیال، بطنج اور چہچہا۔
رقص کرتے ہوئے پرواز میں ہیں زاغ و زغن
زمزمے کی یہ بھڑک اٹھی ہے کیسی انگار
بولتا ہے چمنستان میں کس کا طوطی
ہے ابا بیلوں کا شور آج چمن کے اندر
ناختہ حلقہ گلو، تمری کی ہم جولی ہے

دسعتِ چرخ میں پرواز کساں ہے شہباز، کہہ رہا ہے کہ.....

شہباز

آپ کچھ آنے سے اس باغ میں آئی ہے بہار
شاد ہے آج گلستاں میں سہا، فرخ پر

وہ بھی دشاد میں کہتے ہیں جنہیں غنائی
 شادماں آپ کے آنے سے ہیں سارہی طیور
 سات بہنیں بھی جنہیں کہتے ہیں یا بھائی
 یہ طیور آج کی ساعت میں ہیں بے حد مسرور
 یک زباں ہوں گے گلستاں پرندوں نے کہا

(دعا)

طیور

ہے دعا آپ کو اللہ سلامت رکھے
 اے بے چارہ ہم آپ کے دم سے قائم
 اور سلامت وہ سدا آپ کی سطوت رکھے
 کوئی غم، کوئی الم آپ کے آئے نہ قریب
 ایک عالم میں اجالوں کی حکومت رکھے
 ہے دعا رب کہ دائم ابد آباد ملک
 پر مسرت سے سدا خانہ دولت رکھے
 مرتبہ آپ کا اور آپ کی عزت رکھے

داستان گو

وہ بارغ ارم تھا قرۃ العین
 لیلیٰ کو ملا سکون اور چین
 مرغانِ چین گلوں کے مابین
 وہ بھول گئی غموں کے دیرین
 آرام و سکون کے ایسے لمحے
 سب نخل کھڑے تھے دست بستہ
 اتنے میں دیا کسی نے رقعہ
 پڑھ کر جسے ہو گئی وہ دلگیر
 وہ شخص تھا قیس کا پیامی
 تھا خط میں بیانِ تشنہ کامی
 لیلیٰ چو بہارِ بلبلِ داد
 جس نظم میں داستانِ غم تھی
 وہ بارغ ارم تھا قرۃ العین
 لیلیٰ کو ملا سکون اور چین
 ناپید ہی ہوتے جا پڑے تھے
 کچھ ایسا تھا گلستاں کا نقشہ
 پھولوں نے بنالیا تھا حلقہ
 تھی اس پہ عیاں ہو کی تحریر
 لایا تھا جو رقعہ گرامی
 کہتے تھے اسے طہیر شامی
 ”مجنون ہمہ درد و دلغ دارد“
 اک نظم جو قیس نے لکھی تھی

لیلیٰ کو جو تحفہ تھا تھی بھیجی
شامی نے بہ لحنِ غم سنائی
جو دل پہ گزرتھی اس کے
تھے تھیں کے شعر ایسے سنکھے!

ظہیر شامی (اشعارِ مجنوں بربانِ ظہیر شامی)

تو گلستانوں کی اک رنگیں بہار
کاروانِ رفتگاں کا میں غبار!
تو سحر کے کف پر رخشندہ ایام
میں افق پر ٹمٹاتا اک چراغ
تو ختن اندر ختن اے سیم تن
میں کہ آزاروں سے چھلنی اک بدن
تو چین کا ناز پروردہ گلاب
ادس میں بھیکا ہوا اک ماہتاب
میں خزاں کی گود کا پالا شجر
اور بہاروں کا ہوں پامالِ نظر
جوئے نغمہ تیرے ایوان میں رواں
میرے کاشانے میں ماتم اور فغاں
تیری دنیا ایک بلوغتِ خزاں
میری دنیا غم کا اک کوہِ گراں!
دونو عالم ہیں تیرے زیرِ نیگیں
ہاں یہ سچ ہے میں ترے قابل نہیں
کم کبھی ہو گا بھی کیا تیرا عتاب
مجھ پہ کب چمکے گا تیرا آفتاب

کیا کبھی آئیگی تو میرے قریب
بارِ تیسری بزم میں ہو گا نصیب؟

داستانِ گور

لیلیٰ نے سنے جو شعرِ مجنوں
ہر حرف تھا جس کا دُرِ مکینوں
حالت ہوئی اسٹی بس دگرگوں
وہ ہو گئی بے قرار دِ محزون
جب ہو گئی اور دل گرفتہ
سیدھا لیا اس نے گھر کا رستہ
جب لوٹ رہی تھی گلستاں سے
نظریں ہوئیں چار اک جواں سے

ہیں کون یہ آئی ہیں کہاں سے
تھا ابن سلام نام اس کا
کہنے لگا دل سے

اس شخص نے پوچھا ابن داک سے
معلوم ہوا کہ ہیں وہ - لیلیٰ
ملنے ہی نظر ہوا وہ بے عمل
ابن سلام

اے مرے دل
کرنا ہی پڑے گا اسکو حاصل
چاہت ہوئی اس کو دالہا نہ
عاقل، ہشیار اور ہنر مند
خدمت میں ہر اک کی چاق پجو بند
خوش دل سے تھے سارے ہی قبیلے
وہ حور تھی یا کہ جس پر تھی
اب دل کو لگن بس اک وہی تھی
والد کو ہوا جب اس کے معلوم
سوتا ہے وہ رات کو نہ دن بھر
لیلیٰ ہی کا نام ہے لبوں پر

جو سامنے جا رہا ہے قاتل
وہ بھی ہوا لیلیٰ کا دوانہ
تھا شیخ سلام کا وہ فرزند
رہتا تھا مدام ہی وہ خرسند
اس کی صفت اور خوبیوں سے
وہ شہ رخ جو راہ میں مہلی تھی
وہ جس کی نگاہ کھب گئی تھی
خادم ہو خود اور لیلیٰ مخدوم
بیٹے کا ہوا ہے حال ابتر
ہے ایک ہی نام اسکو ازبر

ہم عقد تو اس سے ہی کریں گے

کہتا تھا

وگر نہ جان دیں گے

داستان گو

ابن سلام

داستان گو

سوچا یہی باپ نے ہر حال
بے سود کیوں بچھائیں وہ حال
پس سوچ کے جلد ہی وہ پہونچے
کیا فائدہ مول لیں وہ ججھال
تجھت، ٹھکرار، قلیل اور قال
لعلی کے پدر سے بات کرنے!

(گزارش)

شیخ سلام

ہم امیر السعد ہیں، اک لے کے آئے ہیں پیام
آپ کی خدمت میں لیکر ایک خواہش آئے ہیں
ہے ہمارا ایک بیٹا، نام ہے ابن السلام
ہے سحر اسکی شفق گون، شام خوں آشت ہے
ان دنوں ہے رات اسکی بے نجوم و ماہتاب
سر ہے دل ریخ ہے سینہ اور جوانی پر جود
بات بھی کرنی ہے مشکل، سانس بھی لینا گناہ
وہ بہت غیبن ہے کرب و الم کا ہے شکار
چلچلاتی یاس سے سنولائی گئی اس کی حیات
ہو گیا ہے قلب میں پیوست اس کے ایک تیر
آپ کو ہم پیش کرتے ہیں سلام و احترام
سیدنا سر، فردری اک گزارش لائے ہیں
زہر قاتل سے ہے اس کا ان دنوں لبریز جام
آج کل اسکو اذیت ہے، حرام آرام ہے
تار ہیں ٹوٹے ہوئے خاموش ہے اسکا رباب
کرب میں ہے ارغنون اور غمزہ طاؤس و دود
زیست ہے بے رنگ اسکی اور سینے میں آہ
ہے بہت مایوس و افسردہ اداس و سوگوار
عشق کے شعلے سے جل اٹھی ہے اسکی کائنات
جیسے ہے وہ آپ کی دختر کی زلفوں کا اسیر

ہو نو از شش آپ کی اب بات کو دینگے نہ طول

اپنی فرزندگی میں اسکو آپ کو لیجئے قبول!

(نہ صم کوئی ہمارا)

سیدنا صری

سنی ہم نے بس حکایت کریں کس سے ہم شکایت
ہے جہاں میں کون اپنا کریں ہم کی طاعت
کہ نہیں ہے اب تو باقی کسی شے پہ کچھ اجازت
نہ صم کوئی ہمارا، نہ خدا کوئی ہمارا

غم آگہی یہی ہے ہمیں زندگی نے مارا
اسے غرق کمر ہے غم زندگی کا دھارا
اسے سوپا ہے یونہی ہم نہیں ہے ہمیں گوارا
میں اسی پہ جی رہا ہوں یہی ہے مرا سہارا
بہو آپ اسے بنائیں جو سنگ اٹھے یہ تارا

کوئی اور لوگ ہونگے جنہیں موت مارتی ہے
میں پد ہوں جس کا اس دم وہ مرض سے تواتی ہے
کریں عقد اس کا اب ہم نہیں اسکی ایسی حالت
نہیں اعتراض مجھ کو جو ہر بیٹا شبنم و گل
ابھی اس گھڑی ہے لیلیٰ تو بچھا سا اک شراب
داستان گو

پہلے تو یہ خبر دی پسر - کو
دیوار کو در کو ہر شجر - کو
شکرانہ پڑھو بہو مبارک!
اور دشت میں قیس بے نوا تھا
صحرا میں الم کا مرحلہ تھا!!
آہستہ سنگ رہا تھا سینہ!
صحرا تھا بہت ہی دل کو بھایا
بے نام سکون سا دل نے پایا
لیلیٰ سے وہ ہم کلام یوں تھا!

ٹوٹے خوش شیخ اپنے گھر کو
بعد اس کے خبر دی ہر بشر - کو
سب نے دیا دود و مبارک
اس گھر میں طرب کا جگمگا تھا
اس گھر میں خوشی کا سلسلا تھا
تھاقین پگھلتا - آہگینہ
تھی دھوپ، کہیں بھی تھا سایا
پھر قیس کو دھیان اسی کا آیا
جو سوچ تھا دل میں سوچ اسی کا

دیرافن، مرا موضوع سخن [

قیس

پہلی سی دل کی وہ آشفہ سری کج بھی ہے
اہل دانش کی وہی کم نظر سری آج بھی ہے
زندگی کا سہ دریوزہ گری آج بھی ہے

فصل گل آتے ہی ہوتے ہیں گریباں پُر رزے
عشق کو سب سے بڑی ان سے شکایت ہے ہی
درد پھر تاروں میں تیری ہی خاطر اے جان

آج بھی حسرت پر دوا کا عالم ہے وہی
 آج غم کا مداوا نہیں ہوئے پاتا
 آج بھی میری زباں پر ہیں وہی پیرے
 آج بھی ہے تری نظروں میں وہی تیکھاپن
 آج بھی مجھ پہ ہیں الزام زمانے بھر کے
 زندگی میرے لئے معرکہ کرب و بلا
 ہر نفس تیرے لئے نکمہ کھنڈارِ ارم
 تیرگی کا ہے تلاطم مرے غمخاں میں
 غم تو اس کا ہے لٹا کر بھی دل و جان تجھ پر
 تو نے جب پہل پہل پیار سے دیکھا تھا مجھے
 پچھا ہی تھی مری رستی پہ غموں کی ظلمت
 دل پہ آلام کی تار یک گھٹا چھائی تھی
 میں نے دیکھا کڑا مل بہ کرم تھی اس وقت
 کتنی صبحوں کا اجالا ہے جلو میں تیسرے
 کتنے گلزاروں کی زلفوں میں تری نکبت ہے
 کس قدر نرم ہے وہ آہ آہ جو آسودہ ہے
 کاش ہم کو بھی ملے تری محبت کا شرف
 جب سے تو آئی ہے اس دل کے ہنسا خاں
 تیری آمد سے ہوئی فکر میں عظمت پیدا

پہلے جو تھی وہی بے بال و پری آج بھی ہے
 آج بھی ہے وہی سینے کی جلن میرے لئے
 آج بھی ہے وہی آئین کہن میرے لئے
 آج بھی وہی اٹکے کی شکن میرے لئے
 آج بھی دل ہے سرد در ورسن میرے لئے
 زندگی تیرے لئے بسترِ سحاب و حریر
 ہر نفس میرے لئے ایک گنہ، ایک تعذیر
 چاند کی کرنوں سے گوندھی گئی تیری تقدیر
 میں کبھی بن نہ سکا خواب کی تیرے تعبیر
 تیری آنکھوں سے چھلکتی تھی نظاں کی غزل
 جل اٹھے تھے تری نظروں میں عنایت کئے قول
 اور برستے تھے نہ کھلتے تھے یہ تیرہ بادل
 بڑھ کے مشعل سے تری میں نے جلا لی مشعل
 آفتابوں کی دمک ہے ترے افواہوں میں
 تیرے پیکر کی تجلی ہے شفق زاروں میں
 تیرے شانوں، تری زلفوں، ترے خماروں میں
 ہم بھی شامل ہوں کبھی تیرے پرستاروں میں
 میرے آئینے میں جو ہر نئے لے آئی ہے
 میرے بے تاب تختہ لے جلا پائی ہے

تو عصل ہے مرا اور تو مری بیٹائی ہے!!
 تیری صورت مرے اس دل کو بہت بھائی ہے
 ایک نغمہ کہ جسے گانہ سکا میں اب تک
 حیف تجھ کو اسے دکھلانہ سکا میں اب تک
 وہ معتم جسے سلجھانہ سکا میں اب تک!
 دل دیوانہ کو بہلانہ سکا میں اب تک!
 پارہ سنگ مگر لعلِ مین بن نہ سکا
 وہ فقط خار رہا اور چین بن نہ سکا
 وائے اک قلبِ حزین تیرا وطن بن نہ سکا
 میرا فن اور مرا موضوع سخن بن نہ سکا!

قیس اپنے لہو سے لکھ رہا تھا
 شاید بھی تھے خار ہائے صحرا!
 تھا کوئی خضر نہ آبِ ظلمات!
 اپنے ہی خیال میں تھا ڈوبا
 اس گرد و نواح میں جو پہنچا
 محنت زدہ و غریب و رنجور
 نونل جو اسے پسند بھی تھا
 تھا کس کو مقابلے کا یارا!

غم و اندوہ کی پُرمہول سیہ راتوں میں
 تیری نظریں مرے اس دل میں ہوئی ہیں
 چاہتا ہوں کہ سناؤں میں اسے تیرے حضور
 دل میں جو تیری محبت کا ہے طوفاں برپا
 اک معتم ما ہے میرے لئے تیری ہستی
 شرر آویزد جنوں خیز دقیامت انگیز
 صحبتِ لعلِ مین مجھ کو ملی تھی لیکن
 خار نے کوششِ پیہم تو بہت کی لیکن
 یوں نہ تھا میں نے یہ چاہا تھا کہ یوں ہو جائے
 پھر بھی میں خوش ہوں کبھی تیرے سوا اور کوئی
داستان گو

اُس دشت میں اک نیا فانا
 تھا اس کا گواہ ذرہ ذرہ
 خاموش گزرتے تھے دن رات
 اک دن وہ صوبتوں کا مارا
 اک شخصِ شکار کرنے آیا
 دیکھا کہ غموں سے قیس تھا بچور
 تھا نام جوان جو برد کا
 لشکر شکن ایک تھا وہ یکتا

ہنگام مصاف ایک جہرا
 پر چھا کہ ہے کون؟ کیا ہوئی بات؟
 دریافت کئے خصال و عادات
 مظلوم کسی کا ہے دوانہ
 نوافل نے سنا جو حالِ معصوم
 آہوں سے فضا تھی جکی مسموم
 طے اُس نے کیا ہے وقتِ یاری
 تھا غرقِ خیال قیس اُس دم
 ہسنے لگا اس کے بعد پیہم
 مجنوں ہی تھا دل میں جب سماتا

تھا دل کا غنی بھی وہ درم دار
 معلوم ہوا جنوں ہے سوغات
 واضح ہوئیں اس پر سب حکایات
 اسال ہے دشت ہی ٹھکانہ!
 چہرے پہ تھی یاس جس کے مرقوم
 جو دن میں بھی نور تھا محروم
 امداد کر لگا غم زدہ - کی
 کچھ دیر کے بعد آنکھ ہوئی غم
 پھر دشت میں اس نے چھڑا سرگم
 بے تال وہ ہنستا، سر میں گاتا

(سائیں سائیں یہ ہوا)

قیس

آسماں پر ٹٹماتے سے چراغوں کا نشانہ
 آرزو کا مقبرہ یعنی تنہا کا مزار -!
 خاک بر سر اک بیاباں سائیں سائیں یہ ہوا
 زہرہ و ناہید کے نغمے بھی راس آتے نہیں
 زمزمے اس کلمہ اجزاں کو دہکاتے نہیں
 اے ہجومِ یاس اب توجی بہت گھبرائے ہے!
 آندھیوں کے سیل کو آئینہ دکھلاتی نہیں!
 ہر مصیبت میں نئے نقمات اب گاتی نہیں

خواب سی بوجھل خموشی، اذگھٹا صحرائے تار
 اک زمین بے شجر، اک دشتِ ناپید اکناہ
 اب نہ کوئی قافلہ ہے اور نہ آوازِ دراز
 اب نویدِ جانفراشِ دمقر لاتے نہیں
 کرکِ شتاب کے بھی گیت اب بھلتے نہیں
 ایک خاموشی رگِ جاں میں اترتی جاگے ہے
 زندگی اب اپنی طوفانوں سے ٹکراتی نہیں
 زلزلوں سے بجلیوں سے دل کو بہلاتی نہیں

اُن یہ ریگستانِ حسرت آہ یہ دشتِ کاشت
کاروانِ رنگِ دیو کی نکستوں کو بھول جا
پہلی فرصت میں پرانی عادتوں کو بھول جا
نوٹ کر آتا نہیں چشمے کی جگہ پھر سے آب

یہ نضباتوں میں خموشی کی صد بار گشت
بھول جائیں سرخوشی کی ساعتوں کو بھول جا
بھول جائیں کیفِ آدر لہ توں کو بھول جا
بھول جا گزرے ہوئے لمحے ہیں مانند خواب

داستانِ گو

اشعار تھے جس کے آسمانِ دوز
تھی اسکی حیاتِ درسِ آموز
تا باشد ازاں قدمِ نگرِ دد

نوشل نے سنی یہ نظم پڑھ کر
امروز تھا قیس کو نہ دیر دوز
و عشقِ آبی باشد کہ کم نگرِ دد

نوشل

پر حاصلِ ایامِ بوالہبے عشق
گنجینہٴ اسرارِ معانی ہے عشق

گو باعثِ خونِ نابہ نشانی ہے عشق
بیگانہٴ ادراک جو ہیں ان کے لئے

بیتے

منعم بک وہ دشتِ دیبا باں غربتِ نیت
ہر جا کہ رفتِ نیمہ زد دوبار گاہِ ساخت

حواریؑ ۱ اک قصر ہی دشت میں بنا دیں

حواریؑ ۲ ہو حکم تو کمر کے ہم دکھا دیں

حواریؑ ۳ کہیے تو طناب ہر لادیں

حواریؑ ۴ سرکار کے خیمے کو سجا دیں

داستانِ گو

دیں آپ کو عیش ہم پہ ہے فرض

نوشل کے حواریوں نے کی عرض

نوفل (اک غزل کو سنناؤ صحرائیں)

تم کہنے جو کچھ ابھی ہے کہا
 دوست داری ہمیں بہت بھائی
 تو، طیش اور یہ چلچلائی دھوپ
 آف یہ صحرا یہ اس کی پہنائی
 یہ اداسی میں ڈوبی ڈوبی نضا
 گرم تو اور سناتی — ہوا
 ایک غوغائے بے صدا ہے یہ دشت
 سر پہ سائے کا جس میں نام نہیں
 ہجر کی دھوپ اور غموں کی دھول
 درد کی کو کا آشیانہ ہے
 ہر طرف گو بخت ہے سناٹا
 سن کے اک داستانِ دلدادی
 عامری قیس نام ہے جس کا
 گو ہے اس سلطنت کا شہزادہ
 بسکہ ہے بے نیازِ نفع و زیاں
 آج ہی تو ہوا ہے علم ہمیں
 وہ غریب الدیار ہے گریاں
 اس کے چہرے سے ہے ہو دیا اس

ساکتو، شکر یہ محبت کا
 کیونکہ اس میں وفا کی بو آئی
 دھوپ کا ہر پہر نیا بہر وپ
 آہ بھرتی ہوئی یہ تنہائی!!
 وہ نضا جس میں تشنگی ہے روا
 روح کو چیرتا ہر اک جھونکا!
 بے سہارا ہے بے نوا ہے یہ دشت
 دور تک اس کا انتظام نہیں
 لمحہ لمحہ ہے آفتوں کا نزول
 آنسوؤں کا یہ کارخانہ ہے!!
 نفع ہو بھی تو ہے یہاں گھاٹا
 ہو گیا ہے ہمارا دل بھاری!
 وہ ہے اس دشت میں سریرِ آرا
 پر طبیعت کا ہے بہت سادہ
 وہ ہے دراصل تاجدارِ یہاں
 کلفت و غم ہیں اس کی سوخائیں
 بے مددگار بے سرو سامان!
 تشنگی، بھوک، بے کسی، افلاس

جو پہنتا تھا ریشمی پوشاک
ہے وہ پریکانِ عشق سے بے عمل
اس کو اب ہے مزدِ رست یاری
ہائے افسوس برہمنہ پائی
ایک خیمہ سجاؤ صحرا میں
بربطِ نظم اور چنگِ غزل
جس کا ہر تیر دل میں ہو پیوست
تاثر یا ہو جس کی تابانی
ذرہ ذرہ ہو جس سے عطر آگئیں
قیس کا دل بہت ہے آزدہ
ایسی ترکیب کچھ کرو یا دو
جو خراشیں ہیں روح پر اسکی
بھول جائے وہ اپنے یار کا غم
اسکی ہستی کو چھونکتی ہے جو آگ

آج اس کا بچھونٹ ہے خسی و خاک
ایک تیسرے نگاہ کا گھبراہلی!
جشن ہوناؤ و نوش ہو بھاری
کس بیاباں میں اس کو لے آئی!
چاند تارے اگاؤ صحرا میں
بے تکلف اٹھاؤ صحرا میں
اُس غزل کو سناؤ صحرا میں
وہ الاؤ جلاؤ صحرا میں!!
ایسا اک گل کھلاؤ صحرا میں
اس کے غم کو مٹاؤ صحرا میں
اس کو اپنا بناؤ صحرا میں
ان پہ مرہم لگاؤ صحرا میں
ایسا جادو جگاؤ صحرا میں
آؤ اس کو بجھاؤ صحرا میں

ظلمتِ یاس مات کھا جائے
داؤ ایسا لگاؤ صحرا میں

داستانِ گو

نوفل کی یہ بات، ساتھیوں نے
پہلے ہی سے وہ یہ چاہتے تھے
سنتے ہیں، وہاں لگائے خیمہ
آپس میں ہی تھے ان کے چرچے

پھر کیوں نہ ہو بزمِ عیش بر پا
بس قیس سے کی سی گزارش

سامانِ طرب ہے سب جیسا
نوفل نے ذرا نہ کی نمائش

نوفل

ہم سب کے لئے ہو وجہِ نازش
مل بیٹھیں جو آپ ساتھ اپنے
کھاتے ہیں ہم آپ ہی کی سو گند
کھلتے ہیں ہزار در خداوند
ہے دن ہی ابھی ہوئی کہاں رات

اب ختم ہو آپ کی یہ کاہش
مگر آپ گزاریں چند لمحے
ہیں آپ بہت ہی حوصلہ مند
ہوتا ہے یہاں جو ایک در بند
بازی کوئی ایسی ہوتی ہے مات

داستان گو

القہ وہ قیس کو اسی رات
اور دی اسے ایک عمدہ سوغات
اس طرح سے خود کو ہی نوازا
نوفل نے یہ اپنے دل میں سوچا
دکھلائے اسے نیا ہی رستا!!!
کہنے سے وہ بات اس کی مانے

کرتے رہے شام تک یونہی بات
خیمے پہ لے آیا اپنے ہی سات
تھی رسمِ عربِ علامہ باندھا
اک روز کہ قیس قدرے خوش تھا
بیٹھے ہوئے اک خیال آیا
شاید کہ جنوں کو ترک کر دے

(الماس و گہراور)

ہیں نگ گراں، ان کیلئے چاہیئے سزاور
اے میرے خدا ہو کوئی تعمیرِ بشر اور
جو کچھ نک دیں خرم کو وہ ہیں برقِ شہراور

سچ ہے کہ سزاور نہیں ہر کس و نا کس
اک شر ہے کہ کب سے رگِ نیا میں پیوست
ہر سمت گرے برق دھواں تک بھی اٹھ

نوفل

مانگے تو کوئی اسکے خزانے سے ملے گا
 اک پل کیلئے آپ لگا ہیں تو اٹھائیں
 کھویا جو گیا اک درِ ناسفقتہ تو کیا غم
 ہے امر مسلم کہ دعا کا ہے اثر اور
 روشن نہرا فلک ہیں ناہید و قمر اور
 لے آئی گئے بازار سے الماس و گہرا اور

قیس

[کہاں سے لاؤ گے؟]

یہ مانا گو ہر د الماس ہیں سر بازار
 حسین اور بھی یوسف سے مل ہی جائی گے
 گداز کر دے جویشے کو ایک ساعت میں
 جدھر بھی دیکھو اجلے کی حکم رانی ہے
 کہاں سے آئیگا مرہم ہر اجوتوں کے لئے
 جو پھونکے تین مردہ میں جان پھر وہی
 مرے عزیز ذرا جھکھو اتنا بتلاؤ
 کہاں سے آئیگا و امق سا عاشقِ جانناز
 ملیں گے یوں تو بہت سے دل و جگر تم کو
 جسے دکھائی دے قطرے میں شورشِ جہلہ
 یہ تو، یہ دھوپ، یہ غربت، یہ غم، یہ مایوسی
 کہاں سے لاؤ گے تم نامرا دیاں اتنی
 یہ قیس ہے کہ لہو رس رہا ہے صحرائیں
 جو کھفتوں کو بیاہاں کی ہنس کے سہتا ہو
 حسین بہت ہیں پہ لیلیٰ کی بات ہے کچھ اور
 وہ آفتاب ہے یعنی کہ پیکر انوار
 بتاؤ زر گس شہلا کہاں سے لاؤ گے؟
 نیازِ چشمِ زلیخا کہاں سے لاؤ گے؟
 وہ تند شعلہ صہبا کہاں سے لاؤ گے؟
 سحر کا ایسا ہر کچہ کہاں سے لاؤ گے؟
 خراشِ دل کا مداوا کہاں سے لاؤ گے؟
 تنفسِ دمِ عینی کہاں سے لاؤ گے؟
 جو خاک کر دے وہ شعلہ کہاں سے لاؤ گے؟
 جو سر بکف ہو وہ عذرا کہاں سے لاؤ گے؟
 ہمارا ایسا کلجہ کہاں سے لاؤ گے؟
 تم ایسا دیدہ بینا کہاں سے لاؤ گے؟
 دیکھوں کا ایسا خرابا کہاں سے لاؤ گے؟
 جنوں جنوں ہو جو صحرائیں کہاں سے لاؤ گے؟
 بتاؤ ایسا تماشا کہاں سے لاؤ گے؟
 غموں کا ایسا شناسا کہاں سے لاؤ گے؟
 کہ دیا تحنِ دلآرا کہاں سے لاؤ گے؟
 تجلیوں کی وہ دنیا کہاں سے لاؤ گے؟

داستان گو

قصہ جو کوئی تھا اسکا قصہ
نغمہ تھا وہی بس ایک نغمہ !!
رہ سکتا تھا خوش سدا کہاں قیس
آنکھوں کا لہو تھا حد سے ارزاں
نوفل سے کہا بحالِ گمراہیاں !!!
ہے کوئی قرار کی نہ صورت !

یوں دل میں بٹا تھا عشق لیلیٰ
ہونٹوں پہ سدا وہی فانی
خوش دل رہا کچھ دنوں وہاں قیس
اک روز وہ تھا بہت پریشاں
سینے میں بپا تھا ایک طوفاں
ہے کوئی قرار کی نہ صورت

(ابیات)

کہ مجروح و پامال ہے دل سراسر
نہ بھٹکوا ملا کوئی اب تک رفوگر!
نہ مانہ ہے بے دردِ ظالم، ستم گر
مرا حال پہلے سے اب کچھ ہے بہتر
مرے پاس موجود ہے گو سمندر
مرضِ بڑھ رہا ہے دوا کر دوا کر
کہیں حال میرا نہ ہو جلے ابتر
مرے سلسلہ ساز میرے برادر !

بہت زخم کھائے ہیں سینے پہ میں نے
کوئی دامن چاک کو رسی نہ پایا
کہیں کس سے کون یا سننے والا
مگر ان دنوں تو نے مریم جو رکھا
عجب پیاس ہے اک عجب تشنگی ہے
تجھے واسطہ چارہ گر ہے خدا کا
نہ ہو یوں کہ تاخیر ہو جائے نوفل
تو اب میری لیلیٰ کو مجھ سے ملا دے

(کل سنور جائینگے زلفیں)

آج کے دن یاس و محرومی پہ اقبال تو کیا!
گر خزاں ہی آج تھو ریگستاں ہے تو کیا!

نوفل

آپ سے ہے عرض میری حوصلہ رکھیں ضرور
پتہ پتہ، بوٹا، بوٹا کل ہر اہو جائیگا

روشنی کا تیر گل سے عہد دیماں ہے تو کیا!
 کائناتِ رنگ و بو گر آج لرزاں ہے تو کیا!
 آج اگر مریخِ پیہم آتش افشاں ہے تو کیا!
 آج اگر شیرازہ عالم پریشاں ہے تو کیا!
 آج ہر بوش و خرد مجوس زنداں ہے تو کیا!
 ہر قدم پر آج اگر تخریب خداں ہے تو کیا!
 آج اگر گلزار میں ہر جسم عریاں ہے تو کیا!
 ہر میاں آج اگر عسرت بدلاں ہے تو کیا!
 آج اگر بادِ ہلاکت خیز و طوفاں ہے تو کیا!
 آج تاریکی اگر عنوانِ دوراں ہے تو کیا!
 آج اُس گل سے اگر خالی یہ دماں ہے تو کیا!

مین لائیں گے ستارے آسمانوں بھی ہم
 اس میں کیا شک ہو کہ گل سکوں ہو گا نصیب
 کل برآمد ہو گا ہستا کھکھلاتا آفتاب
 کل منور جائیگی زلفیں گل نکھر جائیگے رخ
 گل نگاہ و فکر کو دارِ شکی ہوگی نصیب
 کل نئی تعمیر سے ہوگی مریں کائنات
 گل نئے ملبوس پیغام بہاراں لائیگے
 لعل و گہر سے بھری جائیگی گل جیبِ سائب
 منزلِ مقصود سے ہو گا سفینہ ہم کنار
 گل مٹے گی وقت کے ماتھے سے ظلمت کی شکن
 ہے توقع آپ کے محبوب کچھ لے آئیگے

داستان گو

نوفل تھلا بہت ہی دل کا سادہ
 اور قہیں کر کے سچا وعدہ
 ساعت ہی میں طے ہوئی مارت
 رستے میں آیا دل میں کچھ شک
 قاصد سے تھا جکا نام تاجک
 پس سیدنا صری یہ سن کر
 اُس نے کیا جانے کا ارادہ
 فوراً ہی سنبھالا اُس نے جادہ
 بالکل ہی لیا نہ دم نہ فرصت
 پہونچا وہ دیارِ ناصری تک
 بھجوا یا پیام اک اچانک
 عجلت ہی میں آیا گھر سے باہر

(تہدید)

رحمان تاجک

ہے نام میرا رحمان تاجک
 ہر شخص جس کی کرتا ہے عزت
 انصاف کرنا جس کا چلن ہے!
 اور جنگ ہو تو ہے ختم ابرو!
 آساں ہے اسکے سارے مسائل
 ٹھوکر میں اس کی ہیں لعل دگوہر
 گروہ صدف ہے یہ دیر ممکنوں
 گردش ہی گردش جس کا مقدر
 لیلیٰ کو فوراً لے آئے جا کر
 اب چل سکیگا کوئی نہ حیلہ
 اپنی رعیت کو تو بچالے!!
 ہر ایک مترت معدوم ہوگی

پیغامِ نوافل لایا ہوں یاں تک
 نوافل کہ جس کی جگہ میں ہے شہرت
 پولاد تن ہے لشکر شکن ہے
 گمزدستی ہوئے مثل آہو
 بے حد جری ہے بے حد جواں دل
 اس کی کمندیں ہیں کہکشاں پر
 وہ یارِ نوافل یہ یارِ مجنوں
 مجنوں نے اسکو بھیجا ہے یاں پر
 ہے بیس عامر کا دشت میں گھر
 ہے اک دورا ہے پر یہ قبیلہ
 تو مانگتے ہیں کرے حوالے
 درنہ تبہا ہی مقسوم ہوگی

(بجھ سکا ہے کبھی پھونک سے آفتاب)

سید ناصری

پر یہ بہتر ہے گستاخیاں بند ہوں!
 حملہ آور سپہ منہ کی ہی کھائیگی
 میرے لوگوں کا ہے کچھ عجب ماجرا
 جگمگو میرے لڑتے ہیں سب روبرو
 آگے بڑھتا ہوں میں پچھلے ہٹا نہیں

عزم سے پڑ ہوں سب حوصلہ مند ہوں
 درنہ منہ سے زباں کھینچ لی جٹے گی
 اپنے آقا سے جا کر یہ کہہ دو ذرا
 جنگ میں جب مقابل ہو کوئی عدا
 زور میرا کسی طرح گھٹتا نہیں

داد دیتا ہوں جراثیم کی اور عزم کی
 بات سوچی ہے انجام کی بھی کبھی
 عقل تو کیا ہے جاں سے گزر جاؤ گے
 آؤ ہم مان دیں اپنے ہمنان کو !
 بجھ سکا ہے کبھی پھونکے سے آفتاب
 جل سکتا ہے دیا ایسا ہو تائیں !
 آندھنیوں پر کیا ہے چراغوں نے راج ؟
 سامنے ظلمتوں کے کسی بام پر ؟
 اپنا سر معبدِ جہل کے سامنے ؟
 ہے ازل سے جہاں کا یہی دار و بست
 کیا حقیقت نگوں سر ہو پیش مجاز ؟
 بارغ کی حکمران کیا فقط دوب ہو ؟
 کھیل جائیں گے ہم اپنی آجی جان پر
 ہم بھی تلوار کے ہیں دھنی دوستو !

بات کرتے ہو جو اس طرح رزم کی
 کی ہے پردا کہو نام کی بھی کبھی
 حد سے گزرو گے اپنی تو بچھاؤ گے
 ہے ارادہ تو پھر تیغ کو سان دو
 کہہ دو جا کر کہ ہم نے دیا ہے جواب
 کرکب شب کا سورج کے آگے کہیں
 شیر نے بڑبچے کو دیا ہے خراج
 کیا جھٹکا ہے ہر درخشاں کا سر ؟
 خم کیلے کبھی فکر و ادراک نے
 کوہ کو بھی کبھی ساہ نے دی شکست ؟
 کیا قناعت کا ایمان ہو حرص و آفر
 کیا چٹان آہگینے سے مرعوب ہو ؟
 یا در کھوٹ جائیں گے آن پر
 یا در کھو اگر اب ٹھنی دوستو

داستان گو

یہ بیچا یا ناصری کا پیغام
 گو آ بھی چکی تھی ساعتِ شام
 پھر بھجایا دے کے اسکو
 ناکام ہی لوٹا پھر پیامی

قاصد لوٹا وہاں سے ناکام
 نوافل ہوا جیسے مرغِ دردام
 قاصد سے کہا ذرا نہ ٹھہرو
 کچھ کام نہ آئی تیز گامی

بولالاکہ

رحمان تاجک اے فوسلِ گرمی۔

قسمت میں لکھی ہے تشنہ کامی

گو زور لگایا میں نے خاصا اس کا ہے جواب پھر طکاسا

فوسل (نعرۂ جنگ)

تیرگی مہر درخشاں پہ ہے پھر دام انگن
خود سورج کی ہوا در آگ کا ہو پیرا بن
مشعلِ عزم کے شعلے کو کر داور بھی تیز
آج ہر نوکِ قلم نوکِ سناں بن جلے
آج ہر جوئے چمن سیلِ رواں بن جائے
پھر ہواکِ رقصِ شریر گرمیِ محفل کیلئے
ناصری نام ہے جس کا وہ ہے مکارِ عدد
بھائی کی موت پہ کوئی نہ بہائے آنسو
نعرۂ جنگ سے پھر گونج اٹھ دشتِ دمن
بل نہ ابرو پہ پڑے اور نہ ماتھے پہ شکن
ساتھو سرد نہ ہو آگ بہ ہنگامِ ستیز
آج ہر حرفِ غزلِ برقی تپاں بن جائے
آج ہر پیرِ کہنِ مردِ جوان بن جلے !
ایک طوفان اٹھے شورشِ ساحل کیلئے
اسکے ہی خون سے گلزار کو پانے سبوا
دوستو راہ سے ہٹانے کبھی یک مرمو

”اسکی تلوار جو دریا کی روانی مانگے

اسکو اس گھاٹی پہ مارو کہ نہ پانی مانگے !“

داستانِ گو

پس گتھ گئے جنگ میں فریقین
اک شخص کر نام جس کا نوکرین
موجود تھا جب تھی جنگ جاری
کی اس نے یہ واقعہ نگاری

نورین (صحیفہ نگار)

شب نے دریچہ آہستہ کھولا
رنگِ شفق جب نکھرا بگردم
مرغِ سحر کچھ دھیرے سے بولا
مشرق میں بکھرے انوارِ پیہم

سورج نے اپنا جلوہ دکھایا
 کرنوں نے اپنا جادو جگایا
 جب دد نوا شکر میدان میں آئے
 خنجر سنبھلے نیزے اٹھائے
 اک نامری تھا اک نونلی تھا
 کونوں کے لب پر نام علی تھا!
 طاقت بیر کی چیتے کی پھرت
 دد نوا کر میں ہم نے دیکھی
 کتنے مبارز کتنے جیلے
 آندھی کے بیٹے طوفاں کے پالے
 میر قبیلہ سب جگمگاتے تھے
 سب شیر دل تھے سب شعلہ نوتھے
 جب قت آیا وہ صف بصف تھے
 جو صف بصف تھے وہ مرکب تھے
 پیر جوش انکے تھے اسپ تازی
 اکثر جرتی تھے ان میں سے غازی
 کچھ تیز بہاؤ اور ناک فگن تھے
 پیچہ شکن تھے کچھ پیل تن تھے
 پیشہ تھا کچھ کا شمشیر بازی
 تھے مولوی کچھ اور کچھ تاملی
 کچھ تیر انداز اتنے تھے اچھے
 بماندہ ستم کچھ گمراہ اٹھائے
 ہر اب جیتے کتنے قوی تھے
 بجھنے لگا جب اک طبل بن میں
 کرنے کی جو نئی آواز آئی
 سب بول اٹھے اب لام ہوگا
 لگ جائیگے اب کشتوں کے پٹے
 اک نامری تھا بے حد توانا
 تھا اس زمین پر اک وہ البرز
 لشکر سے اپنے آیان کل کر
 فوجِ حرب میں بے حد سیان
 پہنچے زہرہ اک اعدا تھیں گمراہ
 بولا عدد سے سے سکھو!

قوی دست (سائے آدے)

ہے کوئی ایسا تم میں جواں دل آئے جو اس دم میرے مقابل
ہے مرد کوئی جو مجھ کو زد کے ہے کس میں ہمت جو مجھ کو ٹوٹے
کتنے ہیں عذر اور کتنے بہانے کیا نونلی میں سارے زمانے؟

نورین (ایسا گر کہ پھر نہ اٹھا)

آیا مقابل اک مخنی سا بانکا سپاہی شرمیلا تھا
دیکھا جو اس کو اس نامری نے وہ نونلی پر کچھ بھی نہ بولا
پھر جٹ گئے وہ اک دوسرے سے طوفان اٹھا پھر اس بلا کا
طوفاں تھا اور جب گرد ٹھہری تھا چار شانے دن میں قوی دست
کی اس نے کوشش پر اٹھ نہ پایا سر ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے

نامرتیلے کے اک جواں نے تیغِ عدو کو دینم کر کے دے ڈالا اسکو پھر ایک خنجر
بزدل تھا ایسا وہ بھاگ نکلا اک نونلی کے چٹکے چھڑائے
اسکو لگائے چوکے پر چوکے اس سے کہانے تو خود کشی کر کے
اس نونلی نے مڑ کے نہ دیکھا

اب تک کشاکش تھی انفرادی
 آپس میں الجھے دد نو قبیلے
 ران اور سینہ، دھڑ اور پہلو
 کام آئے دن میں کیا کیا جیالے
 تھے پُرزے پُرزے تھے دیزے دیزے
 خود سے نگوں سر دنیا کے دہانے تھی!
 ہر سمت ہر سو آگ اور دھواں تھا
 صحرا میں خوں سے تحریر لکھ دی!
 چمکی، اٹھی اور سر پر ہی ٹھہری
 مغفر سے اتری بکتر پہ آئی!
 باقی تھا شاطر اور تھا نہ فرزیں!
 اس پر یہ طرۂ تیسردن کی بارش
 گھائل عاکر کو دوندتے تھے!
 جیسے کہیں پر گر قتی ہو بجلی
 اک شخص سے وہ کچھ پوچھتا تھا
 دیکھا تو دد نوں محو سخن تھے!
 (کیسی سوغات!)

کیسا دن کیسی سوغات!
 دیکھ اسے میں ہوں دل تنگ

دو نو ہی لشکر تھے آشا دادی
 یک دم ہی قرنا پھونکا کسی نے
 لاکھ اور پادوں سر اور بازو
 کٹ کٹ کے صحرا میں گر رہے تھے
 گر زادر خنجر تیغ اور نیزے
 جنگل میں جاری اک جلے خوں تھی
 بجلی کی زد پر ہر آشتیاں تھا
 جب بھی کسی نے شمشیر اٹھائی
 اک صاعقہ تھی تلوار کیا تھی
 دیکھا بس اتنا مغر پر آئی
 پیکار اتنا پیکار خونیں
 پہلے ہی سے تھی ٹو کی نوازش
 رہوار ہر سویلوں کو دتے تھے
 نیزے تھے روشن تھی ان میں تیزی
 اس مرحلے پر قیس آن پہونچا
 ہم بھی وہاں پر تیسری سے پہونچے
 قیس

دیکھو جدھر ہے رات ہی رات
 خوریزی ایسی اور جنگ

انسانوں کے خون کی بو۔
ہاتھ کٹے اور پاؤں کٹے
کس کا جرم اور کس کا قصور
کس کو ہم یاں دیں آواز
کس کو دکھائیں زخیم دل
راہیں سب اجڑی سنان
تم نے یہاں جن کا لہو
کیوں ان کو برباد کیا

سٹان انوں کا لہو !!!
انوں ہی کے لاشے
خون بہانا کیا تھا ضرور !
گھائل نغے ، ٹوٹے ساز
مرہم کیا دیگا قاتل !!
کون کرے عہد و پیمان !!
دشت میں ان کی ہے خوشبو
جن کو دیکھا تک بھی نہ تھا

(یہ تحفہ ، یہ سوغات)

جوان

یہ کس شمشیر کی تیزی ہے بدنام
یہ کڑوے گھونٹ کیا میرے لئے ہیں
لگا دی ہم نے جب اس جاں کی بازی
کیلے فقرے اور دلدوز طعنے
کیا جو کچھ بھی ہم سب نے یہاں پر
ادادہ کون سی دشمن کی بھائی
تعجب ہے کہ ہو دشمن سے یاری
محبت کا نیا ہی سلسلہ ہے
سہاں مقتول ہے اور کون قاتل

یہ کیا آغاز ہے اور کیا ہے انجام !
یہ تحفہ آپ نے اچھے دیئے ہیں !
ہیں جی آپ نے اچھی سزا دی
یہ طعنے کیا ہمارے ہی لئے تھے ؟
کیا وہ آپ کی خاطر ہی یکسر
ہمیں یک لخت برے مہر آئی
تھی بے مطلب ہماری جاں سپاری ؟
سبقت ہم کیوں اچھا ملا ہے !
کسے بتلائیں جب ہم خود ہیں بسل

(یہ ظرف کی ہے بات)

قیس

دوستی کیوں نہ عدو سے ہو جائے
دشمنی کیوں نہ اچانک کھو جائے

ہم ذرا اپنے کو سمجھیں چھوٹا ! !
 زاویہ اپنی نظر کا ہو وہی !
 کیوں ہم اپنا نہ بنائیں اسکو
 ہم کریں کیوں نہ کوئی اس کی دوا
 کسی درگاہ سے ہو گر راندہ !
 کیوں ڈریں اس سے کہ ہونگے ہوا

(سبیل بلا)

دورِ قمر میں دورِ شر تھا
 بکھرے پڑے تھے نالے فضا میں
 غصے کا عالم تیکھے سے ابرو
 سر قطع کر کے سب کو دکھاتا
 کچھ کٹ گئے تھے کچھ تن تھے سر پر
 طے ہو گیا ہو ختم اب لڑائی
 بس رات کی رات آرام لیں گے
 اک جنگِ نو کا پیغام لائی
 چاروں طرف سے آئے سپاہی
 تھا ہوش کس کو داں تن بدن کا
 اور خنوں سے کچھ لڑے تھے
 کچھ ٹھونکتے تھے سینوں پہ میخیں

چاہیے اسکی کیلئے ظرف بڑا
 چشمِ دشمن ہی سے دیکھیں تو ہسی
 ہم گلے کیوں نہ لگائیں اس کو
 ہوا اگر حال پریشاں اس کا
 وہ نظر آئے اگر در ماندہ
 ہات میں ہات نہ کیوں لیں اسکا
 نورین

اک معرکہ تھا اک شور و شر تھا
 شدت ہوئی تھی پیدا دغا میں
 پیکار دن تھا نوافل ہر اک سو
 جس سمت جاتا سر کاٹ لاتا
 بے حد جیالے تھے دو نو لشکر
 ڈھلنے لگا دن جب شام آئی
 زندہ رہے تو کل پھر لڑیں گے
 مشرق میں اٹھ کر جب صبح آئی
 جب صبح آئی چھائی سیاہی
 پھر سے ہوا اک ہنگامہ برپا
 اک دوسرے میں کچھ گتھ گتھ تھے
 کچھ لا رہے تھے کام اپنی تیغیں

ظلم و شقاوت کا سلسلہ تھا !
 بالکل برابر کی تھی رٹائی !
 جب ناصری کا اک پاؤں رپٹا
 چہرے سے اس کے نفرت عیاں تھی
 نوزل کا لشکر حاوی تھا اس پر
 بے حد کڑی تھی اس پر یہ ساعت
 باقی رہی تھی کچھ بھی نہ جرات
 کچھ اسکے چھٹکے چھوٹے ہوئے تھے !
 باقی رہا تھا تھوڑا بھی دم نا !
 آہی گیا تھا اک وقت نازک
 کام آنے ہی کو تھی دور بینی !
 اتنے میں اک فوج آئی ٹمک کو
 جو ناصری کو امداد لائی !
 پیغام نصرت ہمراہ لائی !
 غیبی مدد پر کر ڈالے سجدے
 نوزل کے دل پر حیر کا لگایا !
 نوزل کے قلعے مہار کمر کے
 نوزل کی فوجیں کر ڈالیں لپٹا
 جن کی تباہی میں منزلت تھی
 دشمن عرب ہی وہاں تھا عرب کا

امڈا ہوا اک سیل بلا تھا
 الجھا ہوا تھا بھائی سے بھائی
 کچھ دیر ہی میں پانسہ سا پلٹ
 تقدیر نوزل پر مہربان تھی
 تھا ناصری کا لشکر نگوں سر
 تھی ناصری پر بے شک مصیبت
 ہر شخص اس کا تھا پست ہمت
 کچھ حوصلے بھی ٹوٹے ہوئے تھے
 مشکل ہوا تھا پاؤں کا جمن
 ہر چال الٹی ہر داؤ بے ٹک
 جب فوج نوزل کی تھی یقینی
 کہنے ہی کو تھا ہتھیار رکھ دو
 تھی اک ٹمک جو از غیب آئی
 جیسے ہی تازہ دم فوج آئی
 دیکھا ٹمک کو جب ناصری نے
 پس ناصری نے نعرہ لگایا
 چاروں طرف سے یلغار کمر کے
 کر کے یکایک شدت کا حملہ
 موجود اس جا تھے اک میا بنی
 دیکھا انھوں نے نقشہ غضب کا

پہلے وہ پہونچے نوفل کے لشکر
نوفل کا از حد تھا حال خستہ
تھا تیسرگی ہی جس کا مقدر
تھا خود گمستہ اور دل شکستہ

میا بچی (سفیر امن)

ہا میں نہ ہمت اے میرے بھائی
ہے مصلحت ہی میرا اشارہ
جڑ صلح کو چارہ نہیں ہے
اس کے سوا اب رستہ نہیں ہے
ہے میرے پاس اک اچھی دوائی
جنگ و جدل سے کر لیں کنارہ

نورین (صلح ہوئی)

نوفل کا سر تھا خم ان کے آگے
نوفل سے لیکر وعدہ میا بچی
اور آشتی کا پیغام دے کر
لوٹے میا بچی خیمے کو اپنے
جب صلح آئی دل ہو گئے صاف
باقی تھے لیکن کچھ چاک سلنے
سب کچھ سنا پر کچھ بھی نہ بولے
پہونچے وہ خدمت میں ناصری کی
ساری فضا کو کر کے معطر
صلح و سکون کے سماں بنا کے
جشن مسرت تھا قاف تا قاف
نوفل چلا اب مجنوں سے ملنے!

نوفل (شرم)

السلام اے قیسی عام السلام
میں دہی ہوں یعنی نوفل جس کا نام
مجھ پہ ہے اک عالم شر مندگی
آپ سے آنکھیں ملا سکتا نہیں
البتہ ہے آپ سے کر دیں معاف
میں یہاں ہوں ہاتھ خالی ہے مرا
آپ کو میرا سلام واحترام
مجھ پہ ہے آرام و آسائش حرام
اور اک الزام ہے یہ زندگی!
آپ کو صورت دکھا سکتا نہیں!
میرا وعدہ تھا فقط لاف و گراف
حیف لیلیٰ کو نہیں میں لا سکا

قیس

(پھر ہے وہی خارزار)

پھر وہی تنہائیاں دکھ کے وہی سلسلے
 پھر ہے وہی خارزار پھر میں وہی آبلے
 پھر میں وہی مشکیں پھر میں وہی مسئلے
 پھر وہی تاکید ضبط دل کے وہی دلولے
 جھکو نہیں علم کچھ مجھ کو نہیں کچھ پتا
 میں تھا بہت پر امید و مجھ مل جائیگا
 غم میں شرابور ہوں کیا ہوا کیسے ہوا
 اور بڑھ گا مرض، اک مرض لا دوا
 دل کا وہی مدعا دل کا وہی آسرا

نوفل

(گرتے ہیں شہسوار ہی)

مجھ کو بہت ہے انوس اس کا
 اس جنگ کی تھی تنظیم ایسی
 جو بھی سپاہی تھے ساتھ میرے
 پس میرے آگے اک مسئلہ تھا
 تعداد میں کم میرے جوان تھے
 کم تھے جوان یہ تھی جنگ جاری
 دل میں تھی برپا بے نام ہلچل
 جیسے ہو ممکن مقصد کو پاؤں

جو مدعا تھا وہ مل نہ پایا
 آئے کمک تو ہو کامیابی !
 علم الحرب سے واقف وہ کم تھے
 کم میرے تھا، کم مہینہ تھا
 سب مر چکے تھے باقی کہاں تھے !
 بازی لگی تھی بہت نہ ہاری
 مجھ کو یہی تھی الجھن مسلسل
 دشمن کو اپنے نیچا دکھاؤں

اس جنگ میں بس خونریزیاں تھیں سر اڑ رہے تھے چنگیزیاں تھیں
گوجان و دل کی باندی لگی تھی لیکن تھی قسمت ناکامیاں
اک شعر نے دی دل کو تسلی ہر طرح میری ہمت بندھائی

بیت

مگرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا کرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے!

قیس

(تم نے تو کہا تھا)

تپتا ہوا صحرا بھی ہے وہی اور آگ ہے دہکی
اے زلفِ جگہ عطر آگینے کی ہے خوشبو پھیلی ہوئی
وہ سرد چین جس کے آگے ہر شمشادِ گلشن ہے نگوں
جکو نہیں اک پل چین کہیں ہم جکو کہیں درِ غلط
اب کئے ہو کیا لاکھ ہو؟ کیوں خالی ہاں ہی آئے ہو؟
آ کر یہ بتاتے ہو ہم سے وہ چاند نہیں مل سکتا ہے
اک ایسا نغمہ جو دل کے تانوں کو کبھی بھی چھیر نہ پائے

تم نے کہا تھا دم لے لو خنکی چین لے آؤ گے!
دعہ تو کیا تھا تم نے وہی آہِ خن لے آؤ گے
تم نے ہی ہیں بتلایا تھا وہ نازِ چین لے آؤ گے
تم کہتے تھے اک دروہی سیما بے بدن لے آؤ گے
کیا فائدہ ایسے آنے سے آتے ہی نہیں تو اچھا تھا
دل تڑپانے والی یہ خبر لاتے ہی نہیں تو اچھا تھا
اس محفل میں تم وہ نغمہ گاتے ہی نہیں تو اچھا تھا

تم جکو عمل میں لاندہ کے جکو تم پوری کر نہ سکے
تم اک ایسی سوگند اگر کھاتے ہی نہیں تو اچھا تھا

(فیصلہ کر کے ہی آنا چاہیے)

نوفل

بات کو دل میں نہ رکھنا چاہیے جو بھی ہو محسوس کہنا چاہیے
پشت سے دشمن کی آنا تھا ہمیں دھیان میں اب اسکو رکھنا چاہیے

اپنے ہی کھلے پہ مارا چاہیے!!
 فوج کو اپنی سیارا چاہیے!
 ایک چند اہل بھی رکھنا چاہیے!!
 اک یہی ارماں نکالا - چاہیے!
 چال ہی سے مات دینا چاہیے!!
 مورچہ سر کر کے آنا چاہیے!
 فیصلہ کر کے ہی آنا چاہیے!!
 عہد کو پورا ہی کرنا چاہیے!

یاد آئے جو بھی مُتکا بعدِ جنگ
 لائیں گے اب ہم تک بغداد سے
 ساتھ میں اپنے ہر اہل کے ضرور
 ناصری کی ناک کو گھسوائیں گے
 چال اب ایسی چلیں گے شہ پر سے
 سرکٹیں گے گرم ہوگا معرکہ
 چاہیے کچھ بھی ہو ادھر ہو یا ادھر
 آپ کے محبوب کو لے آئیں گے

داستان گو

جرچا تھا نگر میں اور بن میں
 اک آگ لگی تھی تن بدن میں
 اک درس سکھائیں ناصری کو
 بغداد سے ایک ٹکڑی آئی
 آخر کو یہی صلاح ٹھہری
 جس سے کہ ہو کیفیت دگرگوں
 تھی وہ شب و روز ہی پریشاں
 سینہ تھا غمِ دالم سے بریاں
 اک سوچ میں غرق رہتی اکشر

نوفل نے سپرد کھی تھی رن میں
 باقی تھی سپہ کی جان تن - میں
 خواہش تھی یہ کہ جنگ پھر ہو
 اطراف سے کی سپہ اکٹھی
 امداد کئی ذرائع سے لی
 دشمن کی سپاہ پر ہو شبِ خون
 لیلی تھی عناد سے ہراساں
 تھی قمیص کے بھر میں وہ گریاں
 اتن جنگ کا وہ اثر تھا دل پر

لیلیٰ

(تم بہت دور ہو)

سایہ تاک میں آسودہ ہواؤں کا خسار
اپنے ہی آپ سے لیکن میں بہت ہوں بیزار
ہمیں یہ جگنو کہ گلستاں میں شرر ہیں رقصاں
شعلہ رو شعلہ جبیں شعلہ نظر شعلہ بدن
کنج میں لیٹی ہوئی چاند کی اک ننھی کرن
ویسے سب ٹھیک ہے پر دل ہی بہت غمگین ہے

آسمانوں میں یہ خوابیدہ سے ماہ و انجم
کاش اس وقت تو موجود یہاں ہو تم
اور ہر شے کو جھلٹے ہوئے یہ احساس
دیکھ پائیں نہ جنھیں ان کو دکھاؤں گے
تم بہت دور ہو میں پاس میں آؤں گے؟
سوچتی ہوں کہ یہی سوچ بہر عنوان ہے!

بعد مدت کے میں آئی ہوں چین میں اس بار
گلستاں کی یہ حمیں شام یہ خوشبو کی پھوار
صحن گلشن کے یہ اشجار یہ سایہ سماں
ہر طرف ہنکے ہوئے لالہ و نسرین دامن
دہکا دہکا سا خنک آہنچے سے جن کی گلشن
دے سکوں سب کو گلستاں کا یہی آئیں ہے
چاندنی سبزہ نورستہ کی آغوش میں گم
ہاتھ میں بادہ گاروں کے صراحی ادھیم
رت یہ بھیگی ہوئی جاگے ہوئے دل میں جذبا
دل کے جلتے ہوئے زخموں کو چھپاؤں گے
جن کو میں لالہ نہ سکوں ان کو میں لاؤں گے
زندگانی کا اگر آج کوئی سماں ہے

داستان گو

دل پر تھی محیط اک ادا سی
لیکن تھی رجائیت ذرا سی
لیلیٰ کے لئے دعائیں کرتا!

لیلیٰ یہ عیاں تھی - بد حواسی
اور قیس کی روح بھی تھی پیاسی
روتا تھا بہت اور آہ بھرتا

(افق سے تا بہ افق)

قیس

یہ خشک ریت کا طوفاں یہ آندھیل کا فشار
تباہیوں کی فلک سے زمیں پہ یہ یلغار

افق سے تا بہ افق ظلمتوں کی یورش سی
یہ آفتوں کی فضاؤں سے ظلمت انسانی

سیاہیوں کے گھنیرے حصار میں لے دست
 ہر اک سمت یہاں کس قدر اندھیرا ہے
 ہے یا آج بھی مجھ کو وہ ساعت پر نور
 دہک اٹھے اُجالے، چمک اٹھی تھی نضاً
 نہ جانے مجھ کو یہ کس سرزمین پہ لے آیا
 یہ کس گنہ کی سزا مجھ کو مل رہی ہے یہاں
 خبر بھی ہے کہ بچھڑ کر تری نضاؤں سے
 ترے گلؤں کی خنک چھاؤں سے جدا ہو کر
 زمانہ مجھ کو ترے در سے دور لے آیا
 غم زمانہ اٹھانے کے باوجود بھی دل
 الم نصیب، غریب الیاء تیرے حضور
 یہ تشنہ لب کہیں لب تشنہ ہی نہ رہ جائے
 مری دعا ہے کہ تجھ کو ہو عمر خضر عطا
 گل و سمن ہوں سدا تیری ہم عنانی میں
 زمانے بھر کی ہوں خوشیاں نصیب تیرے
 شرابِ حُسن سے خالی تر ایاغ نہ ہو
 ترے جمال پہ نازاں ہوں زہرہ وناہید
 ترے جلو میں چلیں قافلے بہاؤں کے
 جو تو چلے تو تری راہ میں ستاروں کا

چراغ بجھتے ہیں انوار ڈوبے جلتے ہیں
 طلوعِ صبح کے آثار ڈوبے جاتے ہیں
 شعلہ مہرنے جب آئینہ اٹھایا تھا
 ہماری زینت کا ایوان جگمگایا تھا
 مصیبتوں کا یہ سیلاب تیرے شہر سے دور
 کوئی بتائے مجھ کیا کیل ہے میں نے قصور
 مری حیات بلا آشنا پہ کیا - گذری
 مرے چمن تری بادِ صبا پہ کیا گذری
 مگر تجھے وہ کبھی مجھ سے دور کر نہ سکا!
 ترے خیال سے غافل کبھی نہیں رہتا!
 بہت ہی دور سے لایا ہے دل کا نذرانہ
 خدا کرے نہ لے کے آج دورِ پیمانہ
 اور اس حیات کا ہر لمحہ شادماں گذرے
 مگر خدا نہ کرے کوئی پھول تجھ کو ڈسے
 غموں کی آگ سے تجھ کو خدا بچائے لکھے
 ترے نشاط کی محفلِ خدا بنائے لکھے
 ترے دیار پہ ہوں مہر و ماہ سر بسجود
 ترے وجود کے دم سے ہو نکمہتوں کا وجود
 بہ اہتمام سپہرِ کبود فرش بچھائے

ترا شباب بہاروں کو آئینہ دکھلائے
زباں کو جسے اثر ایسا مری دعا ہو قبول
فرزِ عرش سے تجھ پر ہو برکتوں کا نزول

ترے جمال کو کجلا سکے نہ وقت کی دھوپ
دعا یہ ہے کہ خداوندِ آسمان و زمیں
ہمیشہ تیری نگہبازاں ہو رحمتِ یزداں
داستان گو

آیا بہ مصاف گاہِ اوّل
دشمن ہوا اس کا کور، احوال
تھا تلّہ بوقیس ریزاں
جو خود تھا میانِ ہست اور بود
وہ خود سے ہی کہہ رہا تھا معبود
گذری تھی جو روداد لکھی

پھر لے کے سپاہ اپنی نوافل
تھا زورِ غضب کا اور کس بل
تھا وہ اثرِ مصاف خیزاں
نورین تھا اس جگہ بھی موجود
تھی راہِ فرا سب کی ممدود
جنگ ایسی کوئی سنی نہ دیکھی

(مقتل میں)

نورین

وہ بولے جس کے منہ میں زباں ہو
جو کچھ بھی بیٹی ہو وہ سنا لے
میں بھی کروں کچھ لکھنے کی کوشش
کھلا وہ پرچمِ جنگ اور بجا وہ نغادہ
مُرادیں اپنے دلوں کی سپاہ نے پالیں
یہ وہ غبار ہے جس سے بچنے کو نہ کاہ
کہ آدمی یہ یہاں زندگی ہے اک الزام
یہ اہتمام سہاں کوئی سیکھ پاتا ہے!

اس جنگ کا کیا نقشہ بیاں ہو
جو ہو مورخ یا وہ بستائے
میں بھی ہوں شاہد میری ہے خواہش
جب آسماں پہ چمک اٹھا صبح کا تارہ
مجاہدوں نے صفیں اپنی راست کر ڈالیں
زخاک تابہ ثریا ہے اک غبارِ سیاہ
بادِ شہر میں ہر سو مچا ہے اک کہرام
ایک گام پہ اک اہرمن کا سایہ ہے

اسی لہو سے تو ابلیس کر رہا ہے وضو
 نہیں ہے سب کھیلے ممکن اسکی انگیزی
 چھری سے ذرا کریں آدمی کو وہ جلا
 جو ہوں لہو سے نہانے کے بعد آسو وہ
 نجانے کتنے میں انساں کے بھیش میں تو خوار
 نجانے کتنے ہی عیسیٰ ہیں اور صلیب و دار
 کسی نے جنگ میں جب کہہ دیا کہ "وہ مارا"
 گلشن کا مزاج آج تو ناساز بہت ہے
 سناٹے کی گونجی ہوئی آواز بہت ہے
 ہر شمر کو اس تیغ کی آواز بہت ہے
 وہ سر جو گرے کٹ کے سرافراز بہت ہے
 کمزور بھی ہو کر تو وہ آواز بہت ہے
 رواں ہے جوئے خوں ہے چاک داناں
 فلک ناہر یاں سلہے زمیں پر
 خیالوں تک کو جھلٹاتا ہے سورج
 یہاں ہر موج موج تو خچکاں ہے
 الم کی بے صدا سی آہٹیں ہیں !
 یہاں بے آگ ہی چنگاریاں ہیں
 بدستِ موت ہے جو زندگی ہے

حریمِ دشت میں بہتا ہے آدمی کا لہو
 یہ دشت دھوپ میں جکی ہے تیغ کی تیزی
 پناہ مانگتے ہوں جن سے ظلم و استبداد
 دلوں میں کینہ نہی جن کی زہر آلودہ
 بچانے کتنے ہی سینے خدنگ سے ہیں نگار
 نہ ہو سیکانہ ہو گا کبھی یہ ختم آزار
 ہر اک نگاہ میں کیا خوب ہے وہ نظارا
 پھولوں کو تقاہت ہے تو کلیاں بھی ہیں بیکار
 اس دشت کو لچپل نہیں درکار کہ اسکو
 میدان میں شبیر کی خاطر جو اٹھی ہو
 ملعون ہے جھک جگا جو سرخوفِ عدو سے
 جو حق و صداقت کی حمایت میں اٹھی ہو
 جہان کس پرستی ہے یہ میدان
 بیاباں میں نہ بے سایہ کہیں پر
 افق سے آگ برساتا ہے سورج
 سراپوں کا یہ بحرِ سیراں ہے
 شرار و برق میں کچھ چشمیں ہیں
 یہاں پر بس بھری دلہاریاں ہیں
 شرارے ہیں طیش ہے تشنگی ہے

تدارک بے قراری کا نہیں ہے !
 بغیضِ غم لبوں پر آہنی ہے
 نضا میں حسرتیں ہیں بے کسی ہے
 کدھر ہے بازوئے قتال کہاں ہے ؟
 لگے اسکو ہی جس کے تن ہے لاگے
 یہ موقع ہے کوئی تو آزمائے
 جنہیں ہے اپنی شہزوری کا پندار
 یہ ہر سو دھوپ کی آئینہ بندی
 حرارت ہی حرارت ہے ہوا میں
 ادھر ہے کاروبارِ غم میں شدت
 یہاں ماتم ہے اور حشر بپا ہے
 قیامت سے ہی پہلے روزِ محشر
 خرد کا نام محسرا میں جنوں ہے !
 یہ وہ مقتل ہے جہیں زندگی ہے
 مٹانے اپنی ہستی صف بہ صف یہی
 فنا کے گھاٹ اترتے ہیں جیلے
 ادھر رہ گئے سب کے سینے
 کوئی ہے اپنے دشمن کو پچھاڑے
 طبعیت موت کی ہے اس پہ مائل !

سکونِ دل یہاں حرفِ غلط ہے
 فغان و اشک کی محفل سچی ہے
 وہ چٹیل دھوپ کی اس شفقتی ہے
 تمت اس فرودشی کی جواں ہے
 عجب اک منظرِ خونیں ہے آگے
 ہتھیلی پر لئے ہیں سر جیلے
 ستیزہ کار ہیں میدان میں احرار
 یہ سورج اور یہ اس کی خود پسندی
 یہ گو کی دست اندازیِ نضا میں
 ادھر بڑھتی چلی ہے تو کی حدت
 جی اک مجلسِ آہ دُبکا ہے
 تمنائیں یہاں ہے خاک بر سر
 تباہی جنگ میں ہے کشت و خون ہے
 یہاں پر قتل ہے غارت گری ہے
 مجاہد اور بہادر سر بکھت ہیں
 بس آنکھیں موت کی آنکھوں میں ڈالے
 ادھر کوئی گرا ابلق سے اپنے
 کوئی مانسہ فیغم ہے دھاڑے
 تڑپت گھاؤ سے ہے ایک گھائل

نہیں ہے نکر اس کو زندگی کی
 لبوں پر بے وفا محبوب کا ذکر
 پسینہ پونچھتے اپنی جبیں سے،
 فغاں کی طرح نوکس نے یہ زیر آسمان رکھی
 یہ کس سورج کی چنگاری قریب آشیان رکھی
 ہتھیلی پر کسی نے جان اپنی بے گمان رکھی
 کسی قاتل نے اس پر تیغ سی آرام جاں رکھی
 کسی نے ایک بیک دشمن کے سینے پر سناں رکھی
 فنا کے سامنے اس طرح اس نے اپنی جاں رکھی
 کسی سے کوئی بولا ہمارے کیسی شے کہاں رکھی
 کسی نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھی
 شمشیرِ عباد کی مددانی تھی بہت
 ارزاں ہو سکی دشمن جانی تھی بہت
 اس دشتِ بستم کی خاک چھانی تھی بہت
 دیگر و غمیں سرائے فانی تھی بہت
 ہونٹوں پہ سجھی کے یہ کہانی تھی بہت
 ہر ایک طبعیت پہ گرائی تھی بہت !
 پلہ ہوا تھا نوحل کا بھاری !
 نہ ناکا میابی کا اس کو غم تھا ۔

پڑا ہے خاک پر اک اور زخمی
 اگر ہے فکر کچھ تو بس یہ فکر
 نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
 اُمڈتی جو تبارِ اشک آنکھوں میں نہاں رکھی
 کسی نے چار تنکے ہی جلا کر خاک کرنے کو
 کسی نے بے خطر ہی تیر کھائے اپنے سینے پر
 کسی بسمل نے گردن پیش کر دی قتل کی خاطر
 کسی نے ایک حملے میں مقابل کے کئے پرزے
 گراا شہبے کوئی صف شکن میں ایک لمحے
 کوئی تلوار جب پہنچی گلے کے پاس اہمیت
 کسی جانناز نے خنجر پہ پلکوں سے کئے سجدے
 اس جنگ میں خوننا بہ فشان تھی بہت
 بس پیار کی اک جنس بہت ہنگی تھی
 پیرکار کے سب معرکہ آراؤں نے
 غارت گری و قتل کے ہنگامے سے
 دیکھی نہ سنی جنگ کسی نے ایسی
 اس جنگ سے ہر اک خفقانی سا تھا
 بس ایک پلہ تھا اسکا کاری
 تسلیم میں سر دشمن کا ختم تھا

سرسار اسکا ہر اک جوان تھکا
ہتھیار رکھ کر غوغاں تھے
آئی ہوئی سی ہونٹوں پہ جاں تھی
کام آنہ پایا کوئی بھی حیلہ
اپنی سپرادر شمشیر — رکھ کر
کرنیل تو کیا جرنیل آئے
ہم پر عنایت اللہ کیجئے

نوفل کا شکر اب کامراں تھا
باقی عدد کے جتنے جوان تھے
یکچھ بھی نہ ان میں تاب و توان تھی
تھا خاک بر سر میر قبیلہ
گردن جھکائے دشمن کے انسر
نوفل کے آگے کرنیل آئے
زیادہ تھی بس جاں بخش دیجئے
جرنیل

اب درگزر ہو چھوٹی سی خانی
کہلاؤ گے تم اپنوں کے قاتل!
ناحق نہ کوئی پھر چشم نم ہو۔

منظور ہم کو ہے اب غلامی
مگر جان لو گے کیا ہو گا حاصل
بہتر یہی ہے ہم پر کرم ہو

دے دیجئے اب ہم کو معافی
لیلیٰ کے والد بھی آن پہو نیچے
ان کے ستارے دُٹھے ہوئے تھے
اُس دم مگر تھے غمناک سید!
مجدوح تھے اور تھے دل شکستہ
خاموش رہتے کچھ بھی نہ کہتے!

نورین
سب افسردہ کی اک التجا تھی
اتنے میں اس جہاں دیکھا سبھی نے
بکھرے ہوئے تھے ٹوٹے ہوئے تھے
ویسے بہت تھے بے باک سید
کتنی شرمساری رخ پر — ہویدا
کب تک وہ یونہی خاموش رہتے

(دن شکستہ، دل سوختہ)

سید ناصری

مجھے اس کوئی غرض نہیں یہ بہا کیسی بہا ہے !!!
 مری زندگی ہے وہ زندگی نہ سکون ہے نہ قرار ہے !
 کہ چین کی مسند گل بھی میرے لئے تو بستر خار ہے !
 مرا تن شکستہ و سوختہ مری روح زار و نزار ہے !
 یہ خزان کا دوسرا دپ ہے جسے لوگ سمجھے بہا ہے !
 یہ تناؤ کیساتناؤ ہے یہ فشار کیساتناؤ ہے !
 وہی ایک اپنا طریقہ ہے وہی ایک اپنا شعار ہے !

نہ چین میں اڑتے شرار ہیں نہ نکلوں کے رخ پر نکھار ہے
 ہے سکھ بھی یاں قرار بھی کہ یہ اپنا اپنا نصیب ہے
 میں وہ پر شکستہ پرند ہوں کہ چین بھی جکوزہ راسخ
 نہیں بتا تب کوئی نہاں سبھی کچھ تو دینا ہے عیاں
 نہ تو گل میں ہے کوئی خوش نہ تو برگ گل میں ہے ناگ
 وہ سکوت ہے کہ کہیں صودہ صدا بھی آتی نہیں مگر
 وہی زندگی وہی ہاستے وہی سختیاں وہی معرکے

(لیلیٰ کو کرد حوالے)

نوفل

اور تم کو بڑی شکست دی ہے
 فرمایا تھا ہے ذلیل و کمتر
 جس نے کہ تجھے ہی عیش و آرام
 ثابت کیا جنگ میں ہے شاطر
 کیا پڑ گئے اب دہن پہ تالے !!
 و تا گردم ازین قبیلہ خوشنود
 ہاں فیصلہ تب کرے گی شمشیر
 فخر عرب و عجم چو سید
 لیلیٰ کو کرد حوالے مگر تم
 ہے نام لبوں پہ چشم تر ہے
 ہر سانس سے نہر بہی رہا ہے

پس جنگ تو ہم نے جیت لی ہے
 تھاتم کو بہت غرور خود پر
 نوفل جو ہے خاکسار کا نام
 اک یارِ ستم زدہ کی خاطر
 لیلیٰ کو کرد مرے حوالے
 دینا ہے اُسے بدیر یا زود
 دینے میں اگر کرو گے تاخیر
 تم عاقل و محترم ہو سید
 احسان کرو گے قیس پر تم
 صحرا میں وہ اس کا منتظر ہے
 لیلیٰ کے بغیر جی رہا ہے

دنیا سے سفر وہ کرنے چلے ڈر ہے کہ کہیں وہ مرنے جائے
کہتا تھا مجھے جو کہہ چکا ہوں • اب فیصلہ تم پہ چھوڑتا ہوں
سیدنا مری (گھاؤ گہرا زخم کاری)

مجھ کو اس بات کا سخت افسوس ہے رخ از حد ہے اور کمر ماری بھی ہے
بھرتے بھرتے ہی بھر پائیگا زخم جاں، گھاؤ گہرا بھی ہے زخم کاری بھی ہے
جو یہ کشتوں کے پُشتے لگے ہیں یہاں رخ اسکا ہے اس کی ہے شرمندگی
خون ان سب کامیری ہی گردن پہ ہے، اس میں میری بڑی ذمہ داری بھی ہے
کس طرح میں کہوں جانتا کچھ نہیں کون مانے گا ایسی لچر بات کو
بات دراصل یہ ہے کہ اس امر میں موت سے میری کچھ سا جھجھ داری بھی ہے
جو کہے تھے کبھی لفظ میں نے جناب آپ کی شان میں نامناسب تمام
یاد میں اس حماقت کے برتاؤ کی آنکھ سے جوئے شرم ایک جاری بھی ہے
نوفل (خود کلامی)

دگر بڑے مسکین اگر برداشتے!
تخم کنجشک از جہاں برداشتے،

سیدنا مری

باپ ہر کوئی بس چاہتا ہے یہی اس کی بیٹی شاد و آباد ہو
میری دختر ابھی تک ہے ناکتخدا رکھی دل پر یہ رسل ایک بھاری بھی ہے
آپ کا حکم تو میں بجا لاؤں لگا تیغ ہے آپ کی میری دیکھی - ہوئی
کھیل سکتا ہوں کیسے میں خود موت سے زندگی جبکہ حد درجہ پیاری بھی ہے

روسیہ مجھ کو اس جنگ نے کر دیا منتظر ہوں مگر میں کہ آئے ربیع
 تاکہ فرمان کی ہو بجب آوری جو طریق رہ جاں سپاری بھی ہے
 قبل اس کے کوئی حکم صادر کریں آپ سے ایک ادنیٰ گزارش کروں
 التجا ہے کریں عرض میری قبول اس میں شامل مری آہ وزاری بھی ہے
 مل گئی ہو گی آپ کو بھی خبر تیس عامر بیابان کے باب میں
 یعنی وہ اپنے آپے میں بالکل نہیں ایک دیوانگی اس پہ طاری بھی ہے !
 اس قدر نام اس کا شکستہ ہے اب کوئی اسکو زباں پر تو لاتا نہیں
 سرزنش اور تمسخر کا ہے وہ ہدف خشت اندازی اور سنگ بادی بھی ہے !
 فی المثل تیس و لیلیٰ کا رشتہ ہو طے مجھ کو بدنامی نام کا خوف ہے
 دیسے وعدہ کیا ہے بھاؤں گا میں کیونکہ اسکی مجھے پاسداری بھی ہے !

(خالی ہاتھ)

نوفل

ایک کرن پھوٹی تھی دل میں - آئے تھے لے کر امیدیں
 تیس سے ہم کہہ کر آئے تھے - لیلیٰ کو لے کر آئیں گے
 خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے - پورا ہم وعدہ کر دیں گے

سیدنا صری

تیس بدنام ہے دیوانہ ہے سحرائی ہے اسکو میں سو نہ دوں دختر مجھے منظور نہیں

نوفل

ہم کو اب لگتا ہے ایسا - مل نہ سیکے تیس کو لیلیٰ !
 جس کی خاطر جنگ ہوئی ہے - خلقت دن تنگ ہوئی ہے

گوہم بازی جیت گئے ہیں - اور اب گھر کو لوٹ رہے ہیں
 پھر بھی یہ احساس اپنا - کیا ہو مدد اقیس کے غم کا
 خوش دل ہو کر آپ جو کرتے - لیٹی کو مجنوں کے حوالے
 گر یہ تمنا پوری ہوتی - بات تو پھر کچھ اور ہی ہوتی
 زور زبردستی سے جیتا - ہر لمحہ بیکار ہی بیتا!!
 ظلم و ستم شیوہ نہیں اپنا - راضی خوشی کا ہے بس سودا
 آپ کا گردستور نہیں ہے - آپ کو گر منظور نہیں ہے
 جبر سے کوئی کام نہ لینگے - آپ کو اب تکلیف نہ دیں گے!
 وقت نہیں ایسے کھوتے ہیں - اچھا اب رخصت ہوتے ہیں!

داستان گو

کہہ کر وہ ہوا وہاں سے رخصت
 ویسے تو بہت تھی اکو فرست
 پس جلد ہی ہو گیا روانہ
 پہنچا وہ اُسی جگہ اُسی جا
 صحرائیں جہاں وہ بس رہا تھا
 اک سمت تو قیس تھا سوالی
 لی اُس نے نہ ایک پل کی مہلت
 پر اسکی طویل تھی مسافت!
 اور دیکھتا رہ گیا زمانہ
 جس جا کہ تھا قیس کا ٹھکانہ
 دیکھا وہیں قیس منتظر تھا!
 نزل کا ادھر تھا براخا

(سناتے کا دشت)

قیس

بھائی نوزل آؤ تھا میں منتظر
 کس لئے چپ چاپ اور خاموش ہو
 راہ نکلتا تھا یہاں شام و سحر
 فکرِ فردا ہے کہ محوِ دوش ہو

اب کے بھی تم ہاتھ خالی آئے ہو
 جس کی خاطر چھپانا ہوں خاکِ دشت
 لگ رہا ہے تم نے پھر لاری ہے جنگ
 میں ادھر ہوں مضطرب اور بے قرار
 آج بھی ہے زندگی میری عذاب
 تشنگی، آزر دگی، درد اور داغ
 ایک خاروں کا نگر ہے زندگی
 زندگی ہے ایک سناٹے کا دشت
 اب تک تو ہے مقدر بے کسی
 تلخ ہے اس زندگی کو شہد و شیر
 اک مسل جہدِ مطلب کچھ نہیں
 کشمکش، کوشش، کشاکش کس لئے
 رات دن ہی کیوں ہر آسانی دہے
 پچا ہی ہے میں سمجھ پایا نہیں

نوفل

غور میں نے بھی کیا ہے اکثر
 زندگی کیلئے کوئی کیا سمجھائے

قیس

یا کہ تم ہمراہ اس کو لائے ہو
 دشت کی خاک اور خس و خاشاکِ دشت!
 مورچوں پر اب بھی کیا جاری ہے جنگ؟
 روح بھی مجسروح اور تن بھی نگار
 زیست یعنی ایک دیوانے کا خواب
 ایک دشتِ کالا لاری بے چسراغ
 کور و بے شمس و قمر ہے زندگی
 فائدہ کا؟ جی نہیں گھاٹے کا دشت
 نیم جانی، رنج اور اندر گی!
 ایک دو کا ذکر کیا ہیں غم کشیر
 کچھ نہیں ہے زیست یا رب کچھ نہیں
 کس لئے، کس وجہ سے غش کس لئے
 زندگی مٹ جائے آسانی ہے
 زندگی کیا چیز ہے اور کیا نہیں!

ہے یہ اک مسئلہ بندہ پرور
 کیا نہیں ہے یہ کوئی کیا بتلائے

پھر بھی کوشش کرو نوفل بتاؤ ہے یہ کیا - زندگی کے باب میں حاصل ہے تم کو تجربہ

توفل

ویسے تو علم کی حد ہے محدود
(زندگی)

عرض کرتا ہوں جو کچھ ہے معلوم

بکھ بھی سکتا ہے چراغِ آفتاب
گردِ صحرا کا وہ، بیجانی شباب
سینہ دریا پہ وہ رقصِ حباب
وہ مسلسل لرزشِ تارِ رباب
بزم میں بس گردشِ جامِ شراب
شعشعہ کی نو کا دمامِ المہتاب !
بزمِ آرائی کبھی زیرِ حجاب
آشنائے معجزاتِ انقلاب
زندگی ہے کارِ واں درکارِ واں
باعثِ آرائش کون دمکاں
آپ خود لیتی ہے اپنا امتحان
ریشمِ دِ اطلسِ حریرِ دِ پرنیاں
زندگی کے جسم کے شایانِ شان
ہیں جہانِ زندگی کے بادباں !
فکرِ تخمینِ دُطن و دہمِ دگمیاں
مثلاً آذرِ خالقِ تازہ بتاں

ہونہیں سکتا جنوں کا سدِ باب
آندھیوں کے ساز پر ذروں کا رقص
عارضِ ساحل پہ بوسے موج کے
وہ مغنی کی نوا کا زیر و بم
خوش ادا ساقی کے دستِ ناز پر
وہ تینگوں سے ہم آغوشی کے وقت
ہے کبھی عریانیوں میں جلوہ گر
زندگی ہے ہر نفسِ پابرِ رکاب
جو شبِ رو کوہِ صحرائیں نہاں
زندگانی کے تراشیدہ نقوش
زندگی ہے آپ ہی اپنا عیار
زندگی کے تن پہ راس آتے نہیں
آہنی دستارِ فولادیِ تبا
ذوقِ دُشوقِ دُستی و جذبِ سرور
ظلمتوں کی راہ میں سب سب میل
زندگی تقلید سے ہے سرگراں

زہر بھی اسی کے لئے آبِ حیات
 کشمکش اس کے لئے دہرِ ثبات
 کافِ دونوں کا اک جہانِ ممکنات
 زندگی کی اک نگاہِ التفات
 حاملِ صد واردات و کیفیات
 زندگی تسخیری وقت و جہات
 آج بھی مضر ہیں کتنے حادثات
 رک کہاں سکتی ہے نبضِ کائنات

زندگانی کو ہر اک تلخیِ نبات
 زندگانی اک تگ و تازہِ مدام
 زندگی کے بال و پیر کی زد میں ہے
 خاک کو اکسیر کی تاشیر دے
 زندگی کا قلبِ مشعلِ جامِ جم
 زندگی پہ پائشِ ارض و سما
 ساڑھاں سال کے پردے تلے
 کٹ نہیں سکتی ہے زنجیرِ حیات

(آفریں)

قیس

آفریں ہو خوب بگھایا ہے کیا ہے زندگی
 اب سمجھ میں میری بھی آیا ہے کیا ہے زندگی
 یہ سمجھتے ہیں نقطہ مایا ہے کیا ہے - زندگی
 اک نیا میزان ہاتھ آیا ہے کیا ہے زندگی
 دیکھنے میں خاک کی کیا ہے کیا ہے زندگی
 اس پیش میں زلف کا سایہ ہے کیا ہے زندگی
 زاویہ اک سامنے آیا ہے کیا ہے زندگی

چند لفظوں ہی میں بتلایا ہے کیا ہے زندگی
 چند حرفوں ہی میں کستنی کام کی باتیں کہیں
 اسکو سمجھتے ہیں تھقیقت اہلِ غرب و اہلِ شرق
 تولنے کے اسکو پیمانے تھے میرے مختلف
 خاک سے اوپر ہی اٹھ کر اس نے پایا بدوام
 جب جھلس دے موسمِ گرما کی تپتی دوپہر
 چہرہ اسرار سے پردہ اٹھایا تم نے آج

برسرِ مطلب میں اب دل اگر
 دوں تمہاری کوششوں کی تم کو داد
 کس لئے لیکن یہ خوش خبری دی

میں سمجھتا ہوں نہیں کوئی خطر
 میں یہ چاہوں گا دلوں تم کو یاد
 تم نے نونلِ جگ شاید جیت لی

جانتا ہوں میں کرتی دامنہ ہو
 مجھ کو ہے یہ علم سدا ہی جوان
 میری خاطر اک لڑائی جو لڑی
 اس لڑائی میں جو لوگ لے ہیں کام
 کارنامہ پس یہ کیا ہے مثال
 ہاں تمہارا لفظ اب یاد آگئے
 ایش کچھ کرنے کو تم آمادہ ہو
 ہیں تمہارے اس زمین پر آسمان
 اک عظیم اشان قربانی ہے دی
 رہتی دنیا تک ہے گان کا نام
 بے مثال دبا کمال و لا زوال
 جو کچھ تھے جنگ پر جاتے ہوئے

(دور کی آواز)

سرکش کے گرم ہو گا معرکہ
 چاہے کچھ بھی ہو ادھر تو ادھر
 آپ کے محبوب کو لے آئیے
 مودہ سر کر کے آنا چاہیے
 فیصلہ کر کے ہی آنا چاہیے
 عہد کو پورا ہی کرنا چاہیے

بھائی نوحہ ہے کہاں محبوب تیس؟
 وہ مرا محبوب میری زندگی
 جس سے روشن میری راتیں میرے دن
 ہیں فقط جس کے ہر چہرے ہر طرف
 شہرہ آفاق ہے جس کا شباب
 گلی کہ ہے جکا رواں رنگ و بو
 دو تو کیا ہے آتش ہو جو کہ مے
 اک شرارہ، ایک شعلہ، ایک آگ
 ایک دعویٰ، ایک حیرت، اک ثبوت
 جو اذل کے دن سے ہے منسوب تیس
 روشنی میری، مری تابندگی
 جس کا سولہ کا ہے یا سترہ کا رتن
 اور باقی سارے چہرے ہر طرف
 دن کا سورج رات کا وہ ماہتاب
 جو کہ ہے سارے چمن کی آبرو
 کیا بتاؤں میں کہ وہ کیا چیز ہے!
 ایک نغمہ، ایک بربط، ایک راگ
 ایک لہجہ، اک خوشی، اک سکوت

نہ ہوں سیدنا مر کو ذرا کسی بھی گزند
 جھک گئی جلد ہی اور سجدہ شکرانہ کیا
 باپ کا سایہ رہا بیٹی کے سر پر تو اُم
 ہم تو لے آتے تھے لیٹی کو زبردستی سے
 سچ کہیں ہم تشدد ہمیں اچھا نہ لگا
 ہم کو اس بات کا بھی علم ہوا تھا اُس دن
 ہم کو افسوس ہے جو کچھ بھی کیا سید نے
 ہمارے پر بھی وہ تو رتھے کہ کیا عرض کروں

صرف اِس امر سے لیٹی تھی بہت ہی خرسند
 یعنی معبود حقیقی کا کیا شکر ادا !!
 دی دعا سب سے کس اُم ہے سایہ دائم !!
 خواہ اُس وقت ہمیں لوگ بُرا ہی کہتے !
 ادا لیٹی کا پدر جیسے رضا مند نہ تھا
 باپ کے حکم سے اک کرب میں تھی وہ کم سن
 چاہے والوں کو ملنے نہ دیا سید نے
 بات کرنے میں وہ نشر تھے کہ کیا عرض کروں

(مجھے منظور نہیں)

سیدنا مری

(دور کی آواز)

جی نہیں اس میں ذرا بھی نہیں مری
 قیس بدنام ہے دیوانہ ہے، صحرائے
 آج تک ایسا کوئی شہر نہ تو دیکھا نہ سنا
 رات تا ایک، خطرناک سفر، لیٹی کا
 جنگ میں کام ہی آج اُدوں مجھے ہے منظور
 میرا داماد بنے شاہ کا دیوانہ پسر
 میری بیٹی کے لئے ریت کے اِوان و محفل
 جس کی راہوں میں سدا پھول پھیں اس کیلئے
 ان دنوں ہم یہ مقدّر کا کرم کم تو نہیں

قیس، لیٹی کا ہوشوہر مجھے منظور نہیں
 سو نہ دوں ایسے کو دختر مجھے منظور نہیں
 ایسا شر، دادرِ محشر مجھے منظور نہیں
 ایک گمراہ ہو رہمبہر، مجھے منظور نہیں
 میرا سر میرا ہی خنجر، مجھے منظور نہیں
 یہ مرا بخت سکندر مجھے منظور نہیں
 یعنی صحرایہ کا یہ منظر، مجھے منظور نہیں
 خارزاروں کا ہو بستر مجھے منظور نہیں
 اور بھی حال ہوا بستر مجھے منظور نہیں

نام ہیں یوں تو ہزاروں ہی مگر جنوں کا ایک ہی نام ہوا زبر مجھے منظور نہیں
 سرری بیٹی کا ہر وقت سرفراز رہا میری بیٹی ہر گون سر مجھے منظور نہیں
قیس (جو ہوا سو ہوا)

شکریہ تم نے نوافل جو تکلیف کی زخم کٹے کھائے مصیبت تھی۔ آخری آس تھی وہ بھی جاتی ہی
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

اس غایت کرم کا بہت شکریہ۔ قربت دم بدم کا بہت شکریہ۔ غم کے میں حرام جم کا بہت شکریہ
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

ہم تو گھوم آئے ہیں میکا میکا۔ ایک جاں، ایک جگر بھر قسمت نہ تھا۔ ہے وہی عشق اور وہی مسد
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

رات ہے ابر ہے شمع خاموش ہے۔ ایک طوفان ہے چاند روپوش ہے۔ دوڑے ہیں دل میں کوئی خوش ہے
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

سامنے تیرہ دتار ابھرا ہے۔ اک بلانوش ہے اور تہی جام ہے۔ دور اس دل سے کٹا آہ ہے
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

گشت و خون کا ادھر گرم بازار تھا۔ اس طرف ہم تھے اور بسا یہ حرفِ عار۔ دل نے مانگا تھا جو وہ نہیں رکھا
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

دل کہ دیوانہ ہے دل کہ بھرائی ہے۔ یک سر اجسین کا مٹائی ہے۔ تشنگی اسکو سس دست میں لال ہے
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

کیسے دنیا ہے اور کیسے ہے غم کس نے کس کی سنی کون کس کا ہوا۔ نے خوا اس بیاباں میں دم گشت گیا
 بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

چہرے پہ تھی اس کے اک ندامت
سیر کمال سنبھالی اس نے
اب کیوں ہو مزید قیام اور قال
سن لیجئے کیا ہوا پھر اس سال
تھا دشت میں جیسے پیڑ تنہا
قیام

جشنِ گلِ جشنِ گلِ گلشنِ گلشن
گل بدن کون ہے وہ کون ہے مازِ چین
سامنے میرے وہی دشمن ایمان تو نہیں
جس کا رفا میں کیا خوشی میں اسرار
کون آیا کہ خصوصیت نہ علاوہ ہے کہیں
سائے آفاق میں جس شمع کا ہے شہرہ حسن
ہشک نے تیری فضاؤں کو کیا نکبت ہیر
یکچہ دلفراہی سے چین میں ہے اسیم دوبارہ
چشمِ قاتل کلبے پھر درخدا خیر کرے
اے خدا آئے بہت جلد ہی آئے وہ گھڑی
کیا وہ بن پائے گی چاہتا ہے جسے برسوں سے
ہم سے اس درجہ تکلف کی ضرورت کیا تھی
آپ نے یاد کیا حکم ہے سر آنکھوں پر
میں تو سمجھا تھا مگر کلبے اس در پہ سکوں

تھی نفس کے دل پہ ایک صرست
اشتبہ کی عنان سنبھالی اس نے
تسلی کے لئے بہت ہے احوال
جھوٹی ستم وسیلہ کا حال
بے برگ خوشی وہ کھڑا تھا
(گلشنِ گلشن)

ہم بھی اس رنگ میں کیوں رنگتے ہیں پیراں
کوئی بتلائے بھلا کون ہے وہ غنچہ دہن —
اک صنم دل میں چھپی جاتی ہے جکی چٹوں —
جس کی گفت و گو کا شہد ہے بے ساختہ پن
خدا اور آپلے میں آج نہیں ہے ان کا
ہاں وہی شوخ جو اس دشت میں بے ماریہ لگی
تو سلامت ہے سائے ناز آہیے سے خوش
اس سے پہلے تو نہ تھا اس کا بڑا چال چلند
اب نہیں کوئی کھڑا کوئی بھی نہیں ہے اس کا
میرے پتے ہوئے کسی کا واس
راست دل سے ہی تو کشش رہی ہے الجھن !!
ہم کھینچتے تھے یہی ہوتا دار و سن !!
آنسوؤں سے ہوا جاتا ہے مرا تر دامن !!
تو کب آکھیں جان اور مراد و نہ پنا

داستان گو

اُس رشت میں شہر سے بہت دور
 سینے میں رساں جگر میں سا طور
 فرخندہ گھڑی گریز پا تھی
 لیلیٰ کا خیال دل میں آتا
 کچھ بھی تو کسی سے کہہ نہ پاتا
 بس عمر گزر رہی تھی زوہنی
 اک صبح جب آفتاب نکلا
 غمناک صدا سے قیس جاگا
 اک دام بچھا ہوا تھا کچھ دور
 تھی صبح وہ صبح گیتی افروز
 منظر تھا مگر بہت ہی جاں سوز
 خون از تن آہواں رواں تھا
 جب قیس نے دور سے یہ دیکھا
 پہنچا وہ اسی جگہ اسی جا
 صیاد سے اس نے کی شفاعت

قیس

(کیوں؟)

کیوں ان پہ ستم کرتے ہو کیا تم کو ہوا ہے؟
 میں تم کو تو انساں نہیں کچھ اور کہوں گا
 اللہ کرو ان کو رہا قید ستم سے

تھا قیس سرشک دیزو ر بخور
 غمناک، الم نصیب، مجبور -
 کیسا تھا قصور کیا سزا تھی !
 تب سوچ کے اشک اور بہا تا
 کھلنے کے بجائے غم وہ کھاتا !
 ساعت تھی ہر ایک سو برس کی
 صحرا میں بکھر گیا تھا سونا !
 دیکھا تو عجب سا ماجرا تھا !
 تھے اس میں غزال چند حضور -
 وہ بھول گیا تھا رخ دیر وز !
 اور اس کے ہی ساتھ درس آموز
 ناقابل گفتنی سماں تھا
 دوڑائے ہوئے وہ اسپ پہنچا !
 تھا دام جہاں بچھا ہوا سا
 اس طرز سے جس میں تھی فراست

یہ ظلم ہے کس طرح کا یہ کیسی منزل ہے؟
 اک گرگ ستم پیشہ سے تشبیہ میں دو لگا
 مظلوم ہیں ان کے لئے تاوان لوہم ہے !

اللہ نے دی تم کو سماعت ہو تو سن لو
 جو بات لگے کام کی اُس بات کو چُن لو
 صحرا میں نموشی ہی غزالوں کا ہے گھنٹا
 کہتے ہیں یہ آنکھوں ہی سے جو کچھ بھی ہو گھنٹا!
غزال
 (داستانِ نموشی)

جس شخص نے پھنسنے میں حید کیا ہے
 اس طرح جو بے وجہ ستم ڈھایا ہے ہم پر
 اُس شخص کے سینے میں نہیں دل نظر آیا
 آزادی ہر حال ہر طور ہے پیاری
 سونے کے بھی میل جائیں تو کیا پہنیں سلاسل
 اس قید کا آثار ہمیں جس نے دیا ہے
 پھانسا ہے ہمیں مکر سے اس جال کے اندر
 اس طرح کیا قید تو کیا اُس نے ہے پایا
 آزادی پہ لیکن یہ لگی ضرور ہے کاری
 اس طرح کی زنجیر سے تو کچھ بھی نہیں حاصل
داستانِ گو

سنا دیا ہے بڈلی سے صیاد
 فریاد کہ داستانِ بیداد

صیاد
داستانِ گو

پس سوچ میں غرق ہو گیا تھا
 ہر نوں کو فسادِ غم سے تھا کب
 کچھ دیر وہاں وہ کھو گیا تھا
 اور قیسی یہ سوچتا تھا

قیسی

تو جھکو سجھا دے راستہ احب
 جھٹ جائیں یہ بے گنہ ہری

داستانِ گو کچھ دیر خوش رہا نہ بولا
 صیاد سے پھر ہوا وہ گویا

قیسی

(شکجے سے آزاد کر)

لے شکاری مری ہے یہی الجھا
 کر دے لٹا ان آہوؤں کو رہا

ایک سے بڑے کران میں سے ہے بہا
 شکستہ سیم ان غزالوں کا سینہ کہوں
 اس بیباک کو ان کا خرمینہ کہوں
 ان غزالوں کی آنکھیں میں بے حد ہیں
 ہے جبین ان کی دراصل ماہ میں
 اور میں اب تقاسیم سے پست و شکم
 حیف آج ان پر ٹوٹے کوہ ستم
 شکستہ ناب ایسی تہی کہ جب گزرتا ہوں
 کس قدر پاک ہے اندکستی ہے صاف
 دکھ خداوند قدوس کا دل میں ڈر
 دام کوئے کے اڑ جاتے سب سر بسر

صیاد (خانہانی منصوبہ بندی نہ کر سکتے کا المیہ)

بہتر تو یہی ہے کچھ نہ بولوں
 تشہیر کرے نہ اور میری — !
 اس پر مرا سر جھکا ہوا ہے !
 پیچھے ہے جو بات بولتا ہوں
 اسباب نہیں ہیں کچھ دکھی ہوں !
 اور میری کمانی کا وسیلہ —
 اس پر میری کمزورت العیالی —

ایک بھی ان میں ہرگز نہیں ہے بُرا
 ہر شے کو میں اب سینہ کہوں
 میں شامے کو ان کا پسینہ — کہوں
 جو بھی کہتا ہوں اس میں مجھے شک نہیں
 ان کی پلکیں بھی لاریب ہیں و نشیں
 کس قدر خوب صورت ہے گردن کا خم
 ان کی رفتار کی شوخیال دم بدم
 ناف حاصل ہو جس سے کہ شک ان کی ناف
 جسکی خوشبو کا شہر ہوتا ہے قاف
 آہوؤں کو شکنجے سے آزاد کرو
 آج ہوتے اگر ان غزالوں کے یہ

انگشت گشتہ درد ہوں — ہوں
 یہی مجھے خوف ہے، خموشی
 اے قیس جو آپ نے کہل ہے
 اس وجہ سے منہ کو کھولتا ہوں
 میں اب غریب آدمی ہوں
 دوزی کامری یہ ہیں ذلیل
 ہے جیب میری سوا سے خالی

اس درجہ ہوا ہوں خارِ لبال
پس جن کے بہت بڑے ہیں کنبے
سر پر نہیں ایک بال امال
دس کھائیں جو ایک ہی کمنائے
غصین ہیں وہ مری طرح سے
منصوبے سے کام جو میں لیتا
پرائک کسے کسے کھلائے؟
کنبہ ہوتا مرا جو — چھوٹا
اس طرح سے خود کو دکھ نہ دیتا
ہوتا نہ خسارہ اور نہ ٹوٹا۔

قیس (بے جان نہیں آہو)

جاں دار میں سب آہو، جرات ہو تو جھٹلا دو
جو زندہ ہیں پھر ان پر ظلم و ستم کیا
بے جان نہیں ہرگز، تم بھول گئے اس کو
اچھا ہو بہت اچھا گران کو رہا کر دو
ظالم نہ ہوا ہو گشتا بد کوئی تم جیسا
دانائی اسی میں ہے تم ان کی دھلے نو

صیاد (بازارِ بردہ فروشی)

بہتر تو یہی ہو گا اب اور نہ کچھ بولوں
ہے بات ہی کچھ ایسی خاموشی مناسب ہے
اس منہ نے دیے ہیں دکھ اس منہ کو نہ میں کھڑوں
کس کس کو بتائیں ہم کون بھوکتا ہے
دیں کس کو حساب اپنا یاں کون محاسب ہے
کس سے یہ بتائیں ہم ادب اور بڑی شے ہے
یاں کون بکھتا ہے کیوں جاں پہ بن آتی ہے
یہ بردہ فروشی کا بازار بڑی شے ہے
بازار سے ٹکرے طاقت ہے بھلا کس میں
ایک جاتا ہے اک پل میں یوسف ساحل میں

(شور)

وہ دیکھتے آتے ہیں کچھ لوگ کا جانب
ایک عرصہ ہوا خلقت بھوکے اور پیاسے
جن کی بیماری سے مایوس ہوا ہے طب
مخروج ہے ان کا تن بس اس درانی ہے

خلیقت (کلیخ اُمر کے در و دیوار ہلا دینے والی مخلوق)

ظلمت میں کتنی سدا ہم سے ہم آغوش ہیں
مضحکہ اپنا اڑاتے ہے کتنے غنچے
مہر و مہتاب ہے ہم سے گریزاں کتنے
اور زخموں پہ ہے پھول بھی خداں کتنے
آندھریوں اور بگلوں نے صدا دی ہم کو
مہرباں ہم پہ ہے خارِ مغیلاں کتنے
گرم غول ہم نے دیا فصل کی شادابی کو
کھیت اس پر بھی ہے تشنہ ویراں کتنے

(راضی برضا)

صیت

جو آپ کی فطرت ہے آزاد ہوں سب آہو
میں اس کی تہمت نہیں مل جائے
اور کھل کے فضاؤں میں بس سانس ہر پہلو
تا جو دستم ہم پر آکاش نہ پھر ڈھائے
فطرت میں قناعت ہے حدِ حدِ جہ ہے استغنا
مٹی ہے سرشت اپنی خاکِ بخدا ہم ہیں
کیا اور بتائیں ہم بس اتنا ہی کافی ہے
گستاخی اگر کی ہو تو پیشِ معافی ہے !

(نجات دہندہ غزالانِ دشت)

قفیس

نہ یہ باران ہے نہ یہ نخل
اور تو کچھ نہیں ہے میرے پاس
اک دیدہ قبا ہے میرا لباس
جو کئی معصروں کا غازی ہے
انگبارِ رخ اور بھی نکھر رہا ہے
اس سے ہر شہسوار ڈرتا ہے
چلتی قلوار ہے یہ تیز خرام
اسکی دم اسکا پشت اس کی ایال
یہ ہر اُڑن سے بات کرتا ہے
برقِ رفتار ہے یہ تیز خرام
اسکی دم اسکا پشت اس کی ایال

اس کے تیور اور اس کا جاہ و جلال
 اور کس اسپ کو میسر ہے
 دیکھو تو سن یہ اب تمہارا ہے
 میں ندی ہوں یہ اک کنارہ ہے
 زمین اس اسپ کی اور اس کی راس
 اب نہ کچھ اور ام مجھ سے کہو
 ہے یہ مٹکی گراں ہمالے کو
 تم کو سودا رہے گا پس سستا
 اس کا انداز اس کی دکنی چال!
 یہ تو اس اسپ ہی کے جو ہر ہیں!
 گو مجھے حد سے بڑھ کے پسند ہے
 ڈوبتی آس کا سہارا ہے!
 صرف ان کو رکھو گا اپنے پاس
 صرف اتنی سی میری بات سنو
 اور سارے ہرن مجھے دے دو
 اس سے بڑھ کر کہوں میں تم سے کیا

(شکر)

صیاد

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیسرا شکریہ!

اس عنایت اس کرم اور اس عطا کا شکریہ۔ اس نوازش اور اس جود و سخا کا شکریہ، شکریہ صدارتِ لطف بر ملا کا شکریہ

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیسرا شکریہ!

خوش بہت خوش ہونگے یہ شکر مرے اہل و عیال۔ ایک ہی طے میں ہم کو کر دیا ہے مالامال۔ دام سے آزاد کر دیتا ہوں غزال

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیسرا شکریہ!

بات یہ ہے زندہ ناچیز اس لائق نہ تھا۔ تو نے سکھلایا ہمیں انسانیت کا مدعا۔ یاد رکھو گھر کا ہر اک چھوٹا بڑا

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیسرا شکریہ!

داستان گو

جب قیس تو اسپ ہنسیا

صیاد غزال سارے لایا!

مرکب سے اتر کے نیچے آیا

اس بات نے اس کا دل دکھایا

کر کے انھیں قیس کے حوالے چلتا بنا اسپ کو بھلے
پس قیس نے دام کو کیا چاک تھے سارے ہرن بہت ہی غناک
دل میں تھا ہر اس سر پہ تھی خاک آزاد ہوئے تو سب تھے بے باک
تھان کی نگاہ میں تشکر تھی ایک ہی لئے اور ایک ہی سر
غزال (شکریہ)

اے شہ عاشقاں آپ کا شکریہ

ایک صیاد کے ہم تھے حلقہ بگوش تھا ہمارے لئے کوئی فردا نہ دوش
اور باقی نہ تھا تن بدن ٹکٹکا ہوئی سر دھتی آگ اور سر دھوش دوش
اب کبھی شمع کی طرح ہم تھے خاموش اے شہ عاشقاں آپ کا شکریہ
نکس و دہریاں آپ کا شکریہ

کوئی شے بھی غلامی میں بھاتی نہیں کوئی تدبیر تک کام آتی نہیں
اُس بھی کوئی رستہ بھاتی نہیں نا امید کی دیوار ڈھاتی نہیں
حریت رنگ اپنا جاتی نہیں اے شہ عاشقاں آپ کا شکریہ

محسن دہریاں آپ کا شکریہ!

ہو اسیری تو دن رات کچھ بھی نہیں اور اسیروں کے جذبات کچھ بھی نہیں
ہو وہ شے یا کہ ہر بات کچھ بھی نہیں زندگی ہو کہ سکرات کچھ بھی نہیں
قیدیوں کی مداراست کچھ بھی نہیں اے شہ عاشقاں آپ کا شکریہ!
محسن دہریاں آپ کا شکریہ!

قید میں ہوں تو گھٹتا ہے ذوقِ عمل قید دراصل ہے اک پیامِ اجل
قید کی داستان ایک طولِ اَصل ایک دیروز ہے آج ہے اور نہ کل
مرگِ احساس ہے جس کا ہر ایک پیل اے شہِ عاشقان آپ کا شکریہ
محسن دہرباں آپ کا شکریہ !

ایک ناچیز و بیکار شے ہے غلام کوئی حرکت ہے جس میں نہ کوئی قیام
جس کا کوئی لقب ہے نہ ہے کوئی نام جس پہ ہیں روزِ شبِ زندگی کے حرام
موت کی آرزو ہے فقط جس کا کام اے شہِ عاشقان آپ کا شکریہ !
محسن دہرباں آپ کا شکریہ !

آپ کی وجہ سے ہم ہوئے ہیں رمل ہر گرفتار کو آپ کا آسرا
مل گئی ہے ہمیں پھر کھلی سی فضا آپ کے پاس ہے ایک ایسی دوا
جس سے ہو جاتی ہے ہر مرض کو شفا اے شہِ عاشقان آپ کا شکریہ
محسن دہرباں آپ کا شکریہ !

ہم گرفتارِ صیاد آزاد ہیں سب غزالانِ دشت آج دلا دہیں
اس بیاباں میں ہم پھر سے آباد ہیں دامِ باقی ہیں اب اور نہ صیاد ہیں
اب نہ غرور دہیں اور نہ شہاد ہیں اے شہِ عاشقان آپ کا شکریہ
محسن دہرباں آپ کا شکریہ !

(بھول جاؤ بھلا دو)

قیس ہے تمہاری بڑائی ہی اے دوستو
مجھ کو جو دل سے بھائی ہے اے دوستو
تھایہ اک فرض جو میں نے پورا کیا بڑھ کے اس سے بتاؤ بھلا کیا کیا
بڑھ کے اس سے بتاؤ بھلا کیا کیا

تم بھی جاندار ہو میں بھی جاندار ہوں
میں کسی کا بھی غم دیکھ سکتا نہیں
نہ کہتے ہیں کچھ بھی امکان مند ہے
یہ کہ فرزند آدم ہوں انسان ہوں
رخِ جد سے زیادہ دیا تھا تمہیں
چاہتا ہوں نئے دن کا آغاز ہو
بھول جاؤ بھلا دو ہوا سو - ہوا
میں سدا ہی اعانت کو تیار ہوں
ہاتھ پر ہاتھ رکھے میں سکتا نہیں
ہو اسے کا سدا ایک ساعت میں ط
دوسرے کے لئے پریشیاں ہوں!
تھکاک بھائی نے ہی کیا تھا تمہیں
تم سمجھی پرسترت کا دربار ہو
دل سے مت بد دعا دو ہوا سو ہوا

غزالانِ دشت (یومِ آزادی کے موقع پر غزالانِ دشت کا نظم)

(کھوسہ) آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد

لے حرمِ نجد ہے تجھ سے ہمیں عز و جاہ
پھر سے ستر ہو اتیرا یہ آب و گیاہ
تیرے بیابان کے ذرے بھی ہیں مہر و ماہ
پھر سے ہوا استوار پیارا تیرا تیری چاہ
ہم میں غزالانِ دشت تیری محافظ سپاہ
پھر سے مقدر ہوئی تیرے کرم کی نگاہ

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد

عشقِ ترائے وطن ہو گا پھر اپنا شعار
جب بھی ضرورت ہوئی جان کریں گے نثار
دیکھ کر بستہ ہیں پھر سے ترے جاں سپار
تیرے شہیدوں سے ہے تیری زمیں لالہ زار
دل میں رہیگی سدا تیری لگن تیرا پیار
عہدیدہ کرتے ہیں پھر آج سے ہم استوار

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد

تیرا یہ جاہ و جلال اور یہ ترائے وطن
تیرا یہ اور یہ کمال اور یہ تیسرا مرتبہ
تیرا یہ حسن و جمال اور یہ ترائے دبدبہ!
آپ کا اگر تجھ پہ آئے یا ہو کوئی مرحلہ
ہم ہیں ترے میرہ ہم ہیں ترے میمنہ
سب کے لبوں پر رواں آئیگی زمزمہ

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد!

شام ہو یا صبح ہو اور وہ دن ہو کہ رات
ساتھ میں اللہ ہے ہاتھ میں بس اسکا ہات!
ہاتھ میں اس کا بات یعنی ہے اس رب کا بات
دے نہ سیکھا ہمیں کوئی عہد آج مات!
ذکر فقط اس کا ذکر بات فقط اسکی بات
دل سے ہیں ہیں عزیز اسکی صفا اور ذات!

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد!

تیس (دل بُرد از من دیروز شام)

نجد کی سرزیں ہو یا تانا
پاک ہے قلب پاک ہے نیت
دیکھ کر تم کو آ رہی ہے یاد
کس قدر دل فریب آنکھیں ہیں
دیکھ کر تم کو آ رہی ہے یاد
مجھ کو لیلیٰ کی یاد آتی ہے
دشت میں چو کر طی جو بھرتے ہو
دیکھتا ہوں جو شوخی رفتار
یاد آتی ہے دم بدم مجھ کو
یہ حسین خم تمہاری گردن کا
ہے یہ گردن کہ اک صراحی ہے
یاد آتی ہے گردن لیلیٰ
کیا کہیں کیا ہے تاب پیشانی
یہ تمہاری حسین جبیں کا چاند

ہے تمھی سے تو گرمی بازار
یہ تمہاری نفیس شخصیت!
دل پہ لیلیٰ کی چھا رہی ہے یاد
کس قدر دیدہ زیب آنکھیں ہیں
دل پہ لیلیٰ کی چھا رہی ہے یاد!
دل میں طوفان سا اٹھاتی ہے
میرے دل کو نہال کرتے ہو
جیسے شعلے سے ٹوٹا ہو شرار
میری لیلیٰ دعا ہے شاد رہو!
ساغر جسم تمہاری گردن کا!
اے مرے رب تری دُہائی ہے
دل دکھاتی ہے گردن لیلیٰ!
ایک دنیا بنی ہے دیوانی
چاند کی آب جس کے آگے ماند

یعنی لیلا مے مرجبیں کی یاد
دل کہ ہے اک کھلی ہوئی کسی کتاب
ہے یہ سینہ کہ آ بگینہ ہے
اُس دل آرام یعنی لیلا کی !
یاں نہ رکھو کہ ہے جگہ یہ کثیف
یا کچیلے نہ یاں پہ ہو جائیں
پاؤں کو دیکھ آ نکھ بھر آئی !

(تخاطب یہ تیس)

بجھو آتی ہے اس حسین کی یاد
اور چہرہ ہے رشکِ سیمِ ناب
لعلِ زبیا تمہارا سینہ ہے
دیکھ کر اسکو مجھ کو یاد آئی
تم کو رب نے دیئے تپائے لطیف
کہیں میلے نہ یاں پہ ہو جائیں
یادِ لیلا نے لی ہے انگڑائی

ایک غزال

آئینِ تستِ سینہ چو آئینہ داشتن

کفرست در شریعتِ تو کمینہ داشتن

پاکہتے ہیں ہم آپ کے جیسے نہیں دیکھ !
اک آپ کی رہِ راست ہے باقی تو ہیں گمراہ
رو کے سے کہیں عشق کا طوفان رُکے !
کچھ ایسے کہ تھا جن کے دماغوں میں خصل بھی
بے سُر ہی نے بے مال یہاں چھڑی ہے سرِ گم
ہے آپ کی بات اور حکایات ہی کچھ اور
جب آپ کا ہر شہر میں گونجے گا رانہ
ہو گا سرِ فرست ہی نام آپ کا سوار
تائم ہے دائم ہے یاں آپ کی عزت !

عشاق بہت دیکھ ہیں ایسے نہیں دیکھ
ہیں آپ ہی تسلیمِ محبت کے شہشاہ
اس بارگہ عشق پہ سر اپنا بھٹکے
عشاق یہاں آئے تھکل آئیگے کل بھی
عاشق کہ جو صادق ہوں یہاں آئیں میں کم
اس میں نہیں شک آپ کی ہے بات ہی کچھ اور
آئینِ گاہِ بہت جلد وہ آئے گا زمانہ
عشاق کی فہرست جو ہو گی کبھی تیار
اللہ دیکھ آپ کو صحرائیں سلامت

دوسرا غزال (دعا گو ہیں ہم)

مخلص جو نہ ہیں عشاق ان کی کھل جاتی ہے دوہری دن میں تسلی

سچوں کو خدا بنا کے رکھے
ہم سارے غزال ہیں دعا گو
قائم ہے دشت پر حکومت
محبوب سے آپ کو ملا دے !

محبوب کے ہجر میں تھا گریاں
فریاد کناں دراں بیاباں
اس دشت کی آن بان تھا قیس
ہر ذرہ دشت جمل رہا تھا
چہرے پہ اسے وہ مل رہا تھا
'دل خستہ شد از گزند آں خاں'
آشفته و دل فگار و ششدر
خاروں کا نصیب میں تھا بستر
تکیہ جو تھکا ریت کا تھا طیلا

میری بھی پلٹ گئی ہے کایا
مجھ کو بھی ملے کہیں تو سایا
ہر شے کو تجھس رہی ہے اک آپرخ

رہ رہ کے مٹو ستا تھا اک غنم !

جھوٹوں سے خدا بچائے رکھے
ممنون نہیں ہیں ایک یا دو
اللہ حضور کو دے ہمت
اللہ مراد کو دلا دے۔
داستان گو

تھا قیس کے لب پہ نام جاناں
'دقت از پس آہواں شتاباں'
خاروں سے ہلوہان تھا قیس
سورج آتش اگل رہا تھا
تن سے جو ہلو نکل رہا تھا
رُخ اس کے فسر و رغ سے تھا گلزار
تھا قیس دیدہ حال و مضطر
غم تلب میں جسم و جال میں اخگر
چادر کی جگہ تھی گردِ صحرا
سورج کی شعاع نے بتایا
شعاع

مجھ پر بھی سیاہ وقت آیا
فولاد، حدید، کانسہ اور کاپڑ
داستان گو

دن بھر تھا وہی طیش کا عالم

تھی آنکھ لہو سے اس کی پُر نہ
تابش سے بُرا تھا حالِ صحرا
یوں خود سے کیا نباہ اس نے
لی شب کی ردا سیاہ اس نے
تھارات تمام قیس بیکل۔
آنکھوں میں امڈ رہا تھا جل تھل!

و جب زارِ غِ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانہ مغرب میں چھپائے
اور صیادانِ سحر خیز دام بردوش آئے
تب وہ سیمرغِ زریں جناح مطلقاً بال
غیرت لل

تفسِ مشرق سے جلوہ افروز ہوا
یعنی شب گزری روز ہوا

لیتا رہا کر دٹوں پہ کر دٹ
لیٹی ہی کے نام کی تھی بس رٹ
آنکھوں کو ہتھیلیوں سے مٹ کر
جیسے ہی ردا سے شب ہوئی چاک
د آمد سحر از برونِ افلاک
کچھ ایسا سحر کا کرد فر تھا
پھیل ہوئی نور کی تھی چادر
ہر ذرہ دشت تھا منور

(رجب علی بیگ سرور)

دل میں تھا غموں کا ایک جھگٹ
جیسے ہی سنی سحر کی آہٹ
اُس غار سے قیس آیا باہر
ظلمت سے ذرا فضا ہوئی پاک
پہنے ہوئے اک سنہری پوشاک
اک تلخ طلاقِ زیبِ سر تھا
بکھرے ہوئے اداس کے تھے گوہر
تھا سامنے زر نگار منظر!

پر تو جو افق سے تا افق تھا
ہر ذرے کا حال تھا دگرگوں
کرزاں تھا زمیں پہ بیدِ جنوں
ظلمت کا نشان مٹ گیا تھا
لب پر لئے ایک ہی ترانہ
لیلیٰ ہی کا جس کا تھا دوانہ
اک دام جہاں بچھا ہوا تھا
گوزن تھی کہ جیسے کوئی جوگن
تھی ایک رسن میں اس کی گردن
اسکو کرے ذبح اور کھائے
اک غم کا پہاڑ اس پہ ٹوٹا
صیاد کا دام جس جگہ تھا
صیاد سے تھا جو پاس بیٹھا !!

اک حسن تھا دشتِ دور پہ چھایا
پھونکا جو سحر نے اپنا افسوں
جب شب پہ کیا سحر نے شبِ خون
تھا ایک ظلم سا سحر کا
اک سمت کو قیس ہوا دوانہ
قصہ وہی اور وہی فسانہ
ناگاہ وہ اک جگہ پہ پہونچا
تھی دام میں قید ایک گوزن
معصوم، خموش، پاک دامن
صیاد کے نیک تھے ارادے
جب قیس نے ماجرا یہ دیکھا
تاخیر نہ کی وہاں وہ پہونچا
فورا ہوا اس طرح وہ گویا

[مرگ براستبداد و پابجولانی
زندہ یاد استقلال و آزادی]

قیس

ایسا تم اور ایسی عداوت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
یائے مجبوروں کی حسرت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
جو پلے کی ایسی شہادت دیکھی ہم نے اور نہ سنی!
ایسی بیخبری ہوئی حرکت دیکھی ہم نے اور نہ سنی!

ایسا ظلم اور ایسی شقاوت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
کیوں ڈھلتے ہو کوہِ تم تم اک پاکیزہ ہستی پر
تم سے اک عیار کے ہاتھوں قتل اور اک معصوم کا قتل
نام مٹانے کو ہر دم اک بھولی بھالی ہستی کا

حشر سے پہلے ایسی قیامت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
معصوموں پر ایسی صعوبت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
انسانوں کی ایسی رذالت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
ایسی رذالت ایسی ذلالت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
ہجر میں اسکی ہے جو درگت دیکھی ہم نے اور نہ سنی

ہم سے تم اتنا ہی بناؤ ظلم کی حد بھی رہی نہیں
جتنے میں جاندار جہاں میں اُن شب ہے یہ معصوم
چو بایوں کی مجلس شورے کا ہے فیصلہ متفقہ
اک انسان ہوں میں بھی اگرچہ میری جہت رائے یہی
اُس گوزن کا جفت ہے ایسا جو ہے اسکا سوانی

اسکو لے صیاد رہا کر اور دعائیں لے اسکی
دام میں اسکی ہے جو حالت دیکھی ہم نے اور نہ سنی!

(الجبّار)

صیاد

آپ کی بات کا جناب سمجھا نہیں میں مدعا
مانگتے مجھ سے کیا ہیں آپ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کیا
اتنا بلیئے قصود مجھ کو ملے گا کیا صلہ؟
آپ کو قیس عامری اسے ملے گا کیا بھلا؟
اس کے بنا کر دنگا کیا جب کہ یہ ہے مری غذا
کھاؤ دنگا اسکو میں ضرور قید جو اسکو ہے کیا
میرا بڑا ہے خاندان اور عزیز و اقربا!
بچے ہیں کل ملا کے دس میں اک اور میری اہلیہ
عرض کر دنگا میں یہی ہو گئی مجھ سے بس خطا
آپ سے میری ہے جناب چھوٹی سی بس یہ التجا
ہے جو یہاں کا سلسلہ ہے جو یہاں کا قاعدہ

میں نے کیا ہے قید اسے میں ہی کروں اسے رہا
کتنی ہی کادشوں کے بعد میں نے کیا اسے اسیر
آپ نے جو بھی ہے کہہ مان لوں میں اسے اگر
آپ کے حکم پر اگر اسکو میں کر بھی دوں رہا
ہو گی یہ جس گھڑی رہا جائیگی اپنے گھر ضرور
ہے یہ مری خوش نہیں اُن مجھے ذرا بھی شک
ایک نہیں ہل میں یہاں مجھ پر ہیں ذمہ داریاں
پھر سے وہی کہو دنگا بات مجھ پر ہیں ذمہ داریاں
آپ کریں گے سرزنش کیوں نہیں کتبہ بندی کی
کہنا تھا جو بھی کہہ چکا اس سے زیادہ کیا کہوں
آپ بھی جلتے ہیں جو رسم ہے اس جہان کی

جب سے کہ کائنات سے تب سے یہ رسم ہے یہاں
 بات جو میں نے عرض کی یعنی مثال جو بھی دی
 اس کو نہیں کروں گا ذبح اور نہ اس کو کھادنگا
 جو بھی کرے کسی کو قتل دیتا ہے اس کا خون بہا
 اس سے ہے کچھ الگ مگر زیرِ نظر معا ملا
 اس کے عوض کریں اگر مجھ کو معا دضہ عطا

گوزن (ہر حال میں ختم گردن مخلوق)

گذر رہی ہے جو دل پر کہیں تو کس سے کہیں
 نہ صبح چین میسر نہ شام ہے آرام
 یہ دام تنگ، یہ بندش، یہ لوک ٹوک، یہ پھر
 یہ شعلہ زار، یہ آتش، یہ آہ، یہ جدت
 کھینچے کھینچے تھے ابرو، شکن شکن یہ جبین
 یہ اس کی آنکھ کہ جس میں ہے خون آرا ہوا
 یہ آدنی ہے کہاں یہ تو اک قصائی ہے
 یہ دشت جس میں پیتے ہیں مکر اور تزویر
 بنی ہے آنکھ سمندر کہیں تو کس سے کہیں!
 بہت ہی حال ہے ابتر کہیں تو کس سے کہیں
 ادائے جو رستم گر کہیں تو کس سے کہیں
 ستم طرازی صرصر کہیں تو کس سے کہیں!
 یہ اسکے ظلم کے تیر کہیں تو کس سے کہیں
 یہ اسکے ہاتھ میں خنجر کہیں تو کس سے کہیں!
 یہ فتنہ گر ہے پراز شر کہیں تو کس سے کہیں
 یہ دام اور یہ احقر کہیں تو کس سے کہیں

صیاد (انکارِ معیشت کا شکار)

میں ہوں اس پر بہت ہی شرمندہ
 عفو کا خواستگار ہوں اے گائے
 تاکہ تم جاؤ اپنے کنبے میں
 جانتا ہوں، تمہارے گھر والے
 دل بھر آیا ہے میرا بھی سن کر
 اپنے کنبے کو پا لے لے لے
 تم سمجھتی ہو مگر مجھے یاد
 چاہتا ہوں، سن کروں آزاد
 جس سے ہو جائے دل تمہارا شاد
 ہو گئے میری وجہ سے ناشاد
 یہ تمہاری الم سے پڑ فریاد!
 بن گیا ہوں میں پیشہ و صیاد

کیونکہ کرتا ہوں اس پہ میں بیداد
 خن کا اک گھر بہ رہگزار یاد
 مجھ کو ملتی نہیں کہیں پر داد!
 جھکو کہتے ہیں لوگ سب جواد
 میں نہ قصاب ہوں نہ ہوں جلا داد!
 میں نہ غمزد ہوں نہ ہوں شدا داد
 اپنے ہی شہر میں ہوں میں اربا داد
 جو کہ اس دور کے ہیں اک فریاد
 قیص کرتے ہیں جن کی ہر دم یاد
 مجھ کو انسانیت دلائی یاد
 تم سدا خوش رہو سدا آبا داد

(گوزنِ زیرِ دام)

اور جو بھوک دیا سنگ آج ہوئی ہے جالب
 تم نے کیلئے مٹا صاف آج معاوضہ طلب
 ہے یہ مقدمہ عجیب ہے یہ معاملہ عجیب
 تم ہو کوئی یزیدِ شاہ یا کوئی بولسب
 آج ہے غیر واجبی جشنِ دمرد اور طرب!
 اس کو ہلا پتہ ہے کیا ہے یہ ریح یا رجب
 اس کیلئے ایک سب ہو وہ عجم کہ ہو عرب

مجھ سے ہر جاندار نالاں ہے
 میری ہستی ہی کیلئے میں کیا ہوں
 کوئی کرتا نہیں مری تعریف
 ہے مرا آسرا اسی رب پر
 میں نہ ظالم ہوں اور نہ ہوں جاہل
 بخدا کا ایک عام انسان ہوں
 فکر دن رات ہے معیشت کی
 میں ہوں ممنون قیصِ عامر کا
 اور لیلیٰ کو میں کہوں شیریں
 شکر یہ شکر یہ انھوں نے آج
 ہے دعا اب یہ میرے ہونٹوں پر

قیص

ہے جو یہ قید و بند میں یعنی جو زیرِ دام ہے
 اس کی نالچ کے لئے اسکے سکون کے لئے
 سوچ رہا ہوں کس طرح تم کو میں معاوضہ
 ہے یہ غریب بے گنتہ جھکو کیلئے یوں اسیر
 خوش ہو کیا جو اس کو قید تم ہو بڑے ہی رویاہ
 اس کو یہ علم ہے کہاں ہوتے ہیں ماہ و سال بھی
 ایک چرند ہے کہ جو دہر سے بے نیاز ہے

دوب ہری ہری اسے جان سے بھی عزیز ہے
اسکی نظر میں خاک ہے سیٹ یا کہ ہو غنبد
اسکو پسند دل سے ہے امن و سکون دہشتی
اس پر کبھی بھی اٹھ نہ پائے کوئی نگاہ بے ادب
ایک دن تمہیں دینا پڑیگا سب حساب
تم نے ستم جو ڈھائے ہیں دشت میں اس پہ کبیب

صیاد (مفلس و بے درم)

نہ مفلس ہو تو انسان بدل نہیں سکتا
نہ مفلس ہو تو انسان کا نہ ہو نیلام
حسین کستنی ہو دنیا اگر نہ ہو غربت
حسین کستنی ہو دنیا اگر نہ ہو افلاس
فلک پہ چاند ستاروں کا نور بڑھ جائے
نہ غم ہو اور نہ کسی آنکھ سے ہو پٹکے
نہ مفلس ہو تو انسان خود پہ ظلم نہ ڈھائے
غریب ہوں مجھے اولاد بھی زیادہ ہے
انھیں غذا نہ کروں گر بہم تو کیا میں کروں
کہ بیوی بچوں کا تن ڈھانکنا ہے فرض مرا
تجے ہیں ان کی ہی خاطر تو عیش اور آرام
تجھی تو آپ سے چھوٹی سی اک گزارش کی
عطا ہو جو بھی کر دنگا اسے خوشی سے قبول

وہ روز اک نئے سانچے میں ڈھل نہیں سکتا
ہر ایک جام میں خنداں ہے مئے کلفام
حسین کستنی ہو گیتی اگر نہ ہو نکبت
حسین کستنی ہو ہر شے نہ ہو جو کوئی اداس
زمین پہ سرو قد دل کا غرور بڑھ جائے
نہ کوئی بھوکا ہو جگ میں نہ کوئی پیاسا ہے
کسی کے در پہ جبیں نیا نہ کو نہ جھکائے
میں ایک دس کا مگر میرا خا نوادہ ہے
انھیں کروں نہ میسر درم تو کیا میں کروں
کہ خاک ان کے لئے چھاننا ہے فرض مرا
انھیں کی وجہ سے سر لے لیا ہے ہر الزام
معادضے کا یہ معروضہ اور خواہش کی
حضور والا یہ تجویز ہے مری معقول!

قلیس

(زین اور راس)

زین ہے میرے اسپ اور ہے اک اُسی کی راس
میری یہی ہے جائداد اب تو یہی ہے میرے پاس
گوزن خستہ کے عوض اتنا ہی بے سکو لگا اب
دے بھی کو لگاتم کو میں اس سے زیادہ بے جا کب؟

صیاد

(ہرچہ از دوست)

شکر یہ آپ کی سخاوت کا
خواب میں بھی کبھی نہ سوچا تھا
اسپ شاہی کی راس اور یہ زین
ہونگی اک دن یہ میری ملکیت
شکر یہ آپ کے تلافی کا
خوش بہت لیکے راس ہوں سرکار
آپ نئے سن کے پس مرا احوال
زین مجھ کو پسند دل سے ہے
ہوگی آسان اب مری مشکل
بھوک ناتے سے اب ملے گی نجات
پیکس سے اب نہ آنکھ نم ہوگی
اب نہ انلا س ظلم ڈھائے گا
شادمانی بنی ہے میری دوست
دور ہو جائے گی یہ غم کی رات
کافرت دہر کچھ تو کم ہوگی
غم کا خورشید ڈوب جائے گا
دہرچہ از دوست می رسد نیکو ست!

شادان، سرور اور دشا

ناکر وہ گئے کو کر کے آزاد

داستان گو اٹھا اپنی جگہ سے صیاد

اب تھی نہ بھوں پہ کوئی فریاد

سامان اٹھائے اپنا سارا
 باقی نہ تھی آگ اور نہ شعلے
 ہونٹوں پہ تھے تیس کے ترانے
 اس وجہ سے کہ اک غریب کی جان
 صیاد ادھر ہوا ردانہ
 گوزن کے لبوں پہ تھا ترانہ
 گوزن کے قریب تیس پہونچا
 اس طرح ہوا تب اس سے گویا

(گوزن دلیلی)

تو اگر بے صدا بھی ہے تو کیا ہوا
 کیونکہ اللہ نے جاں تری بخش دی
 تو بھی مجبور ہے میں بھی مجبور ہوں
 اس جہاں میں سبھی کو یہ معلوم ہے
 ہے لبوں پر مرے اب یہی اک دعا
 تیرے نزدیک غم کوئی آنے نہ پائے
 ہر ادا تیری سب کو ہے دل سے پسند
 ہر رنگ تیری مجھ کو دلاتی ہے یاد
 اس طرح دار کی ہے جو جان حیا
 نام لیلیٰ ہے جس کا جو ہے شہر یار
 وقت آنے پہ تو تیز د طرار ہے
 شکر معبود کا کرتو گوزن ادا
 آج تجھ کو نئی زندگی مل گئی
 تو بھی مجبور ہے میں بھی مجبور ہوں
 تو ہے اک بے زباں ایک معصوم ہے
 ہے خدا سے مری اب یہی التجا
 لاکھ طوفان اٹھیں آج تجھ پر آئے
 چال تیری سلام ہے اور مند مند
 دیکھ کر تیری آنکھوں کو آتی ہے یاد
 آنکھڑیاں جس کی ہیں راز دان حیا
 در بادوں حسیناؤں کی تاجدار
 ہے سبک سیر اور برق رفتار ہے

فرق تجھ کو نہیں ہو وہ فردا کہ دوش
نا پسند اس کو دل سے ہے شور اور خروش
نجد کے آسمان کی تو برجیں ہے
ہے یہ وہ سچ مجھ جس میں کچھ شک نہیں
چاند کی طرح سے دربا، دلنشیں
چاند پر داغ ہے اس کے رخ پر نہیں
روز و شب تجھ کو آسائش ہوں عطا

تو ہے سنجیدہ و بردبار و خموش
ہے تری طرح ہی میری لیلیٰ خموش
تجھ میں پاکیزگی اور تقدیس ہے
تو بہت خوبصورت ہے بے حد حسین
میری لیلیٰ بھی ہے با حیا نازنین
ہے وہ دراصل بہت اب سے بھی حسین
ہے خداوندِ قدوس سے اب دعا

داستان گو

تھا حرفِ دعا لبوں پہ اس کے
صحرا میں چمک اٹھے تھے ذرے
لیلیٰ کی جو آس تھی وہ کم تھی

چلنے کو تھا قیاس اب وہاں سے
سورج تھا اگلنے ہی کو شعلے
گوزن کی بھی چشم ادھر کو نہ تھی

(دعا)

پھر سے نہ ملنے کی قسم یوں نہ کھائیے
ایسے خدا را نہ اپنا دل دکھائیے
آج کے دن مجھ کو مہلی زندگی نئی
جس کو یہ پس ہے نہ پھلا پائیں گے کبھی
مالک ہر دوسرا پوری کوے مراد
آپ کو اللہ رکھے ہر طرح — آباد

ہم کو خلش کر کے عطایوں نہ جانیے
ہم پہ جو بیتی اسے دل سے بھٹلائیے
اے گلِ سرسبز، ہوں ممنون آپ کی
آپ کا احسان ہے اے قیاسِ عامری
ہے یہ دعا آپ رہیں خرم و دلشاد
آپ جہاں بھی ہوں کسی کو نہ عناد

داستان گو گوزن کی دعا کو ساتھ لیکر۔ پس سوچتا چل پڑا وہ ابتر

پھر دل میں ہو مونسوں کا کیا ڈر
کیوں فکر کہ غرق ہو گا بیڑا
مرنا ہے یہیں، یہیں پہ جینا
ہو غرق کہ پار ہو سفینا
ہے دشت ہی اپنا اب ٹھکانہ
تھی اپنے عروج پر تمازت
اور گوسے بھی دشت میں تھی وحشت
پس خود کو لگائی اس نے اک ایڑ
پانی سے بنا تھا حوضِ عنبر
’پاکیزہ و خوش چو آبِ کوثر‘
تھا قیس کے لب پہ شکرِ معبود!
چلنے کے لئے جب اٹھا گلفام
بیٹھا سرِ سر و تھا سرِ شام
ملنے ہی نظر اٹھے حجابات!

دے ہی دیا او کھلی میں جب سر
طوفاں میں لگا دیا جو ڈیرا
اس دشت میں زہرِ غم ہے پینا
پس ہے یہی عشق کا قسرینا
کیا غم جو کچھ کوئی دوانہ
اس وقت تھی نیم روزِ ساعت
بڑھتی چلی جا رہی تھی جدت
کچھ دور پہ دیکھا اس نے اک پیڑ
اطراف میں اس شجر کے یکسر
ہر قطرہ آبِ مثلِ گوہر
سایہ بھی تھا آب بھی تھا موجود
تا وقتِ غروب کر کے آرام
دیکھا کہ ایک زاغ بے نام
دونوں کی نظر اٹھی جواک سات

زاغ (سیاہی زادہ، شب پروردہ، طاقتور جش نژاد)
و خدا رحمت کند این عاشقانِ پاکِ طینت را
یہ دن ہے دن مری خوش قسمتی کا
یہ دن اس زندگی کا مدعا ہے
کہاں قیس اور کہاں ناچیز اک زاغ
کہ سوزِ اذدم ایساں چراغِ عشق در محرا
تجھی تو ہے مرے لب پر ترانا
شرِ عشاق سے ملنا ہوا ہے
کہاں میں اور کہاں آپ اور اک زاغ

کہاں میں اک فسروماہِ صُبکِ سر
 کہاں آپ لے درخشاں مہرا نلاک
 کہاں میں ایک بے مایہ قلندر
 یہ سناٹا یہ میری کائیں کائیں
 نہ ہے دیرِ دُزاپنا اور نہ اِمرِ دُز
 کلک اک اپنے ماتھے پر لگا ہے
 جسے دیکھو لگا جاتا ہے چو نہ
 ذرا سنیئے کہ صلواتیں ہیں کیا کیا
 کہاں آپ لے شہِ دالامقُدر !
 کہاں یہ خاکِ راکِ ذرۂ خاک
 کوئی دیکھے مرا بختِ سکندر !
 یہ صحرا اور یہ آندھی سائیں سائیں
 نہیں لبِ پر مگر حرفِ گلو سوز !
 جسے دیکھو وہ ہم کو ٹوکتا ہے
 کہ غمِ جس سے ہوا جاتا ہے دُونہ
 ہمیں کہتی ہے مخلوقِ خدا کیا !

دُسن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فناء کیا
 کہتی ہے تجھ کو خَلقِ خدا غائبانہ کیا،

[تعارف]

خلقِ خدا

رہائشِ آپ کی بازار یا باغ
 پرندِ دل کے یہ اک اعلیٰ نمونہ
 تیکڑ میں ڈھلے اک مُردِ بد ہتھ
 خدا نے ان کو فوراً ہی سزا دی
 بنایا اور سیہ روغن لگایا !
 پھر ان میں جان پھونکی زندگی دی
 نہایت ہی کرخت آوازِ بخشی
 سحر تا شام کیا کیا گلی کھلائے

تعارف ہم کرائیں آپ ہیں زارع
 یہ ہیں مشہورِ جتہ ہو کہ بیونہ
 یہ اپنے اہلِ نئے پیکر سے پہلے
 بُرے کرتوت اور افعالِ بد کی
 کیا نسخ اور انھیں کو اُبنایا
 سیہ شب کی سیہ تابندگی دی
 یروں کو ان کے پھر پروازِ بخشی
 یہ جب کرۂ خاکی پہ آئے

نہ ٹھہرے رہ گذر میں اور نہ گھر میں
 نہیں اک درد کئی ہیں بام ان کے
 ہیں اتنے نام گناتے ہی جاسیے
 کہ یہ سر جملہ عشاق بھی ہیں
 مخالف اور منافق اور ریاکار !
 یہ روگی ہیں یہ شکی اور دہمی
 یہ ہیں کچھ منطقی کچھ جھستی بھی
 یہ مفلس اور ہیں حد درجے تلاش
 مگر تعزیر سے ایمن بھی ہیں نراغ
 ہیں بے حد شرمناک ان کے دلیرے
 مگر چھپتی نہیں ہے ان کی آواز
 یہ مرتد ہیں کئی ہیں ان کی اشکال
 یہ مخبر بھی ہیں اور معصوم بھی ہیں
 ہے ان کے واسطے سب کچھ برابر
 کہ ان کی زندگی ہے اک پیہیلی
 یہ ہیں آباد اور برباد بھی ہیں !
 کبھی شہروں کبھی گاؤں میں ڈیرے
 بڑے سارق ہیں اس پر ہنرتے
 ذرا دیکھ تو کوئی ان کو چھو کے

یہ اپنے ارتقاء کے اسی سفر میں
 ہیں بہر دہی کئی ہیں نام ان کے
 اگر ہم ان کے ناموں کو گنتا ہیں -
 یہ ہیں اک دزد اور قزاق بھی ہیں
 دغا باز اور فریبی اور مکار
 یہ بکواسی یہ جھگڑا لگھنڈی
 یہ ہیں کج بحث، شاکی اور جھکی
 یہ غنڈے ہیں یہ لچے ہیں یہ ادبش
 نقب زن بھی ہیں اور ریزن بھی ہیں نراغ
 اٹھائی گیسے ہیں اور صبح خیزے
 یہ جادوگر ہیں اور ہیں شعبہ باز
 بڑے کاذب ہیں اور سچد ہیں نقال
 یہ مجسم بھی ہیں اور منطلم بھی ہیں
 یہ کوچہ گرد ہیں، ہیں یہ گداگر
 یہ غاصب بھی ہیں، ہیں یہ سازشی بھی
 یہ ہیں مخرد اور شاہ داد بھی ہیں
 یہ ہیں ایک جیب کرتے اور لٹیرے
 یہ ہیں خانہ بدوش اور ہیں اچھے
 یہ پیاسے ہیں، لاکے اور بھوکے

پرندوں کے جہاں کے یہ ہلا کو!
 انھیں آتی ہے حکمت اور طب بھی
 کہ جنتا کے انوکھے داس میں نراغ
 بڑے ہی طاق پھیلا نے میں انواہ
 کیا کرتے ہیں چوری باری باری
 یہ زیرک بھی ہیں اور طبائع بھی ہیں
 زباں ان کی فصاحت سے رواں بھی
 یہ بلوائی ہیں مفسد ہیں یہ گستاخ
 ہیں سارے ایک بوڑھے ہوں کہ کمن
 یہ مایخولیا میں مبتلا ہیں
 نہیں لینے سے رشوت ہچکچاتے
 نہیں ہیں ایک یا دو کبے سب ہیں
 تجسس میں نظر ان کی عقابی
 پر اپنے وقت کے چنگیز خاں ہیں
 چرا لیں آنکھ کا کاجل یہ چالاک
 در آتے ہیں جہاں جلے نہ تنکا
 کسی کے کب کہاں قابو میں آتے
 سحر تا شام ان کی خود پرستی
 کبھی یوں بے اعتنا جیسے ہو ہیراگ

یہ پوری قوم کی ہے قوم ڈاکو
 یہ مصلح بھی اور ہیں محتسب بھی
 بڑے نیتا بڑے سیاست میں نراغ
 پرندوں کے جہاں کے ہیں ردواہ
 ہے ان کا مشغلہ چوری چکاری
 یہ حاسد بھی ہیں اور طماع بھی ہیں
 مقرر بھی ہیں نیتہ تصد خواں بھی
 نگر ہو گاؤں ہو یا ہو کوئی کلخ
 بگچرم ہیں پرندوں کے موذن
 یہ محبوب الخواسی کی صدا ہیں
 ہے ان کے سود خواروں سے بھی ناتے
 یہ بے ایمان ہیں اور بے ادب ہیں
 شریعت میں ہے ان کی بے حجابی
 یہ دیسے تو بڑے بھولے میاں ہیں
 بہت ہشیار ہیں بے حد ہیں بیباک
 انھیں ہے دخل اندازی کا سودا
 کبھی جب سیند گھر میں ہیں لگاتے
 یہ ان کی بھوک ان کی فاقہ مستی
 جو کہتے ہیں کہا کرتے ہیں بے لاگ

ہزاروں خواہشیں پر اک تجا ہل
ہے ان کی چشم یکسر چشم بے آب
جو بس ہو چشم سوزن میں بھی در آئیں
بڑے نا آشنا اور بے مردت
بظاہر تو فقیر بے نوا ہیں
کبھی بے حد سراسیمہ پریشاں
لئے باتوں میں کشکول گدائی
ہے تضحیک و تمسخر ان کا شیوہ
اگر کوئی کمرے ان پر عنایت

(ق)

نہیں ہے شکر کیے تک کا انھیں ہوش
یہ فتویٰ دیتے ہر اک بات پر ہیں
بہت ہی شد و مد سے رائے دیکر
نفس میں ساتھ ہوں گرز اغ و بلبل

(ق)

کہ اس نے کھا لیا ہو جھڑجھڑ
اگر اک سنگ بد گوہر سراسر
تو گھٹ سکتی نہیں کچھ زر کی قیمت
نجاست میں اگر گر جائے گوہر

اکھٹے ہوں مچاتے ہیں بڑا غسل
بڑے ہی بے حیا بے شرم بے تاب
نقب دیر و حرم میں بھی لگا جائیں
ازل سے طوطہ چشتی ان کی عادت
بباطن کمکو بتلائیں کہ کیا ہیں!
کبھی جیسے کہ نادم اور پشیمان
یہ کرتے ہیں دروں پر جہ سائی
دل آزادی بھی ہے الکا و طیرہ
کہاں ہے ان کے پاس اتنی بھی فرست

یہ پوری جنس ہے احساں فراموش
یہ کرتے تبصرہ حالات پر ہیں!
یہ اٹھ جاتے ہیں محفل سے سراسر
ذرا سا ہو نہ اس میں کچھ تساہل

نفس بلبیل کا رک جائے گایکدم
کرے ہے پاش پاش اک کاسہ زر
نہ بڑھ سکتی ہے کچھ پتھر کی قیمت
نفاست پر نہ ہو حرف اس کے یکسر

اگر چہ گرد جائے آسمان پر
ہوئے آفت کے گھر پیدا برا بیم
کھلا کرتا ہے گل کانٹوں کے مابین
یہی ہے ماجرائے زارغ و بلبس
رہیگی وہ خمیس و خاک بر سر
کوئی خطرہ ہوا ان کو نہ کچھ بیم
یہی ہوتا ہوا آیا ہے دن رین
مقدّر اس کا ہے خس اسکا ہے گل
سیہ ظاہر سیہ باطن سیہ شے

بہت سارے ہیں ان کے کارنامے
کہاں تک کب تک کوئی گناہ

بڑے حضرت ہیں کہتے ہیں جنھیں زارغ
مگر خود اپنے ماتھے پر ہیں اک داغ
(آدمی ————— فی سبیل اللہ فسادِ)
قیس

اے سیانے زارغ دشتی تجھ پر رحمت اور سلام
تو ہے اک تیاج سیلانی یہ سب کچھ علم ہے
دکھ ہے مجھ کو جو بھی کہتی ہے تجھے خلق خدا
سم کا لا ہے تو کیا دل تو نہیں تیرا سیاہ
م نے انہوں میں دیکھے ہیں بہت سرخ و سپید
دیکھنے میں ہیں جیس لیکن ہیں اصلاً کالے رنگ
جن کے ماتھوں پر تقدس کا عیاں ہے طمطراق
جھلازی بدتماشی، مکر، دھوکا اور دروغ
جہل کی ہے فتنہ پردازی فضا کے دہر میں
کتنی آنکھوں میں بظاہر ہے یہاں معصومیت

ہے کہستاں فرش تیرا آسمان ہے تیرا بام
گو بجتے ہیں دشت و در میں تیرے میٹھے زمرے
لوگ جاہل میں نہ رکھ ان سے ذرا بھی واسطہ
جسم کا لا ہے اگر تو اس میں تیرا کیا گناہ
جو کہ ہیں گورے بدن ہے خون بھی جیسا سفید
اپنے ہم جنسوں کو ڈس جاتے ہیں ڈسنے والے ناگ
زہد کو دراصل لیکن ہے چمکے ہیں وہ طلاق
ہیں یہ وہ فتنے کہ جن کا ہوتا آیا ہے فروغ
جس کے باعث ہے عفو نت سی ہوئے دہر میں
غور سے دیکھیں تو ان سے جھانکتی ہے معصیت

آدمی اس دہر میں رسوا سر بازار ہے!
 آدمی مفکوک ہے مکروہ ہے اور بد تمیز!
 آدمی اس شہر میں بزدل بھی ہے حاسد بھی ہے
 آدمی بد بخت ہے بد ذات ہے اور بے شریک
 آدمی بدکار بھی ہے پوچ بھی ساحر بھی ہے
 ناتواں، نااہل، ناخبر، ناکس، نابکار
 کوچہ و بازار میں بکھتی ہے آج انسانیت
 آدمی کی ذلت و خواری کی کوئی حد بھی ہے!
 اس جہاں میں فی سبیل اللہ کرتا ہے فساد
 ایک ایسا ساز جس میں کوئی سر ہے اور تلے
 ہاتھ اٹھا کر ترے آگے بس ہی کرتا دعا!
 زارغ دشتی کو جسزرا کے طور کوئے کو نہال
 زارغ ہی پہننے دے اسکو زارغ جینے دے
 آدمی انسانیت پر ایک کالا داغ ہے

کتنے ہیں بوجہ سہل جن کو علم کا پندار ہے
 آدمی ہی نے تو تیسرے نام رکھے اے عزیز
 آدمی اس دہر میں مفسد بھی ہے فاسد بھی ہے
 آدمی لاعلم ہے ناچیز ہے اور بے حقیر
 آدمی باغی ہے اور سرکش ہے اور جابر بھی ہے
 بے حیثیت، بے مروت، بے یقین، بے اعتبار
 مشتبہ بے حد ہے اور مشکوک اسکی شخصیت
 آدمی فاسق بھی ہے بے دین بھی مرتد بھی ہے
 ہے یہ وہ آدم کہ جو آدم سے رکھتا ہے غاد
 ہے یہ وہ آدم کہ جس پر خندہ زن ابلیس ہے
 میں اگر قاتل تاسخ کا جو ہوتا لے خدا
 اے مرے معبود تیرے دل میں آئے گریخیاں
 زارغ سے اسکو نہ ہرگز آدمی کا روپ دے
 آدم خاکی سے بہتر اور برتر زارغ ہے

داستان گو

دیتا رہا زارغ دشت پہرہ
 پورب سے جو نکلا دن سنہرا
 اک سمت کو ہو گیا دوانا
 تھا پیش نظر عجب تماشا
 گردن میں پڑا تھا جس کی پھندا

اُس رات وہیں پہ تیس ٹھہرا
 تھا گھاؤ بہت ہی دل کا گہرا
 تب بہتر غم سے تیس اٹھا
 کچھ دوزی راستے میں ٹھٹکا
 دیکھا تو خیف - اک ضیف -

کھینچے ہوئے لے کے جا رہا تھا
 زخموں کا کھلا ہوا چمن تھا
 انگشت گرفتہ در دہن تھا
 اس دشت میں بس پگھل رہا تھا
 جسکی گرفت میں تھی بڑھیا
 اور اس سے دہاں ہوا وہ گویا
 اور طرز میں کچھ تھے لفظ ڈوبے!

اک شخص اسے ہٹکا رہا تھا
 منظر یہ بہت ہی دل شکن تھا
 چکا ہوا جس سے سارا بن تھا
 تیس اپنے لہو میں جل رہا تھا
 وہ شخص جو نہی قریب پہنچا
 دیکھا اسے پاس تیس لپکا
 الفاظ تھے کچھ تو سخت اس کے

قلیس

(تف ہے)

ایک معمر کے ساتھ ایسا ظلم
 جو کو آتی ہے شرم آتی ہے
 یہ زنا پسیر اور رس بہ گلو
 تم کو اس پر ترس نہیں آتا
 شرم تم کو مگر نہیں آتی
 اسکی حالت نظر نہیں آتی
 کس لئے ہے زبان یوں خاکو
 بات کیا تم کو کر نہیں آتی

فقیر درویش

(خاموش ہے)

حیرت ہے کہ ہیں دہریں ایسے بھی دو آنے
 ہم بات کو بے درجہ معصا نہ کریں گے
 کس واسطے تشبیہ کے پردے میں کریں بات
 اے تیس ابھی آپ نے جو کچھ بھی کہہ لیا
 نادان ہیں اور خود کو سمجھتے ہیں سیلے!
 کہہ لیا ہے میں جو بھی وہ بار بار کہیں گے!
 اکثر ہی ہوا کرتی ہیں بیکار علامات
 سنکر اسے ناچیز کا دل دکھ سا گیا ہے
 تنقید کا حق آپ کو کس نے یہ دیا ہے
 قانون یہ کیا خود کھیلے وضع کیا ہے؟

کچھ لفظ ہیں جو آپ کو زیبائیں دیتے ہم کو تو وہ لفظ آپ کے اچھے نہیں لگتے
 بہتر تو یہی ہو گا کہ خاموش رہیں آپ اچھا تو یہی ہو گا کہ کچھ بھی نہ کہیں آپ
 عجوز (اسیر دلگیر)

کیا سخن آپ سے حضور کہوں اسی درویش کی میں زوجہ ہوں
 ہوں اسی کی غلام اور اسیر اس غلامی سے ہوں بہت دلگیر !
 مجھ ضعیفہ یہ ظلم ڈھاتا ہے روز آنکھیں مجھے دکھاتا ہے
 اس کی رستی ہے اور مری گردن چاک ہے زندگی کا پیرا ہن !
 اس ستم گو کی ہوں میں دست نگر جو مرا زوج ہے مرا شوہر
 چپ رہوں گر تو بڑ بڑاتا ہے کچھ کہوں گر تو کاٹ کھاتا ہے
 کب سے میرے ہے دریئے آزار میری تکلیف اس کے دل کا قرار
 ایک آفت میں ہے مرا ایمان ہے عجب خمیصے میں میری جان
 (جان ہی سے جہاں میں رونق ہے دُور در نہ بے آب و تاب ہے ہر شے)

ایک طحی کے واسطے ہی رہی اب نہاں ہے اسی میں میری خوشی
 غور فرمائیں میری حالت پر کل بُری تھی یہ آج ہے بدتر
 خالقِ دو جہاں ہمیشہ شاد رکھے، پائیں حضور دل کی مراد

(جو درگت آپ کی ہے)

جو درگت آپ کی ہے ہم نے دیکھی نہیں جاتی۔ جو ذلت آپ کی ہے ہم نے دیکھی نہیں جاتی
 شکنجے میں کسا سر آپ کالے محترم مادر۔ جو حالت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
 یہ آزادی کا جذبہ اور غلامی کی یہ زنجیریں۔ جو حسرت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی

گلو بندِ غلامی، یا بچولانی کا پیسہ اس - جو خلعت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
 سفر بے ساز و سامان آپکا اس شہِ ثقت میں - جو غربت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
 ہے شوہر آپ کا تا ہر سگر اس کے لئے پھر بھی - جو محبت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
 اجازت دیں اگر ہم کو، جگہ ہم آپ کی لے لیں - جو وقت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی

[دعاء]

عجز

دعا ہے مری لے شاہزادے تمہیں، اس مہر کی، مالک جزا دے
 مرا رب آپ کو آباد رکھے سدا آباد رکھے، شاد رکھے
 نہالِ دل ہے سرسبز و شاداب یہ موج وصلِ دلبر سے ہو سیراب
 نہیں ہے عشقِ بچوں کا کوئی کھیل نہیں ہے دو دلوں کا ہی نقطہ میل
 دعا ہے پس خدا لے بحر و بر سے وہ دل کو آپ کے محفوظ رکھے
 بلا لے ناگہانی سے بچائے کبھی اس پر نہ کوئی آغ آئے
 ہے بس فاتحِ اقلیمِ خوبی کرے صبح و مَسّ تعظیمِ خوبی
 غلام اس شخص کے گر آپ بن جائیں ثواب اس کا بہر صورت یہیں پائیں
 خلاصی جلد ہو میرے گلو کی ملے آرام، ہو میری تسلی

[جو شکل نظر آئی]

قیس

یہ موجِ صبا بیکل، یہ دشتِ ستم پیشہ ہر حلقہٴ صرصر میں زنجیرِ نظر آئی
 عتاب کی آنکھوں میں خوں اُترا ہوا دیکھا جلا دے ہاتھوں میں شمشیرِ نظر آئی
 رصہ ہوا دیکھا تھا اک خوابِ اسیری کا آج اسکی نے بے قسمت تعبیرِ نظر آئی
 جب تیغ پہ خود بڑھ کر سر ہم نے رکھا اُس دم قاتل کے ارادے میں تاخیرِ نظر آئی

تقدیر کے لکھے کو کوئی نہ مٹا پایا
 صحرائیں غنیمت ہے صحرا سے ذرا ہٹ کر
 اس طرح سے آہ و زاری کر کے
 قیدی ہوا قیس اس کے بدلے
 طوفاں لئے دل میں سر بسر قیس
 آشفۃ، خراب، یا بجولاں
 غافل اسے دیکھ کر تھے خنداں
 لیلیٰ کی قیام گاہ پہونچ کے
 دہم کو مقدر کی تحسیر نظر آئی۔
 جو شکل نظر آئی دنگسیر نظر آئی
 آخر کو چھڑائی جان اس نے
 زنجیر و طناب و طوق پہننے
 خاموشی سے چل پڑا مگر قیس
 و خود را بر شک دیدہ شویاں،
 غافل اسے دیکھ کر تھے گریاں
 و مستانہ سرود بر کشیدے،

سرودِ قیس

(آؤ)

قیس

پھر سے اک بار اسی دشت و دہن تک آؤ
 آؤ دوبارہ غزل خوان و مراحمی دردست
 سر بکھ، سینہ پیرا تھمرے، میری طرح
 رُخ ہو گر ماہ تو پھر تہ کو کہو سرور و رواں
 تذکرہ ہے تو کرو اس نغمہ ناز کی بات
 آج ہم آئے ہیں پھر درپہ ترے جان بہار
 تحفہ نیست بجز اشک کہ مایہش کینم
 مانگتے کچھ نہیں بس تجھ کو دعا دیتے ہیں
 ہم کہ سائل ہیں تو ہم پر بھی کرم کی ہنو نگاہ
 میرے آہوئے ختن اپنے ختن تک آؤ
 جشن گل ساتھ منائیں گے چمن تک آؤ
 حوصلہ ہو تو ذرا دار و رسن تک آؤ
 سر کرو ساز غزل، شعر و سخن تک آؤ
 بات نکلی ہے تو اس غنچہ دہن تک آؤ
 پیاد بستِ دگرے، دست بدستِ دگرے
 خوشتر از اشک دریں دہر کجا خوش شمرے
 ہم ترے درپہ ہیں لیکن ترے ایوان پرے
 لے گل گلشنِ رعنائی و زریں کرے

مطلق الحکم، ذوی العدل، شہر یار بھی ہیں
کوئی تصویر ہو دیوار پہ چسپاں جیسے
جس پہ انگشت اٹھے ایسا تماشا ہم ہیں
یعنی وہ حرف، جسے حرفِ ملامت کہیے
جرم ثابت ہوا یعنی کہ خطا کار ہیں ہم
ہے یہ اک راز کسی طرح جو ہم پر نہ کھلا
کشتی سرزدنی، لائقِ شمشیر ہیں ہم
نہ مچلکا، نہ ضانت، نہ شہادت، نہ گواہ
جرم ناکر وہ گنہ گاروں کو ملتی ہے سزا
جو رایا کوئی انصاف نہ کھاتا ہی نہیں
آہ کیسی یہ عدالت ہے جہاں میرے خدا
ظالم انت کوئی آواز اٹھاتا ہی نہیں

داستان گو

مجنون ہوا قیس پھر سے یکبار
گاتا ہوا اپنے چند اشعار
راہی ہوا کوہ کے ہمارے
جیسے کہ کمال سے تیر نکلتے !

[گم ہے آوازِ جرس]

قیس

وارث تاج و نگیس
ہے رسن در گردن
بند ہے بابِ قفس
شام سے تابہ سحر
ہے ملول اور حنین
چاک ہے پتیرا ہن
گم ہے آوازِ جرس
ہے فقط رقصِ شر

نہ تو گلزار نہ راع
کوئی مشفق نہ شفیق
دل بہ ایام فراق
ہو رواں سر پہ جو تیغ
اب کہاں غم سے فراغ !
نہ کوئی اپنا رفیق !
جیسے سلگا چھماق
بہیں اس سے بھی دریغ
اس سے بہتر تو ہے مرگ
ہے یہی اپنا نصیب !
چار میخ اور صلیب

داستان گو

لیلیٰ کا بھی غم سے تھا بُرا حال
خاموش تھی کس سے کہتی احوال
تا بندہ نضادوں کی خاموشی
جب جنگ سے وہ شکست خوردہ
تھالیب پہ فقط قصیدہ بردہ
گھر سیدنا صری جو پہنچا
گو یا کہ تھی صیدِ سحر بنگال !
کچھ کہہ کے وہ کیوں بڑھاتی جھال
لیلیٰ کی یہی تو تھی سہیلی
زخموں سے ہوسا تھا فشر وہ
زندہ تھا مگر تھا یہی مردہ
دختر سے ہوا وہ ایسے گویا

[انوکھ]

سیدنا صری

آج کا دن ہے ہمارے لئے اک شرم کا دن !

آج ہم اپنے لہو میں لگا ہوا ہے ہوئے آئے
آج دشمن کو تقدّر سے ملی نشتہ و ظفر
شادی نے ہیں مسرت کے عود کے گھر آج
جنگ میں اپنے قدم یوں نہ اکھڑتے کاش
اپنے ہی بوتے پہ اور بل پہ ہی رتے لے کاش !
ہوش میں کب تھے تھے نشے میں ہیبت است !
آج دشمن کو تقدّر سے ملی نشتہ و ظفر
شادی نے ہیں مسرت کے عود کے گھر آج
جنگ میں اپنے قدم یوں نہ اکھڑتے کاش

ایک چلو بھی نہیں آہ کہ ہم ڈوب مریں داستان اپنی کہیں بھی تو بھلا کس سے کہیں
آج کا دن ہے ہمارے لئے اک شرم کا دن!

داستان گو

جب بیٹی نے باپ کی یہ حالت - دیکھی تو ہوئی اسے ندامت
طاری ہوئی اس کے دل پر رقت - آنکھوں سے عیاں تھی ایک حسرت
دھیرے سے زبان اس نے کھولی - اور باپ سے اس طرح وہ بولی
(دلا سہ)

لیلیٰ

میں ہوں بے حد بہت ہی شرمندہ میں ہوں بے حد بہت ہی شرمندہ
آپ پر جنگ میں جو ہے بیتی آپ پر جنگ میں جو ہے بیتی
میری ہی وجہ سے ہوا سب کچھ میری ہی وجہ سے ہوا سب کچھ
پھر بھی باقی ہے آپ کی عزت پھر بھی باقی ہے آپ کی عزت
آپ اور آپ کے عدد ہیں لڑے آپ اور آپ کے عدد ہیں لڑے
پر عدد کو دکھائی پیٹھ نہیں پر عدد کو دکھائی پیٹھ نہیں
اسی میدان میں لڑے ڈٹ کر اسی میدان میں لڑے ڈٹ کر
آپ کیوں اس قدر ہراساں ہیں آپ کیوں اس قدر ہراساں ہیں
آپ کیا نرم سے نوالے ہیں آپ کیا نرم سے نوالے ہیں
کوئی دشمن ہرا نہیں سکتا کوئی دشمن ہرا نہیں سکتا
پس ذرا دل کو ایک ڈھارس دیں پس ذرا دل کو ایک ڈھارس دیں
پھر سے طاقت کو اپنی جمع کریں پھر سے طاقت کو اپنی جمع کریں

سیدنا صری [ایک آسیب]

اے مری تجھی ہوئی شمع کے نور
دختر نیک مری لختِ جگر
حوصلہ تو نے بڑھایا میرا
میری تسکین مرے دل کے قرار
ایک گرتی ہوئی دیوار ہوں میں
میں ہی باعث ہوں کئی آہوں کا
اک کھنڈِ طریقی اک اجڑا ایوان
روح اک جس کو نہیں غم سے فراغ
اک پہیلی کہ معمّا ہوں
پھر بھی رکھتا ہوں ابھی ہوش و حواس
تجھ کو ہر طرح سے خوش دیکھوں میں
تاکہ سب تجھ کو کہیں خوش قسمت
اب آگے کہوں کہ کیا سردست
پس مات ہوئی ہے ایک بازی

پاس ہوں تیرے مگر کتنا دور
میری تار یک سیہ شب کی سحر
میرے ہونٹوں سے نکلتی ہے دعا
دیکھ لے آج مری حالتِ زار
ایک ٹھکرایا ہوا پیار ہوں میں
ایک آسیب کئی صدیوں کا
اک دیا جس سے کہ اکٹھا ہو دو ہوا
ایک تن جس کا نہیں کوئی سراغ
آج معلوم نہیں کیا ہوں میں
ہے تجھ اب تو نقطہ ایک ہی آس
عمر بھی اپنی تجھے دے دوں میں
مرتبہ تیرا بڑھے اور عزت
ہمت نہیں تجھ اور حوصلہ پست
دنیا نے ہمارا ہی یکہ تازی۔!

(ق)

دیکھی ہے اور ہم کو داد دی ہے
پر ہار تو ہار ہے جہاں میں
جیسے ہی شکست ہم نے پائی
حتیٰ کہ عدو سے داد لی ہے
ہم ہار گئے ہیں امتحاں میں!
فوصل ہی کی ہم نے دی دلائی

نوفل سے کہہ اے کماندار
 بازی تو یہ تم نے جیت لی ہے
 لیکن ہمیں پھر وہی ہے اصرار
 بیٹھ کو نہ اپنی جے سکیں گے
 پس فیصلہ آخری ہے اپنا
 لیٹی اسے مل نہیں سکے گی
 نوفل نے سنی یہ بات چپ چاپ
 بس کوچ کا حکم جاری کر کے
 اس دشت کو ہو گیا روانہ
 نوفل کی کریں گے ہم تو تعریف
 اللہ اسے جزا دے اس کی
 آفات سے رہا ہے بجائے
 میں تو کہوں گا ایک ہی بات
 گو دل میں اتر گیا ہے چا تو
 حالانکہ اندھیرا ہر طرف ہے
 سورج پہ نگاہ آج بھی ہے
 داستان گو

تبریک ہماری تم کو بیار!
 اس جنگ میں ہم کو مات دی ہے
 دو کوئی ہمیں نہ اور آزار!
 مجھوں کے توقع میں نہ دیں گے!
 اب تمیں نہ دیکھ کوئی سینا!
 اب یہ کلی کھل نہیں سکے گی،
 خاموشی سے راستہ لیا ناپ
 اور اپنی سپہ کے آگے آگے
 جس دشت میں تیس ہے روانہ
 تعریف کریں گے اور توصیف
 دے اسکی جزا عطا دے اسکی
 آریخ اس پہ کبھی کوئی نہ آئے
 بازی یہ ابھی ہوئی نہیں مات
 اس بار میں جیت کا ہے پہلو
 حالانکہ اجالا ہر طرف ہے
 کچ اپنی کلاہ آج بھی ہے!

نوفل سے کیا تھا اس نے وعدہ
 باتوں ہی سے اس کو بس رجھایا

لیٹی کا پدر بہانہ جو تھا
 وعدہ نہ تھا اس کا تھا وہ حیلہ

دراصل دیا تھا اس کو دھوکا بیٹ کو کچھ اور ہی بتایا
 لیلیٰ نے لب اپنے سے لئے تھے اس باب میں بولتی وہ کیسے
 خاموش رہی پدر کے آگے سنتی رہی وہ یہ سارے قصے
 جاتے ہی پدر کے تھام کے دل یکبارگی پھٹ پڑی وہ بے عمل

لیلیٰ [کون ؟]

ہم پر جو بیت رہی ہے وہ سنائیں کس کو۔ دل پہ جو گھاؤ لگے ہیں وہ دکھائیں کس کو۔ اپنا غم تو اپنے کون؟
 دہر میں کبئی ہمدرد نہیں ہے باقی۔ میکے میں نہ رہی ہے نہ کہیں ہے ساقی۔ ہاں خریدار کون؟
 خانہ جا بھی چکا اب نظر آتا ہے کہاں۔ اب نہ ہے کوئی طناب اور خیموں کا نشان۔ اپنا سالار کون؟
 منشی کس کی کریں یعنی خوشامد کس کی۔ کس لئے کس کے لئے آج یہ آہ و زاری۔ اپنا دلاؤ کون؟
 اس بلندی پہ پہاڑ کس کا یہ اعزاز ہے آج۔ حلقہ دار میں ماں کون سرازر ہے آج۔ یہ خطا کار ہے کون؟
 ہم کو لگتی ہے یہ خود اپنی ہی جانی صورت۔ وقت آیا ہے یہ ہو جائیگی نانی صورت۔ یہ سردار ہے کون؟

داستان گو

لیلیٰ تھی ہجوم غم سے گریاں چہرے سے تھا اس کے غم نمایاں
 آنکھوں سے لہو تھا اس کے ریزاں ارزاں تھا لہو بہت ہی ارزاں
 رنجیدہ وہ لالہ ترخ تھی بے حد زندہ تھی مگر تھی جیسے مرقد
 غواصِ جواہرِ معانی۔ یوں کرتا ہے اب گہرِ نشانی
 ہو طبع پہ جس کے بھی گرائی بے کیف ہو جس کی زندگانی
 وہ دور کرے گرائی اپنی اب آئینکا ذکر عقد و شادی
 لیلیٰ کے پدر کے فیصلے کا احوال سنا ابھی نے جانا

اکساف میں سب ہوا یہ شہرا
پس سامنے نامدار آئے
فرزندِ سلام نے بھی یہ بات
افسردہ دلی کو دے کے وہ مات
اور ساتھ خزانہ ہائے بسیار
جن میں تھے ہزار و دہشت ہزار

ابنِ سلام (لائے ہیں ہم اس کے لئے)

آپ سے درخواست ہے اے سیدِ ناصر
اپنی غلامی میں کمریں مجھ کو قبول آپ
ہم کو درم اور نہ دینار ہے درکار
لائے ہیں اس کے لئے ہم اشتہر دیا
نافذ آہوئے خفق اس کے لئے ہے
اس کے لئے لائے ہیں ہم ہند کے ہیرے
لائے ہیں بنگال سے سیف و رکتال ہم
ہار ہے چندن کا جسے لیکے ہیں آئے
لائے ہیں پچھراج بھی الماس بھی لائے
لائے ہیں ہم عطرِ حنا اور شامہ
گوہر یکدانہ بھی لیسلی کے لئے ہے
لائے سراندِ بیپ سے ہیں نیلم دگوہر
قاف کی پریوں کے گلو بند ہیں لائے

صاف بہت بات ہے اے سیدِ ناصر
ماں لیں اللہ نہ دیں بات کو طول آپ!
ہم کو تو لیسلی کا فقط پیار ہے درکار
اس کے لئے لائے ہیں ہم حمدِ زیبا
اس کے لئے لعلِ یمن اس کے لئے ہے!
ایک نہیں لاکھ ہیں اس طرح کے تحفے
اس کے لئے لائے ہیں خوشبو جنان ہم
چود ہو ہیں کے چاند کی کرنوں سے گندھا
اس کے لئے پیاد کا احساس بھی لائے
ہند ہی کے ملک سے آیا ہے دام
دل کا پری خانہ بھی لیسلی کیلئے ہے
چین سے لے آئے ہیں زربفت و شجر
ساتھ ہی دیباے سمرقند ہیں لائے

جس کے نقطہ ایک ہی جرعے سے ہو شاد!
 شہر یکے ہست درین عالم ناسوت
 سات سو بیستینے خراسان سے لائے
 آٹھ ہیں کل گنج ہیں بس آپ سخن رنج
 عالم حیات میں ہیں جو پاس ادب سے
 یعنی کہ اک شہرِ طرب خمیز سے لائے
 ساتھ ہی ایران کے قالین انوکھے
 ہے وہ دمک چاند کی بھی ماند ہے جوتی
 اور جو یہ کجواب ہے پاس سے ہیں لائے
 دوس سے لے آئے ہیں ہم اسکے لئے فر

(اپنا سرمایہ)

ہات لیلیٰ کا تم اب بات میں لو بر خوار داد
 اس پہ ولیوں کی بڑی ہر ہے اور ساتھ ہے
 آب موتی کی، گہرا دوس کے پھولوں کا نکھار
 اس کے ساتھ ادب بھی سو غا دیئے ہیں ہم نے
 شام نے بخش دیا ہے اسے اور رنگِ شفق
 نغمہ زہرا، زریا، جمالِ نازید
 پاس میں جو بھی ہمارے پاس اب اس کے

اس کے لائے ہیں آبِ رکنا باد
 لائے فلسطین سے ہیں سرخ سے یا قوت
 سیم فریدون کے توران سے لائے
 لائے ہیں ہم خسرو پرویز کے سب گنج
 اس کے لئے لائے ہیں آئینے حلب سے
 ارمغان اس کے لئے تبریز سے لائے
 لائے ہیں بغداد کے باغات میوے
 لائے ہیں جاپان سے پُر آب یہ موتی
 ریشمی ملبوس بنارس سے ہیں لائے
 اس کیلئے لائے ہیں اشلیہ سے زر

سیدنا صری

(اپنا سرمایہ)

ہم کو منظور ہے تم بھی کہو بر خور دار
 اپنی اس عمر رواں کا یہ سرمایہ ہے
 ساتھ میں دیتے ہیں ہم اس کے سحر کے انوار
 دل کے خاموش سے جذبات دیتے ہیں ہم نے
 رنگِ گل، رنگِ سحر، رنگِ حنا، رنگِ شفق
 طمطراقِ سحر و شام، جلالِ خورشید
 الغرض جو بھی ہمارا پاس اب اس کے

[درجہ عروسی] ابن سلام

السلام لے عروسی ابن سلام - السلام لے دل
 میرے دل کی مراد بر آ
 تجھ سے بڑھ کر یہاں حسین
 میری جاں کے سکون، دل کے
 مجھ کو ہے رب نے تجھ سے مر
 جس نے دن ایسا مجھ کو دکھ
 میرے پہلو میں دو گھڑی
 ہجر میں دن بیتا دیئے میں -
 ہو گا سر میرا جو تھا خاک
 اپنے آنچل کی دے ہوا مجھ
 اپنے تیرنگہ سے کر پا
 اپنے ہمتائے گلستان کرد
 آہم اپنے نصیب کو پا
 دل سوزاں کو بیٹھ جانے
 لے اٹھا ساز لے مرے د

[میں کسی اور کی ہوں] لیلیٰ

سید ناصر کی دختر ہوں بڑی بدنام ہوں
 اس میں کیا شک ہے کہ آخر کار لے ابن سلام
 تم سمجھتے ہو کہ تم داڑ ہو یا افراسیاب
 اپنے ہی ہونٹوں پہ میں اک طرح کا
 آج تم نے فرست پائی کمر کے ادلی ایہ
 تم کوئی ہمت ب ہو یا تم ہو کوئی

تم الٹ کے بھی پاؤ گے کیا مرقعاً؟
 مجھ کو پا کے بھی کبھی تم پا نہیں سکتے عیاں!
 میں کہ می بسیم بہ بیداری سست یاربِ خواب
 الامانِ فتنے سے اس دنیا کے دلوں کے الامان!
 یعنی دو گئے اس شبِ زفائیں تم مجھ کو مات
 بات پس ہے مجھ کو آتی ہی نہیں لانِ گزاف
 آج ہی پر کچھ نہیں موقوف ہے اک صابا
 اسلئے کہتی ہوں تم سے بات میری مان لو
 اسلئے تم راہ لو اپنی میں جاؤں اپنی راہ۔!
 جاؤ جاؤ مجھ کو میرے حال پر تم چھوڑ دو
 دشا دبا بد زیتن ناشا دبا بد زیتن
 فتنے کے اندر ہی مغمی رہے تمہاری اب شکست

دیکھ کر بھی مجھ کو کیا تم دیکھ پلے بے حجاب
 میں رہو نگے بے حجابی کے بھی پردے میں نہاں
 دورِ گردوں کیا انصاف کتنا لا جواب
 تم میرے شوہر کی حیثیت سے آئے ہو یہاں
 پیشتر اس کے کہ تم سوچو کوئی بیہودہ بات
 بات اک بے ٹوک ہے جو تم سے کہہ دوں ^{صاف}
 ہو نہیں سکتا جو کچھ تم چاہتے ہو آج رات
 میں بہت پہلے کسی کی ہو چکی ہوں جان لو
 ہونہ پلے گا کسی حالت میں بھی اپنا نباہ
 تم بڑے ذی ہوش ہو پس باب میری سنو
 اب رہی میں غم نہیں گرہے دریدہ پیر
 ہے مقدر کا ازل سے ہی تمہارا درو بست

(حدِ فاصل)

ابنِ سلام

جو ہوا میں ہوں اسکا ذمہ دار
 میرا اب تم یہ کیا اجارا ہے
 مجھ کو اسکا نہ علم تھا پہلے
 یعنی تم کو نہ ہوتا نہ کبھی!
 تم شریعت کی رو سے میری ہو
 پاس ہو کر بھی تم رہو گی دور

اے مری جان اے مری دلدار
 فیصلہ گر نہ ہی تمہارا ہے
 تم کسی اور کی ہو پہلے سے
 ورنہ تم کو بیاہتا نہ کبھی
 جو بھی ہونا تھا ہو چکا اب تو
 پھر بھی گر تم کو ہے یہ منظور

میں ہوں خوش اس میں ہی تو مچا ہوں
 صرف اتنی مجھے اجازت دو
 اک نظر روز تم کو دیکھوں گا
 دور سے ہی تمہیں سراہوں گا
 درمیاں ہوگی اپنے ایک لیکر
 اس سے آگے نہیں بڑھے گا فقیر
 روز دیدار کی تمنا ہے
 کچھ نہیں اندھ مجھ کو لینا ہے

لیلا (سر برانوسے نوا)

مجھ کو منظور ہے بشرط تمہاری دل سے
 مجھ کو انوس ہے لیکن نہیں کچھ کر سکتی
 میرا محبوب جسے کہتی ہے دنیا بچوں
 میری تخلیق ازل سے ہی ہوئی اس کیلئے
 جہاں جس کو کہیں کارگہ شیشہ گری
 لوگ کہتے ہیں اسکی گیتی کو حیرت خانہ
 ہونٹا ہلے ہیں اگر ہونٹوں کو بی دیتی ہے
 جو بھی ہوتا ہے یہاں سامنے آتا ہے ضرور
 بندے دشت سے جس وقت ہوا آتی ہے
 کھلکھلاتی ہوئی صبحوں کے اجلے سے پر
 ہر شبتاں کے لپکتے ہوئے شعلوں سے پر
 ہر چھلکتے ہوئے پیلانے کے اس پار کہیں
 جگمگاتے ہوئے کجواب کے ملبوس سے درد
 اک خلش ہوتی ہے محسوس رگ جاکے قریب
 شکر یہ ایسی عنایت کا ادا ہو کیسے
 مرنا چاہوں بھی اگر میں تو نہیں کر سکتی
 نام ہے قیس بیابان میں تجھے خسر
 آج بھی اس کی ہی ہوں جیسے کہ میں تھی پہلے
 نہ اتر سکتی تھے شیشے میں یہ ہے ایسی پری
 یہ بنا دیتی ہے فرزانے کو بھی دیوانہ
 جو بھی ہوتا ہے یہاں آنکھ فقط دیکھتی ہے
 دیکھتے سب میں تماشے کو مگر میں معذور
 دل مجھوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
 دم بدم گریہ ظلمت کی صدا آتی ہے
 سرد برقاب ہوا سینوں کو دھکا دیتی ہے
 تشنگی روتی بلکتی ہوئی سو جاتی ہے!
 تن کو عریانی اک آنکھ سے سادھ لاتی ہے
 مجھ کو مٹی سے نقط خون کی بو آتی ہے

وہ اندھیرا ہے کہ کچھ بھی نہیں آتا ہے نظر
 سر بزانو ہے نوا جیختی پھرتی ہے صدا
 ہے یہ دنیا بھی وہی آدم و حوا بھی وہی
 آج بھی ظلمت و تنویر ہیں سرگرم ستیر
 یار ہی کا جگر یار میں پیوست ہے تیسر
 غولصی ہی میں پلا تا ہے کوئی زہر کا جام
 نیک نامی کا کوئی اور دھکے آتا ہے نقاب
 خیر خواہی ہی کے پردے میں کوئی مار سیہ
 اس کے آزار کا کس کس نے مداوا نہ کیا
 کتنی صدیوں سے ضیاء بار میں خورد شید و قمر
داستان گو

ہر سمت ہوا اسی کا چر چا
 فرزندِ سلام اور لیلی
 رشتا جو ہمیشہ ہی ہے گا
 ناگاہ شتر سوار آیا
 بے مغز ذلیل و خوار آیا
 آنکھیں ہوئیں قیس سے جو نبی چار

شتر سوار

(ایک خرافاتی جس میں دیا نہ باقی)

بے خبر جاگ ذرا

وہ گھٹن ہے کہ مری سانس رکی جاتی ہے
 خامشی ہانپتے ویرانوں میں بل کھاتی ہے
 کوئی پیچ اسی افسانے کو دہراتا ہے
 وہی افسانہ ہے عنوان بدل جاتا ہے
 آج کل یاد ہر آئینے کو ٹھکراتا ہے !
 زہر ایسا جو رگٹ پے میں اتر جاتا ہے
 چپکے سے آتا ہے اک گھاؤ لگا جاتا ہے
 آ کے ڈستا ہے تو ڈستا ہی چلا جاتا ہے
 زخمِ آدم ہے کہ رستا ہی چلا جاتا ہے
 پھر بھی ہر سمت اندھیرا ہی نظر آتا ہے

ہر ہونٹ پہ — ذکر بس یہی تھا
 قائم ہوا از دواجی رشتا — !
 ان دونوں کے بیچ بے محابا
 جاہل زیرِ کم عیار — آیا
 دل میں لئے خار زار آیا
 گویا ہوا اس طرح ریا کار

تجھ کو معلوم بھی ہے بیت گئی جو تجھ پر۔ چل گیا چال قیامت کی زمانہ یکسر — بے خبر جاگ ذرا
 اسی شاطر اسی بد عہد کی کرتا ہوں بتا۔ جس نے اس عشق کی بازی میں تجھے دکھ دیا۔ بے خبر جاگ ذرا
 اس جہاں میں تو نہیں کوئی کسی کا غم۔ بے وفا، قہر خدا ہوتے ہیں ساک ہی صنم۔ بے خبر جاگ ذرا
 یاد رکھتا ہے بھلا کوئی کسی عاشق کو۔ وقت ضائع تو نہ کر جان کو ایسے تو نہ کھو۔ بے خبر جاگ ذرا
 جس کی خاطر تو ہے اس شہت میں اس درجہ تجویز۔ وہی لیلیٰ ہے کسی اور خاتم کانگیاں۔ بے خبر جاگ ذرا
 اس کے آغوش میں اب ایک جواں شوہر ہے۔ خردی جس کا بہت بیش بہا جوہر ہے۔ بے خبر جاگ ذرا
 مشغلہ شام و محروم نوں کا ہے۔ بوس و کنار۔ تو دل انگار ادھر جان اپنی بسینار۔ بے خبر جاگ ذرا
 ایک سات کی جدائی بھی بہت ان پہ سناق۔ وصل ہی ان کا قدر ہے گراں ان پہ فراق۔ بے خبر جاگ ذرا
 پیدا کرنے کیلئے اب دہوا موزوں ہے۔ عہد بیکانے کا ہے کس لئے تو مجنوں ہے۔ بے خبر جاگ ذرا
 جس گھڑی دہر میں مقوش ہوا نقش دنا۔ لفظ زن لکھتے ہی کا تب قلم توڑ دیا۔ بے خبر جاگ ذرا
 زن ہے لیلیٰ بھی تو اس بات سے تو واقف ہے۔ زن کے بار میں ہر اک بتا ہے پہلے ہی سٹے۔ بے خبر جاگ ذرا
 زہر آشام نہیں زن کے برابر کوئی جس کے کاٹے کا نہیں ہے کہیں منتر کوئی — بے خبر جاگ ذرا
 زن ہے مہشے کہ جسے آنت جا کہتے ہیں۔ کچھ خرد مند اسے تیغ رواں کہتے ہیں۔ بے خبر جاگ ذرا
 مرد پر جب بھی کڑا وقت گذرتا ہے یہاں۔ اس کوٹے وقت کے پردے میں عورت ہی نہاں۔ بے خبر جاگ ذرا
 اسلئے بہرہ یاری ہے اب میری صلاح۔ اس میں مضر نظر آتی ہے تجھے تیری فلاح۔ بے خبر جاگ ذرا
 بھاگ اس شے سے کہ میں آپ نہ تجھ پر آئے۔ سائے زن بھی کبھی تجھ پہ نہ پڑے پائے
 بے خبر جاگ ذرا !

(جھوٹ کا طومار)

قیس

کون ہے اے شخص تو مجھ پر نہیں عقدہ کھلا کس لئے اس دشت کی تو خاک کو ہے چھانتا

دائیں بائیں آگے اور پیچھے ترے پس ہوگی ریت
خاوارِ دشت ہیں اس ریت سے ہی آبیار
راہے اپنی نہیں تو خاک میں مل جائیگا
مجھ سے تو کرتا ہرگز ہرگز ایسی بات گرم
تو پرکھ سکتا ہے کیا اک گوہر نایاب کو؟
تو نے اے ناپاک عزت کو تماشا کر دیا!
آسمانوں پر فرشتے کرنا چاہیں گے وضو!
بستی بستی، قریہ قریہ، کوچہ کوچہ، کو بکو
تو نے رسوا کر دیا خود اپنے ہی ماں باپ کو
یوں تو ادنیٰ ہیں بہت تجھ سا نہیں ادنیٰ کوئی
پاک دلاں، پارسا، پاکیزہ و پرہیزگار
یادہ گو تو جانتا بھی ہے وہ ہستی کون ہے!
سڑ ہی جاتا ہے کہ ٹھہرے آب میں کچھ بھی نہیں
تجھ کو شدید ہی نقطہ ہے وہ بھی ہے شدید غلط
میری لیلیٰ مات کھا کر بھی نہیں کھا سکتی مات
اور شامت کا گلے میں ہار آخر کس لئے
آئیگا یوم الحساب اک روز قصہ مختصر
حد سے بڑھ کر تو ہے منہ پھٹ اور ایمان تو

جس قدر چھانیکا حاصل ہی تجھے بس ہوگی ریت
ریت سے سرسبز ہے صحرائے نابیدا کنار
اس سے بڑھ کر چھانیکا تو دکھ تو پائے گا
رب نے تجھ کو بخش دی ہوئی جو تھوڑی ہی بھی شرم
تو چلا ہے ماپنے کو گز سے اک جہاب کو
اک گہر کو یوں سر بازار رسوا کر دیا
اپنے دامن کو بچوڑیگی اگر وہ ماہِ رُو
اک عصمت اور تقدس کا ہے شہرہ چارو
تو نے آئینے میں دیکھا بھی اپنے آپ کو
پیس کس کو تیری بچھا سکتا نہیں دریا کوئی
وہ پری پیکر ہے پیہم پاکباز و پردہ دار
سلمنے لیلیٰ کے میری روسیہ تو کیا ہے شے
تیری معلومات اسکے باب میں کچھ بھی نہیں
اس میں کیا شک ہے کہ تو اک شخص ہے بخود غلط
زیت ہے اس کیلے گو آج اک بے نور رات
باندھتا ہے جھوٹ کا طومار آخر کس لئے
مجھ کے رہ جائیگا اک دن ابنِ مقنع کا قمر
دفع ہو جا سنے سے اے ذلیل افان تو

داستان گو

وہ ناقہ سوار ہو گیا گنگ

کی قیاس نے اپنے آپ سے جنگ

خود اپنے ہی سر پہ مارا اک سنگ
 وہ گر پڑا بیچ سنگِ خارہ
 دیکھا جو شتر سوار نے حال
 ہر لمحہ زندگی تھا امسال
 راکب کی تھی عافیت اسی میں
 شرمندہ تھا اپنے ہی کہے پر
 پھٹ جائے زمین تو اس کے اندر
 کچھ دیر یوں ہی خوش سا تھا

شتر سوار (شرمندہ و طلب کارِ عفو)

میں یوں اپنے کہے پہ شرمندہ
 آپ کو منہ نہیں دکھا سکتا
 کیسے کی ہے یہ میں نے گستاخی
 میں سیہ روز آپ کے آگے
 آپ سے عفو کی ہے اب درخواست
 آپ نے قیس مجھ کو کر دیں معاف
 میں نے بے حد خراب حرکت کی
 میں نے جو کچھ کہا، کہا ہے دروغ
 آپ اب اندر اپنا دل نہ دکھائیں
 باوفا ہے ابھی وہ پردہ نشین

صحرا کی زمین کو کر کے گھر نگ
 دجاں پارہ و جامہ پارہ پارہ
 مجنوں کا، جو دشت میں تھا پامال
 مجنوں کا ہر ایک طرح ججنال
 کچھ اور نہ کہے رواروی میں
 وہ سوچ رہا تھا اب برابر
 گرٹ جائے اسی گھڑی وہ بیکسر
 پھرتیس سے یوں ہوا وہ گویا

کاش گرٹ جاؤں اس گھڑی زندہ
 درد اپنا بتا نہیں سکتا!
 وجہ کوئی نظر نہیں آتی۔!
 دست بستہ کھڑا ہوں اس لمحے
 جو کہوں گا سوا بہوں گا راست
 مجھ پہ جاری ہو آپ کا لطاف
 آپ کا دل دکھا دیا یونہی
 جھوٹ کو کب ہوا جہاں میں فروغ
 جو ہوا اس کو بھول ہی جائیں
 آپ یوں غم زدہ نہ خوار و حزن

کیا تھا آغاز اور کیا انجام
 آپ کی یاد سے نہیں غافل
 آپ کی یاد کا سہارا ہے
 ہے بنا آپ کے وہاں اور کون؟
 یعنی ابن السلام و لیلیٰ کا
 وہ میاں بیوی ہیں نہیں باہم
 عہد ہے وہ نہ ہوں گے بے پردا
 صاف بس کہہ دیا اسی طے
 [نہیں ہے آمادہ]

ایک حرف غلطی شے ہے وصال
 صحبتِ دُختِ رز نہیں ممکن
 ساغرِ مے نہیں ہے آمادہ!
 ایسی ساعت نہ اسکو راس آئے
 گل نہ ہو پائیگی کبھی یہ کلی —!
 نہیں ہوگا کبھی کتاں تکرے
 راگِ سرگم سے دور بہتر ہے
 آسماں پر ہے اک گھٹا گھنگھڑ
 پر صدف چپ رہیگا ہونٹ سے
 گرچہ پروانہ جل ہی جائے گا

دل شکستہ ہے اب وہ دل آرام
 خود کشی پر ہے ان دنوں مائل
 اسکا دنیا میں یوں گزاریا ہے
 ہے وہاں اسکا آستان اور کون
 یہ تو یہ ہے کہ عقد ان کا ہوا
 ساتھ ہیں گو کہ دونوں وہ تاہم
 عقد کے باوجود بھی ان کا
 یعنی لیلیٰ نے اپنے شوہر سے
 لیلیٰ
 کچھ نہ سوچو نہ اب بچھاؤ جال
 نہیں آئیگا زیت میں وہ دن
 جھک نہ پائیگا شیشہ بادہ
 کوئی بلبل نہ گل کے پاس آئے
 لے صبا کوئی اور راہ بھلی
 کوششیں ماہتاب کر دیکھے
 غینچہ شبنم سے دور بہتر ہے
 چاند کے گھر نہ آئے کوئی چکور
 قطرہ نیساں اپنی کر دیکھے
 شمع کا دل پگھل نہ پائے گا

دلِ شیریں کبھی نہ ہو گا اسیر
کیوں ہو کوشش کوئی یہ نامعقول
تو نہ صیاد اپنا دام بچھاے
آگ ہی جب نہیں کہاں ہو دود
سرد ہے شعلہ، سرد احساسات
برق اسی کو جلا نہ پائے گی
ایسا شر ہو یہ غیر ممکن ہے
نہیں درکار ہے نہیں درکار
پر نہ نکلے گی سارے آواز!
حلقہ دار میں نہ آ پائے!
گرچہ خالی ہے صفحہ قرطاس
[بات نازک، کام مشکل]

بات کہہ دی ہے اور کیا میں کہوں
معا کہہ دیا بغیر حجاب
پھر بھی کہنے کا حوصلہ تو کیا
اپنا دامن مجھے بچانا تھا
منہ سے نکلے نہ بات بے ہودہ
اسکو درکار ابے معافی ہے

لاکھ فرہاد لائے جوئے شیر
جب ہدف تیر کو کرے نہ قبول
کوئی طائر جب اس کی سمت نہ آئے
دھل کی کوششیں ہیں سب بے سود
جان آہن ہیں سرد ہیں جذبات
آشیانے کو کھانے پائے گی
زلف سر ہو یہ غیر ممکن ہے
ہے یہ کشتی جسے کوئی پتوار
دیکھے کر کے جتن سار نواز
کوئی مجسم کو لاکھ دار پہ لائے
لکھ نہ پائے کوئی بے ہوش خواص

شتر سوار

چند حرفوں میں میں سمجھتا ہوں
ہے یہ میرا خیال میں نے جناب
بات نازک تھی، کام مشکل تھا
راہ پُر خد ہو کے جانا تھا
تھا مسلسل خیال بس اس کا
بے ادب آپ کا یہ عاصی ہے

داستان گو

اک ایسی خبر جو تھی الم ناک

جب نشر ہوئی تو قصہ تھا پاک

باقی جو تھی اسکو کر دیا چاک
 بس لوٹنے لگ گیا وہ گھائل
 دل اس کا کباب ہو گیا تھا
 ٹوٹا سا رباب ہو گیا — تھا
 کشتی کا نہ کوئی نا خدا تھا
 روتا تھا کبھی، کبھی تو ہنستا
 تھا اس کی حیات کا جو طعنا
 ہر شے تھی نظر میں اسکی تارک
 تھی صرف سیاہی کچھ نہ تھا نور
 چلتا تھا کہ جیسے جاتا ہو نور
 اک تیکھا سوال بن گیا تھا
 گر پڑتا تھا ہو کے پھر سے بیہوش
 پس خوردہ ہوا تھا گوش تا گوش
 اشعار کچھ اپنی دھن میں گاتا

(شکایت از خال رخ یار)

خاموش سا اک درد ہے جو دل کو دیا ہے
 تیری ہی توجہ سے مری جاں پہ بن آئی
 بے سہ سنا میں نے کیا تو نے ہے ہر
 تو اپنے ہی گھر اپنے نگر خرم و خوش ہے
 آغوش میں اک شخص کی تو ہوگی درخشاں

مجھوں نے سنی، تو اپنی پوشاک
 پھر خاک پہ مثل مرغِ بسمل
 یوں اس پہ عذاب ہو گیا تھا
 دریا کا حباب ہو گیا تھا
 مونس تھا نہ کوئی ہم نوا تھا
 دافتادہ چو مرغِ پر فشا ندہ
 لب پر تھا فقط اسی کا چرچا
 تن ہو گیا بال سے بھی باریک
 جسم اسکا تھا جیسے کوئی تنور
 زخموں سے ہوا تھا سارا تن چور
 خواب و خیال بن گیا تھا
 آتا تھا اسے ذرا جو کچھ ہوش
 باقی نہ بچا تھا کچھ تن و توش
 اور پھر سے وہ ہوش میں جباتا

قمیس

اے حسن جہاں سوز یہ کیا تو نے کیا ہے
 اے خال رخ یار دہائی ہے دہائی
 اک سنگ گراں رکھ دیا تو نے مر دل پر
 وہ دقت ہے تو اپنے ہی گھر خرم و خوش ہے
 ہوگی کسی شانے پہ تری زلف پریشاں

انوارِ فضاں ہو گا جہیں کا ترے سورج
 سرنجِ حیا رخ پہ عیاں ہو رہی ہو گی
 کیا یا دبے ناچیز سے جو کچھ کہہا تھا
لیلیٰ مرنے کی ادایا دلاتا ہے ہیں عشق
قیس اربابِ جنوں ہم سے نہ ہونگے کبھی پیدا
 مگر تیرا اشارہ ہو تو ہم جان بھی دے دیں
 اس عشق کی ملتی ہی نہیں تھا ہ کہیں یار
 کیلا اپنے ہی تن پر چلے اس طرح سے جا رہا
 پہلو میں نئے یار کے تو آج ہے دلشاد
 تو یار سے اپنے ہوا اگر پھر سے ہم آغوش
 یوں ہر کس و نا کس کا کوئی دم نہیں بھرتا
 ہے دہریہ لے جان کوئی زخمشِ عیاں تاب
 جس روز کہ ہم نے تجھے دل اپنا دیا تھا
 ہو جائیگی اک غمیسر کی تو زینتِ پہلو
 خم ہے بھی کوئی جیسے ہے ابرو کا ترے خم
 ہر پھول کے لب پر ترے رخسار کی توصیف
 اک سرنجِ سی جوشِ کھلے کے اطمینان کی قبا ہے
 امانِ جوانِ سالِ تیرے درجے ہے لاغر
 اک تن ہی یہ کیا جان بھی ہو جائیگی صدقے

کہتا ہی ہو گا تجھے وہ "اے مرے سورج"
 ہر رات جواں اور جواں ہو رہی ہو گی
 تو بھول گئی ہے کہ تجھے یا دبے دعا
 آدابِ جنوں روز سکھاتا ہے ہیں عشق
 آئیگا جو کل اس کا تو نقشہ ہے ہویدا
 یہ جان تو کیا چیز ہے ایمان بھی دے دیں
 کیا علم نہیں بھکو یہ اک بحر ہے ذخائر
 کہ تلے کوئی روح کو اس طرح زود کوب
 کرتی ہی نہیں ہم سے پراووں کو کبھی یاد
 کہ ہم سے نہ عشاق کو لگا فراموش
 اینوں کو تو رسوا کوئی ایسے نہیں کرتا
 سکھاتا ہے جو فرد کو رفتار کے آداب
 اس دن ہمیں اس بات کا ہرگز نہ پتہ تھا
 اس غیر کے گھر ہو گی جنت تری خوشبو
 خم ہے مرنو پر ترے ابرو سے ہے کم کم
 ہر لعل کے لب پر ہے لبوں کی ترے تعریف
 دراصل ترے قمری رخ کی ہی اداس ہے
 منہ میں تو زباں ہے یہ بیاں ہے یہ قاصر
 لے جان جہاں آن بھی ہو جائیگی صدقے

تہ ہے یہ مرا یا کہ کسی تاک کا تنکا
 دہلیز میں افسردہ پٹری خاک کا تنکا
 اک پھونک سے ہی تن مرا اڑ جاے ہوا میں
 وہ حال ہوا ہجر میں میرا کہ کہوں کیا
 خود آپ ہی اپنے سے ملاقات ہے کم کم
 ہم آج اگر خوار و زبوں ہیں تو کرم کرم
 ہم تیرے ہی گلشن سے جوال ہو کے میں نکلے
 اے وعدہ شکن آج بھی ہم دہریہ ہیں
 ہو جاتا ہے جب عہد شکن گل کوئی ہنم
 رکھی تھیں دل زار نے کیا کیا نہ امیدیں
 جو کچھ بھی ہوا خیر کسی ہو گلہ کیا
 مارا چہ اذین قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت
 رنجیدہ ہوں، غلگین ہوں، ناشاد بہت ہوں
 پیوست ہے اے جان ترا غم مرے دل میں

داستان گو

مجنوں کی بوجہ سو گواہی
 دل اس کے پند کا بھی تھا بھاری
 یوسف سے بہت تھا دور یعقوب
 لگتا نہ تھا شہ کا دل کہیں بھی

آنکھوں سے رشکِ خوں تھے جاری
 بھولا تھا وہ اپنی شہر یاری
 بے جرم ہی وہ ہوا تھا معقوب
 تھا آہ سے قلب اسکا چھلنی

رونے سے بھی ہو نہ پاتی سیری
 زندگی کا بدن ہے گا کالا !
 'دشنگ آئندہ' آئندہ زخود جنگ،
 جس میں نہ رہا ہو کوئی آہنگ
 اس کے ہی پسر کی تھی عنایت
 ٹوٹا ہوا ساز بے سر راگ
 تھا کیسا لگاؤ تھی یہ اک لاگ
 درکھول کے گھر کا اور دریچہ (ق)
 ماں باپ کو کر کے بے سہارا
 تھے چرخ وہ ان کا تھا ستارا
 صورت کو ترس رہے تھے اسکی
 خم سے بھی الگ ہوئے ہیں ابرو
 ہے زینت اگر تو ہے تنکا پورا !
 بخون کا پد رکھا گو کہ پامال !
 اور آس کو چھوڑتا وہ کیسے (ق)
 سر کتنے ہی معرکے کئے تھے
 پیری میں دکھائی یوں شجاعت
 دوپیل تنوں کو لے کے ہمراہ
 روشن تھی پسر کی قلب میں چاہ

تھی روح میں اس کی تنگی سی
 دھونے سے نہ کچھ ہے ہونے والا
 جانا کہ یہ ہے سراپہ تنگ
 وہ ٹوٹ گیا تھا جیسے اک چنگ
 اندوہ تھا دل میں اک سرایت
 گھر کے ہی چراغ کی تھی یہ آگ
 بیٹے نے لیا جو ایسے بیراگ
 سوچا نہ کچھ اس نے آگ کا پیچھا
 وہ جانبِ دشت ہی سدھارا
 دریا تھے، وہ ان کا تھا کنار
 قسمت جو گہن میں آگئی تھی
 گل سے بھی جدا ہوئی ہے خوشبو
 اور حسن سے دور کب ہیں نہرو
 گوحد سے ضعیف تھا زبوں حال
 پر آس نہ چھوڑی اس جبری نے
 دکھ جھیلے تھے اس نے ہستے ہستے
 اس طرح بڑھائی خود کی ہمت
 اٹھ ہاتھ میں لے عصا چلا شاہ
 بے نور تھی دشت کی گذر گاہ

تاریکی میں ڈھونڈنے نظر کو !!!
 ہر جادہ اسی کو ڈھونڈتا تھا
 اک صبح وہ اک جگہ پہ پہنچا
 دوزخ، کہ جہاں تھا قیس برباد
 ڈھانچہ تھا وہاں اک استخوان کا
 اپنے ہی خیال میں مگن تھا !!
 بیگانہ از جہانِ مستی !
 آگاہ نہ تھا اصولِ رم سے
 اس دشتِ ستم میں صبح دم
 تھی سر پہ کلاہ اور سر پہ
 تھا دشت میں اس کا حال ایسا
 نو عمر وہ لگ رہا تھا بوڑھا
 نخاس میں ستا یک گیا قیس
 اور آنکھ کھلی تو اس نے یکبار
 پیری سے تھے جو نزار اور زار
 کچھ ایسے کہ لگ گئی جھڑی سی
 باہم تھے شکایت اور شکوے
 مل بیٹھے وہ حالِ دل سنانے
 تب شاہ نے یوں زبان کھولی

پس چل پڑا دیکھنے پسر کو
 'برگشت بگرد کوہ و صحرا'
 ڈھونڈا کیا پرستہ نہ پایا
 کہتے تھے جسے عقوبت آباد
 دیکھا جو ادھر تو بس یہ پایا
 اٹھتا تھا کبھی، کبھی تھا گرتا
 دآوارہ از جہانِ ہستی
 چلتا تھا کبھی سبک قدم سے
 رونق تھی اسی کے دم قدم سے
 اک سانپ کی طرح پیچ در پیچ
 و افتادہ شکستہ، ہوشِ رفته،
 لا ریب یہ شہ کا ہی پسر تھا
 اک کوہ پہ جا کے ٹپک گیا قیس
 کچھ دیر میں جب ہوا وہ ہشیار
 دیکھا کہ پلک کھڑے ہیں غمخوار
 آنکھوں سے ہوئے سرشک جاری
 دونو ہی گلے ملے لپٹ کے
 راحت ہوئی جب دلوں کو قدر
 جب قیس نے دل کی بات کہہ دی

(بے تعبیر خواب)

یہ سمندر دشت اور اس دشت کے لسیل و نہار
 بے حسی اور سرد مہری میں نہیں جس کا جواب
 ایک سناٹا ازل سے ہے جہاں پر حکمران
 ہے یہ وہ محرائے عالی شان جو بے نود ہے
 کیا کہیں کیا چیز ہے اس دشت کی آب و ہوا
 آج تک جسکو نہیں معلوم کیا شے ہے بہار
 تو ہے، بالو ہے، طیش ہے، تشنگی ہے، دھول ہے

ریت اور حرف ریت کا یہ بحر ناپید اکنار
 جسکو کوئی پڑھ نہ پایا آج تک ایسی کتاب
 خامشی جسکے حدود اربعہ میں نو حسہ خواں
 ہے یہ وہ فردوس اس دنیا کی جو بے جور ہے
 ایک موسم وہ بھی بس موسم ہے تابستان کا
 میں نگوئے کیا چمن کرتا ہے کیوں سولہ نگہار
 اس بیاباں میں سرایت ایک ایسا غول ہے

(ق)

غول جو برباد کر دیتا ہے ہر تعمیر کو
 آہیں پاتا یہاں پر کاروانِ نو بہار
 اسکا انسون، اسکا جادو، اسکا سحر، اسکا ظلم
 ہے یہ وہ محرا کہ یکسر گر چکی ہے جسکی ساکھ
 غیر تو میں غیر انہوں سے بھی ہے جسکو حجاب
 بے مروت ہے تو افسدہ تہی دست و بخیل
 ہے یہ بہرائے الخورہ اور بے صوت و زباں
 شک فطرت، نامشخص، زرد دین، آتش مزاج
 دشت جو تاراج کر دیتا ہے ہر تخلیق کو
 بے سرو ساماں ہے یہ محرائے ناپید اکنار

جو لٹے پھر تلہے ہر سو برہنہ شمشیر کو!
 آہ بھی جائے تو پتہ پاتا نہیں گلغدار
 روح جسکی کر چکی پرواز ہے اک ایسا جسم
 جو جلا کر خاک کر دیتا ہے یا ہر شے کو راکھ
 ایک مفلس تنگ چشتی میں نہیں جسکا جواب
 جو کسی کو دے نہ پائے ایک بھی برگِ غنیل
 بے تعلق، پر تکبر، بد مزاج و سرگراں!
 جو ہر اک جاندار سے لیتا ہے ناجائز خراج
 خاک کر دیتا ہے ہر مسلم کو ہر زندیق کو!
 جو ہر اک دامن کو کر دیتا ہے پل میں تار تار

دشت کی اس سلطنت پر ہے تمہارا اقتدار
 سنگ خارہ ریت، آندھی دھوپ، گرمی خار
 تم نے ہی سمجھا ہے بس اس دشت کا جغرافیہ
 ایک تم واقف ہو باقی سب ہیں سرگرداں سے
 کیمیا جس نے سکھایا تم کو لے جان پیدر
 بزم تنہائی یہاں تم نے ہی کی آراستہ!
 جس کے باعث شہر کی آب و ہوا آئی نہ اس
 اس جہاں میں ہو چکی ہے وہ پرانی ایک شے
 دن کے اس جگ مک جملے میں کئی دیکھتے خواب
 رقص کرنا چاہتے ہو یادوں میں زنجیر ہے!
 اک شجر مندر ہے وہ جسکو چھوٹے گناہ!
 رات دن اسکی حفاظت کیلئے ہے ایک خار
 تم پر جو گذری ہے اسکو دوسرے احوال کو!
 اک نوائے سوختہ یا اک نغاں زیرِ گلہ
 یار کی منزل کڑی ہے عشق کا رستہ ہے سخت
 ایک دامانِ دریدہ، اک گریباں چاک چاک
 دیدہ نمناک، آہِ سرد، جسمِ دماغِ داغ
 کچھ نہیں ہے اب تمہارے پاس تجز خوفِ ہراس
 کونسی وحشت ہے جو اس دل کے صحرائیں نہیں

اس بیاباں کے ہوائے لختِ جگر تم تاجدار
 ہے رعیت میں تمہاری ان جفاؤں کا شمار
 اچھے اچھوں کا کیل ہے تنگ اس نے قافیہ
 ہے ریاضی وہ کہ جس کے نفع و نقصان سے
 اسکی خاکستر میں جلتے ہیں نہاں وہ کیسا زہر
 تم یہاں آئے نہیں ہو با دلِ نا خواستہ
 تم نے جسکی وجہ سے پہنچا جنوں کا یہ لباس
 تم کو اب وہ مل نہیں سکتی تمہیں کیا علم ہے
 جسکی خاطر تم نے تیک اٹھائے تھے غلاب
 اس سنہرے خواب کی کیا سچ ہی تعبیر ہے؟
 اٹھ کہاں سکتی ہے اس پر بے ادب کی نگاہ
 اب بھی ہے وہ پھول سارے ہی چین کا تاجدار
 جلتے ہیں اہل دل عشاق کی اشکال کو
 تہ لے پھرتے ہو اس دنیائے دلوں کو بکو
 تم لے پھرتے ہو دلتے سے جگر اک لختِ لخت
 تم لے پھرتے ہو دل میں دردِ ادھر کے پر خاک
 حشرِ سامانِ روزگار آرزو، آشفہ دماغ
 بے سرو سامان ہوتے آرزو باقی نہ اس
 کونسی خفت ہے جو آنسو کے دریا میں نہیں

لے پھر سحر میں بس تم خاک ڈالتے جاؤ گے
 جوڑ کر پلے میں مارا پر خن نے تم پر وہ تیر
 اُس طرف دیکھو رواں کیسی ہے رودِ تیز گام
 کانپتی ہے جب اُڑتا ہے طوفانِ سیاہ
 ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتا ہے کوہِ سخت کو
 ان مظاہرِ کپسی کا بھی نہیں ہے اختیار
 غم کا آخر ایک دن ہو تلہ ہے قصہ مختصر
 ایک لگ بھی وطن ہو تلہ ہے لے لختِ جگر
 میں یہاں آیا ہوں جو ہے میرے دل کا دعا
 آج کی عمت میں ہوں ایک بھٹاسا چراغ
 ہو تمہاری زندگی پر سایہ آسودگی
 وقت باقی ہے ابھی تم بات میری مان لو
 اب بھی کچھ بگڑا نہیں تم ساتھ آ جاؤ میرے
 پیشتر اسکے بھی دواک بار بے نیل مرام
 میں نے اس سے قبل بھی کوشش ہی ہر بار کی
 آہِ بخوردار لیکن تم نے چپ ہی سادہ لی
 آج لے نورِ نظر ہے زرد میرا آفتاب
 پیشتر اس کے کہ بجھ جا کر شمعِ حیات
 سن رہا ہوں فلک سے آج آوازِ رحیل
 خوف ہے مجھ کو کہیں ایسا نہ ہو جب آئے

جھکو پانا چاہتے تھے اسکو کیا تم یاد گے ؟
 آج تک خود چرخ نے پیدائش کی جھکی نظیر
 چیز دیتی ہے جو ریل کو لگ کو کرتی ہے خام
 کر کے رکھ دیتا ہے اسکو ریل برباد و تباہ
 زلزلہ آ کر ہلا دیتا ہے اسکے تخت کو
 کس لئے ناخوش ہو کوئی کس لئے ہو سو گوار
 ہے ازل سے تو یہی دستور ہے جانِ پیر
 آدمی ہو کیوں وطن کو بھول بیٹھے ہو ادھر
 میں نے اس دم چند حرفوں ہی میں تم سے کہہ دیا
 چاہتا ہوں مجھ کو ہو آلام سے حامل فراغ
 آج ہو ناشاد لیکن کل میسر ہو خوشی
 ہر جہاں ہی کیا ہے جو میری بات پر تم دھیان دو
 مان جاؤ لے پھر تم ساتھ اب آؤ مرے
 جا چکا ہوں میں یہاں سے یکے اک سودا خام
 تم کو دکھلاؤں کہ کیا ہوتی ہے راہِ راستی
 مدد اس دم اور کچھ ہوتی تمہاری زندگی
 ہو چکا ہوں جاں بلب اور کھو چکا ہوں آفتاب
 دوسرا مجھ کو آؤ تھاں لو تم میرا راست
 ہے یہ آوازِ بیشک میری رخصت کی دھمیل
 تم کو لے جانِ پیر اسکی خبر تک ہو نہ پاس

[عشقِ لیلیٰ جس نے تن بدن پھونک دیلے]

دور ہے یار منزل کئی کو کس ہے
آپ جو چاہتے ہیں وہ ہو گا نہیں
اور ہوگی اگر جان مٹ جائے گی
نام لیلیٰ ہے کیا کوئی حرفِ غلط
جس کو جب چاہے لکھ دے مُلکے کوئی
صرف لیلیٰ ہی لیلیٰ ہے اب سامنے
جاگزیں دل میں ہے صرف لیلیٰ کا غم
لوگ اکثر یہ کہتے ہیں لیلیٰ مری
لوگ کہتے ہیں وہ ایک ایسی ہے شے
اور کہنا ہے لوگوں کا جسم حین
اُن بھی سے کہوں گا میں یہ باادب
صرف اس پر ہی کرتے نہ یوں اکتفا
لوگ جو کچھ بھی کہتے ہیں سب ٹھیک ہے
اک تمدن ہے وہ ایک تہذیب ہے
اک نفاست ہے اور ایک پاکیزگی
ہے علامت وہ اس دہر میں نور کی
ہے اشارت وہ مریم کی تقدیس کی
ہے وہ اک ایسی ہستی والا صفات

مجھ کو اس بات کا سخت افسوس ہے
ہو سکی ہے جدا جسم سے جاں کہیں
ہے وہ بازی جو پھر خود ہی بیٹ جائیگی
نام لیلیٰ ہے کیا اک تخیل فقط
جس کو جب چاہے دل سے بھلائے کوئی
آندھیوں کو نہ جائے کوئی تھلنے!
علیٰ زیبا کا لولوئے لالا کا غم!
ان نواحوں میں ہے اک پری تاف کی
تن ہی تن ہے نقطِ جسم ہی جسم ہے
اسکا ایسا ہے جیسا کسی کا نہیں
بات منہ سے نکالیں نہ یوں بے سبب
اس سے آگے بھی کہتے کر لیلیٰ ہے کیا
اس سے بڑھ کر ہے لیلیٰ کوئی اور شے
جو کہ گتلخ ہیں ان کو تا دیب ہے
اک فصاحت ہے اور ایک شائستگی
ہے ضیانت وہ اک شعلہ طور کی!
ہے طہارت وہ معصوم بقیس کی -
ویسی کوئی نہیں ڈھونڈ لیں شش جہات

جل رہا جو مصر میں ایسا دیا — !
 ہے وہ سورج کی تابش، قمر کی ضیا
 حسن کے جس کے شہزادے، تانق
 برق کی چشمکوں میں ہے چھپل دی
 اور تریا کے ماتھے کی تابندگی — !
 یا لہکتی فضاؤں کی ہیکار سے
 سرے پائیک فقط ناز ہی ناز ہے
 یعنی اب اس کی تعریف ہو اور کیا!
 اس کے آگے نگوں سرے دنیا دوں
 عشقِ لیلیٰ کو لوں جان و تن یخِ دوں
 ہر سمندر ہے یخِ براعظم ہے یخِ
 عشق کے سامنے یخِ افلاک ہے
 نام ہی پر مرے قرعہ فال ہے!
 میرے سورج ہیں آپ اور میری سحر
 آپ کی ذات ہے قابلِ احترام
 میرا اپنا نہیں کچھ، نہ کسی کچھ مرا!
 بخش دیں مجھ کو میں نے کیا جو قصور
 کھا چکا مغزِ ابد پی چکا جس کا رس

ہے وہ گلِ کاسم، سحر کی ضیاء
 صبح کے ہاتھ پر ہے وہ رنگِ حنا
 شام کے کالے گیسو میں پھولی شفق
 ہے گھٹاؤں کی آنکھوں کا جل دی
 سازِ ناپید کی ہے وہ اک نغمگی
 دشت میں وہ پرندوں کی چہکار ہے
 ہر شبِ تار کا سربستہ اک راز ہے
 الغرض اس کی توصیف ہو اور کیا
 بات کو مختصر کر کے اتنا کہوں
 ایک جذبہ بھی دے کر میں دنیا لوں
 عشق کے سامنے ایک عالم ہے یخِ
 اپنی ہستی کو میں نے کیا خاک ہے
 آج کے دن یہ ناچیز کا حال ہے
 علم ہے مجھ کے ہیں آپ میرے پدر
 آپ آقا میرے آپ کا میں غلام
 میری رگ رگ میں جولاں ہے توں آپ کا
 ریزہ چیں ہوں میں بس آپ ہی کا حضور
 خریزہ ہوں میں ایسا کہ جکا مگس

ہے مناسب یہی شکم دیں تراش
اور اس طرح کر دیں مجھے تاش تاش
نواستگار معافی ہوں اے محترم
میں ہوں واللہ محتاجِ نظرِ کرم !
جس گھڑی مجھ پہ اٹھ جائے گی نظر
جس نظر کا ہوں مدت سے میں منتظر
ایک ساعت میں ہر کام بن جائے گا
روح کھل جائیگی دل سکون پائے گا
آپ کی گفتگو جیسے بانگِ درا
آپ کی گفتگو جیسے بانگِ درا
آپ نے جو بھی پسند و نصائح دیئے
اُن کو ناحیسز نے حرزِ جان کر لئے
ہیں چراغِ دل افرزدہ سارے ہی پسند
یاد رکھنے کے ہیں روزِ سارے ہی پسند

شاہ

(مستزاد)

جو بھی کہتا تھا مجھے آج کے دن جانِ پیر
میں نے کہہ ڈالا مگر اتنا کہو لگا اب اور
اس کا افسوس ہے لیکن کہ اثر کچھ بھی نہیں !
تم سُنو یا نہ سُنو نہ مرضِ ادا میں نے کیا
اس گہنگار کے ہوٹوں پہ یہی اب ہے دعا
زلزلے آئیں مگر تم پہ کوئی آہِ نہ آئے
بجلیاں ٹوٹیں مگر تم کو نہ ہو کوئی گزند
آئیں سو طرح کے راہِ ہولِ تہوارے آسیب
میرا رب ہر نظرِ بد سے بچائے تم کو
کوئی رنجش کوئی صدمہ کوئی دکھ پاس نہ آئے
سیلِ غم آئے مگر چھو نہ سکے ایک بھی موج
اے مرے لختِ جگر
بات ہے قابلِ غور
ایسا ہوتا ہے کہیں
جو بھی دینا تھا دیا
سُن لے اے میرے خدا
کوئی شر تم کو نہ ڈھائے
راہ کوئی نہ ہو بند
تم نہ کھاؤ گے فریب
تم کو تکلیف نہ ہو
تم کو اللہ بچائے
ہو تمہارا وہ اوج

ہو خدا کی رحمت
 بال نہ ہو دے بیکا
 دور ہر غم بھاگے
 تم کو چاہے وہ علیم
 شاد و آباد رہو
 خیر کو اپناؤ
 تو نبوت کھو دی
 راز افشا نہ بنے!
 اور نہ آہیں بھرنا
 ہے یہ ابلیس صفت
 جو تم مت سہنا
 جو پھرے آدارہ
 ہو سدا بر سر کار
 ایسا ملتا ہے کہیں
 رقص میں ہے وہ شرور
 لطف بھی اسکا ہے قہر
 بیک کے رہنا بسیار
 جو اثر الائے گہر

آندھیاں آئیں مگر تم پہ نہ آئے آفت
 آئیں آلام پہ محفوظ رکھے تم کو خدا
 رب تمہیں اپنے سدا حفظ مہلماں میں رکھے
 ہے دعائیری نگہبازاں ہو سدا رب کریم
 اپنے معبود کو اب سو نہ رہا ہوں تم کو
 نیک رستے پہ چلو دور بدی سے جاؤ
 پیرِ نوح نے جب صحبت بد اپنائی
 کوہ سے راز کہو گونج کے واپس آئے!
 راز افشا نہ کبھی دل کا کسی پر کرنا!
 دہراک دیو ہے اک دیو فرشتہ صفت
 اسکے شر اس کی ذالمت سے نہ غافل رہنا
 مرد بیکار ہے مانند خیر نا کارہ
 اس چمن زار میں ہر گز نہ رہو تم بیکار (ق)
 اس جہاں میں کوئی آسودہ نہیں کوئی نہیں
 برق کو دیکھو کہ اک لمحہ نہیں اسکو قرار (ق)
 آہ اک رہ گذر سبیلِ حوادث ہے یہ دہر
 اس جہاں والہاں کے الطاف سے رہنا ہشیار
 میں تو اس شخص کی تعریف کروں گا یکسر
 (ق)

گر چہ ہوں سو پہرے
دے خدادہ حُرّت
چمکو مہ کی صورت
کار گہر شیشہ گراں
یا کسی دوش پہ بار
ہنیں لیتے خراج
عرش کا دُنبالہ
سامنے کون آیا ؟
شاہِ گیتی بن جاؤ

قیمتی، خسرو پر دیز کے گینچے سے
تم کسی کام میں ہرگز نہ برتنا غفلت
تم کھلو گلشنِ دنیا میں گلِ ترکِ صفت
تاکہ خوشبو سے تمہاری یہ معطر ہو جہاں (ق)
ہو کبھی ایسی نہ صورت کہ بنو باج گزار
کوئی فاتح کسی دیرانے سے لیتا نہیں (ق)
آسمان سات ہیں کل جو ہیں بلند و بالا
لیچ تک کوئی انھیں مات نہیں دے پایا (ق)
تم بھی اس دہر میں ایسے ہی مناسب پاؤ

(خدا حافظ !)

قیس

اے مرے مہرباں خدا حافظ	اے مرے قدرداں خدا حافظ
عشق کے راز داں خدا حافظ	عقل کے ہم زباں خدا حافظ
اے مرے سائبان خدا حافظ	اے مرے پاسبان خدا حافظ
اے مرے آسماں خدا حافظ	تھیں دعائیں ہیں مری مجموع
اے مرے گلستاں خدا حافظ	میرا غنچہ ہیں یہ پھول بنا
اے مرے نوحہ خواں خدا حافظ	تو مرے حال پر تھا گریہ کن
اے مرے آسماں خدا حافظ	تجھ پہ میں چاند بن کے چمکا تھا
پر تو قدسیاں خدا حافظ	باعثِ ناز ہے تری تقدیس
اب ہوں محوِ فغاں خدا حافظ	گرد کو بھی میں پاسکانہ تری

دولتِ دو جہاں خدا حافظ
 اے مری کھکشاں خدا حافظ
 اے مرے آسیاں خدا حافظ
 میرے سبیلِ رواں خدا حافظ
 میری عمرِ رواں خدا حافظ
 نازش کا رواں خدا حافظ
 کر دیا نیم جاں خدا حافظ
 اے دلِ ناتواں خدا حافظ
 دشتِ سودا نشاں خدا حافظ
 چشم ہے خوچکا خدا حافظ
 نہیں تاب بیا خدا حافظ
 ختم ہے داستاں خدا حافظ

تو کہ تھا گنجِ شاہگاہ یعنی
 میں ہوں تیرا ہی بزمِ ادنیٰ سا
 برق تجھ کو کبھی جلا نہ سکی
 تجھ میں میں خنک ایک تنکا تھا
 میری رگِ رگ میں ہے لہو تیرا
 تری آواز تھی کہ بانگِ درا
 اس غمِ روزگار نے تجھ کو
 ہے نہ طاقت نہ ہے توانائی
 جلتے جلتے تو کہہ رہا ہے یہی
 آگئی ہے گم طریِ جدائی کی
 بات کو طول ہے نہ پاؤں لگا
 اے خدیوِ فلک اب آخر کار

داستانِ گو

تب لے کے مقرر ہوں کو ہمراہ !
 رخصت ہوئے بن سے شاہِ ذبیحہ
 کر پائے نہ تھے شکافِ ریل میں
 لیکن نہ ہوا یہ خوابِ یلورا
 اب تھا فقط ایک ہی سہارا
 یعنی کہ ہوں اس جہاں سے رخصت

اُس دشت کی پاسکے نہ کچھ تھاہ
 جس راہ سے آئے ل دہی راہ
 اک آگ آگ رہی تھی دل میں
 چاہا تھا کہ ہو عصا پر رکا
 تھا ساتھ عصا ہے چوبِ صحرا
 موت آئے وہ ہوں یہاں سے رخصت

سینے میں بپا تھی ایک ہلچل
 کیوں آج نہ ہو جو ہونا ہے کل
 کتنے ہی گئے ہیں یاں سے پیاسے
 اور سینے میں خواہشوں کے طوفان
 دسوا س، تردد اور خلجان
 دنیا کی روشنی یہی رہی ہے
 شہ اپنے صدر مقام پہنچے
 اور پھر وہ جہان سے بڑھا رہے
 تھے دو نو ہی ہاتھ ان کے خالی
 یعقوب کا اٹھ گیا تھا سایا
 بڑھتا ہی چلا تھا اسکا سودا
 تھی آگ مگر کہیں نہ تھا دود
 انوار کی چاندنی بچھاتی
 ہر خار کی تیخ کو پلاتی
 ہو جاتی تھی دور سرگراں
 ہو جاتا تھا گنگ ایک عالم
 صحرائی گلوں کے ساغر جسم -
 دی رات کو صبح نے جوئی مات
 صیاد تھا ایک مرد آزاد

شہ سوچ میں تھے ہی سلسل -
 بے چین تھے بے قرار ، بیکل
 ہے موت علاجِ غم سدا سے
 لے کر گئے دل میں کتنے ارمان
 لے کر ہی سدھارے کتنے انجان
 یہ بات کسی نے یوں کہی ہے
 القصہ بڑی ہی دقتوں سے
 کچھ دن یوں ہی قصر میں بستے
 رخصت ہوئے بادشاہ عالی
 یوسف کو ابھی پتہ نہیں تھا
 آشفۃ تھا درمیانِ صحرا
 لمحات گذر رہے تھے بے سود
 اُس دشت میں صبح جب بھی آتی
 ہرزہ دشت - کو جلاتی
 کروں کا سنہر - اصف پانی
 کھل جاتا تھا جب سحر کا پرچم
 بھر دیتی تھی اپنی مے سے شبنم
 اک روز طالع ہر کے سات
 اُس دشت میں آیا ایک صیاد

بیٹھا تھا کوئی تباہ و برباد
 ندیدہ و خشنک ابرو
 اس دشت ستم میں پیسہ ہن چاک
 تھا تیس جسے تھا انا دراک
 اس عالم انس و جاں میں کیا ہے !
 ہے خستہ، خراب تیس مظلوم
 ہے اسکی ہر اک امید معدوم
 لہجے سے عیاں تھی ناگواری

صیاد (تالین کا شیر)

صد حیف کہ مادر نہ پدر کی ہے تجھے یاد
 پیشہ ہے ہی میرا کہ صیاد ہوں آخر
 سو چاہتا کہ صحرا میں شکار اسکا میں کر کے
 مل جائیں گے کچھ دام تو پیٹ اپنا بھر دنگا
 یہو نچا جو ادھر دیکھا کہ آشفہ کوئی ہے
 نومید، نکو امیدہ، نکھارا ہوا غم کا
 لے تیس یہاں خاک پہ تیرا ہی لمبوس ہے !
 تالین کا تو شیر ہے جو ہے مرے آگے
 کچھ اپنے پید کا بھی پتہ ہے کہ نہیں ہے
 لیلیٰ ہی فقط کیل ہے تری زینت کا مقصد !

دیکھا کہ لئے لبوں پہ فریاد
 نومید، نزار، سر بزانو
 بیٹھا تھا جو خستہ حال و غمناک
 پہنے ہوئے خاک و خون کی پوشاک
 لیلیٰ کے سوا جہاں میں کیا ہے
 صیاد کو پس ہوا یہ معلوم
 چہرے پہ فقط یاس مرقوم
 صیاد کی بات میں تھی تلخی

اے بے جس در سوا پسراے ناخلف اولاد
 اس دشت میں آیا تھا میں اک صید کی خاطر
 آیا تھا میں لپکا ہوا اک شیر کے پیچھے
 بیچو نگا اسے اور گذراپنی کرو نگا
 اس شیر بیاباں کے تعاقب میں پیلیے
 بٹھا ہوا، ٹوٹا ہوا، مارا ہوا غم کا
 دیکھا جو ذرا پاس سے پایا کہ یہ تو ہے
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے پیچھے
 کچھ تجھ کو سحر کا بھی پتہ ہے کہ نہیں ہے
 اک زن ہی فقط کیا ہے ترے فکر کی سرحد

رسوا ہوا شہر دہریں تیرے ہی سبب
اس دہریں کیا کیا نہ سہی اس نے اذیت
بدنام ہوا، خوار ہوا ساتھ ہی رسوا
تھا اسکو ترا تھکو کسی غیر کا سودا
جو فخر ہوں اجداد کے ہوتے ہیں پیوت اور
اک فلسفی ہند نے کیا بات کہی ہے
فلسفی ہند

پوت ہو پیوت تو دھن کا ہے گو
صیاد

ہے تیرے پدر کی یہی اب ایک نشانی
جاتا ہے زیارت کو وہاں ایک زمانہ
کچھ شرم و تداامت بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے
ہے شرم تو جھانک اپنے گریباں میں ذرا تو
اُس قبر پہ جا مانگ لے تو دل سے معافی

داستان گو

جیسے ہی خبر سنی یہ جانکا
تھی تیس کے غم کی پھر نہ کچھ تھا
گھٹنے لگا اسکے تن کا ڈھانچہ
سیاہ صفت وہ ہو گیا تھا

منہ اپنا چھپاتا رہا اس وجہ سے سب سے
اور اس پر پڑی شہر میں کیا کیا نہ مصیبت
سودا یہ ہر کیف پڑا ہے تجھے ہنگامہ
تمت نے تجھے لاکے بہت دور ہے مارا
اب آئیں نہ اس دہریں تجھ جیسے کچھ اور

صدیوں سے زمانے کی یہی ریت ہی ہے!
پوت ہو پکوت تو دھن کا ہے گو!

تربت ہے نقطہ خاک کی لے باپ کے جانی
اس خاک میں مدفون ہے بے مثل خزانہ
اُس نام کی حرمت بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے
اس نام کی باقی ہے ہوا میں ابھی خوشبو
اس روح مقدس کیلئے ہے یہی کافی!

دنیا سے سدا ہمارے شاہ زیب
نکلی دل سوختہ سے اک آہ
جڑنے لگا خود کو ہی طپا پنچہ
آرام و قرار بھول بیٹھا !!

اس درجہ ہوا وہ دل گرفتہ
 پھر اٹھ کے ادھر ہوا ردا نہ
 جب باپ کی قبر پر وہ بے آس
 جس طرح کہ کھایا ہوا الماس
 اک چشم زدن میں داغی آغوش
 جب اٹھا اڑائی سر پہ کچھ خاک
 پھر خون کی لالہ رنگ پوشاک
 تھا کوئی نہ ہم صغیر اسکا
 لکھی تھی : بین پرستی
 قسمت میں تھی پیش و پس خرابی
 غم خوار نہ تھا کوئی جہاں میں
 کچھ اتنے سرشک خوں بہائے
 جب دل سے نکل رہی تھی ہائے
 اور مثلِ سراب تھا وہ مضطر

(طلبِ گارِ غفو)

میں

بہنے لگا آنسوؤں کا دریا
 مد فون جہاں تھا وہ خزانہ
 آیا تو فقط یہی تھا احساس
 دنیا نہیں آس کی اسے راس
 تربت پہ گرا وہ ہو کے بیہوش
 دامن کو اپنے کر دیا چاک !
 پہنی مجنوں نے ہو کے بے باک
 اب تھا نہ کوئی نصیر اسکا
 تھی دشتِ ستم کی دستگیری
 ہر شے مذموم ہو گئی تھی
 باقی نہ مزا تھا داستاں میں
 مجنوں نے، کہ بحر و بحر نہائے
 آہوں کے چراغ جھللائے
 یعنی کہ اک استخوان کا پیکر

میرے غم خوار مرے راہ نامیہ پر
 مل نہیں پایا مجھے آج تک اپنا سرِ غ
 مغزِ آشفہ لئے سینہ صد چاک لئے
 کوئی فردا ہے مرا اور نہ کوئی امروز

ج میں آیا ہوں تربت پہ تری خاک بسر
 میں کہ آیا ہوں جلّائے ہوئے آہوں کے چراغ
 دل پر سوز لئے دیدہ نمناک لئے
 خونچکاں آج ہیں اس دہر میں میرے شبِ بعد

ایک تو یاد اور و مخوار تھا اس دنیا میں
 غیر ممکن ہے کہ میں تجھ کو بھلا دوں بابا
 شہد بھی سم ہے مرا تلخ ہے میرا شیریں
 ضبط کرتا ہی نہیں دل کو کروں کیا تاکید
 ہے خجل اپنے کئے پر یہ غریب خاکی
 زندگی لائق بخشش تو نہیں ہے میری
 میں نے اپنائی نشیوں میں ادھر راہ مجاز
 میں نے دیرانی میں ایام گزارے بہات
 التجا ہے مرے ہر جرم کو کرسے تو معاف!
 زار ہوں، خوار ہوں، رسوا سر بازار ہوں میں
 لطف تیرا مجھے مل جائے تو ہو سہل یہ سب!
 چاک کر ڈالا اگر یہ بان مری وحشت نے
 اتنا لاغر ہوں کہ باقی نہ تو اس ہے نہ تاب
 اک دھواں اٹھتا ہے فریا دکنان اٹھتا ہے
 زخم دل سیتا ہوں اور خون جگر پیتا ہوں
 ایک فقط قیسِ حزیں نوحہ کنائے باقی!

تو مر اتا فسلہ سالار تھا اس دنیا میں
 کس طرف جاؤں کہاں تجھ کو صدا دے بابا
 حالِ زارِ پیرت شاہ تو بر خیز و بسیں
 دستگیری سے تری آج ہوا ہوں نوید
 آج شرمندہ و نادم ہے مری گستاخی
 میں نہ چل پایا کبھی راہِ طریقت تیری
 تو حقیقت کی بلندی پہ رہا سرفراز
 تو نے چاہا تھا ہو آراستہ اک بزمِ نشات
 میں کہ آیا ہوں تری خاک کا کرنے کو طواف
 اپنے جرم اپنے گناہوں کا گرفتار ہوں میں
 مجھ کو ڈر ہے مجھے ماخوذ کر لگا مارا رب
 تیرا کہ سینے پر مارا ہے تری رحلت نے
 سینہ زخمی ہے جگر سوختہ اور دل ہے کباب
 جس طرف دیکھے آہوں کا دھواں اٹھتا ہے
 اک نظر دیکھ لے کس طرح سے میں جیتا ہوں
 کوئی الفاظ نہ اب تابِ بیاں ہے باقی

داستانِ گو

تارے سر آسماں ہیں جتنے
 طوفان اٹھا ہے تھکے کتنے

مجنوں نے بہائے اشک اتنے
 آنکھوں سے یہ بہنے والے فتنے

کچھ دیر میں رک گئی جو برسات
 تب بسترِ خاک سے وہ غمناک
 غمخوار پید ہے تو دہ خاک
 روتا ہوا چل پڑا وہاں سے
 راہی ہوا وہ سوئے بیاباں
 ہر شب زفران بیت خواناں
 تھا جو کہ صدر مقام اس کا
 صحرا کہ جہاں عیاں تھی زنجیر
 چلتی تھی جہاں پہ لو کی شمشیر
 دمی کرد ہماں سرشک باری
 دمی رفت چو باد در بیاباں
 آشفۃ، نزار، چاک داماں
 مشفق تھا نہ کوئی نہر باں تھا
 اُس دشت میں بھی جانور تھے
 بنجاروں کی طرح در بدر تھے
 القصۃ یہ دشتیان صحرا -
 کافی تھے درندگانِ خونخوار
 سگ بھی تھے پلنگ بھی بطوار
 دایشاں ہمہ گشتہ بندہ نرمان

معمول پہ آئے قدرے حالات
 اٹھائے قلب میں یہ ادراک
 اولاد ہے خود وہ جسکی ناپاک
 واقف نہ تھا نفع و زیان سے
 آنکھوں کا لہو تھا اسکے ارزاں
 پہنچا وہ اسی جگہ شتا باں
 آشفۃ و جنوں کا صحرا
 تھی جس پہ رتم جنوں کی تحریر
 جس دشت میں تھی طیش جہانگیر
 اما بہ طریق سو گواہی
 اتنا ہی تھا اس کا ساز و ساماں
 دشت زدہ، سوختہ پریشاں
 صحرا میں جنوں کا کارواں تھا
 سب قیس کے واسطے خضر تھے
 حالانکہ وہ خود ہی بے بھر تھے
 آزاد تھے درمیان صحرا
 چیتے بگاتھے، شیر بھی تھے بسیار
 رو باہ بھی گرگ بھی سیہ کار
 ادبر ہمہ شاہ چو سلیمان

اور میمنہ نے بھی باری باری
 بڑے کی پلنگ پر عمارتی
 گوزن سے زراہِ دوستانہ
 معروف جو تھا بنامِ مہر و
 تھا دشت میں جس کا ذکر ہر شو
 کہنے کو نہیں کچھ اور باقی
 شائستہ و اشرفِ دُخوش آواز
 تھا سامنے اب وہی فوں ساز
 بردے نظر سے تمام تر داشت
 اس درجہ کہ وہ بغیر اس کے!
 بس ایسے ہی دن گذر رہے تھے
 لیتا تھا وہ اس ہرن کے بوسے
 اس بات پہ سب کو تھا اچھٹھا
 میلان ہے دونوں میں یہ کیسا؟
 ملتے ہی کہاں ہیں ایسے آدم؟
 اللہ تھا جن کا رہ میں ناصرب
 بتا تھا جہاں پہ قیسِ عامر۔
 خوراکِ طعام میں سے اپنے!
 پر قیس نے اس سے کچھ نہ چکھا

خرگوش نے گرگ سے کی یاری
 کی گردنِ شیر پر سوار
 چیتے کی تھی صلحِ مخلصانہ
 ان جانوروں میں تھا اک آہو
 تھا فہم و خرد سے جوارِ سطو
 کیا اور بیاں صفت ہوا سکی
 مستغنی، خجستہ و سرافراز
 مشہور تھے جس کے ناز و انداز
 و مجنوں کہ بہ آہوں نظر داشت
 مانوس ہوا وہ اس ہرن سے
 رہتا نہ الگ تھا چند لمحے
 لیلیٰ کو سدا ہی یاد کر کے
 لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا
 رشتہ سایہ آدم اور ہرن کا
 ہوتے ہیں جہاں میں ایسے کم کم
 تھے راہِ سپاہِ کچھ ماسفر
 اس دشت میں تھا جو دشتِ قاہر
 دی قیس کو ان ماسفروں نے
 پکوان: تھا گو بہت مزے کا

بھوکا ہی رہا یہ کچھ نہ کھایا
کوزے میں جو لے کے آئے دیا
برتاؤ ہوا جو ساتھ ان کے

پدا ہی درندوں کو کھلایا -
ممنون تھا ان مسافروں کا
مشکور ہوئے سبھی درندے
بس ایک ہی لحن میں وہ بولے

اے تمہیں خدا نوازے

درند -

کیا بھول سکیں گے ہم وہ جواں؟

ہم پر جو کیا ہے تم نے احساں

کایت

اسے لوگ کہتے تھے شاہِ جہاں
اٹھاتا تھا جب تیغ کاری تھی ضرب
فن نیزہ بازی میں وہ طاق تھا!
گر جت تھا وہ جنگ میں مثل شیر
محل میں تھی ان کی رہائش الگ
تو کرتا خیالِ جفا بادشاہ

سنہ ہے کہیں تھا کوئی حکمراں
بہت اسکو آتے تھے آئینِ حرب
وہ اک تیسرا اندازِ مشاق تھا
بلا کا مبارز، بلا کا دلیر
رکھے اس نے تھے چند خونخوار سگ
جو ہوتا کسی سے خفا بادشاہ
غلاموں کو پس حکم دیتا تھا شاہ

حکمران

کرو پہلے اس دُزد کا رویہ
یہ پچھنے گا پر کان تم مت دھرو
کردا اسکو فی السّار جینے نہ دو
بہت خوش خصل اُل بڑانیک تھا
رعیت تھی حیراں جنہیں دیکھ کر

تب اس کی ذرا گوشتالی کرد
پھر اسکو سگوں کے حوالے کرد
ندیموں میں شہ کے جواں ایک تھا
اسے یاد تھے اتنے سارے ہنر

مگر شاہ کے ظلم سے تھے اسے (ق) کئی قسم کے ڈر کئی دسو سے !
 کہ اک دن وہ بیگانہ ہو جائیگا
 کہ بے جرم ہی وہ سزا پائیگا !
 سحر گاہ اک بڑہ گو سفند -
 علاوہ ازیں ساتھ میں مرغ چند
 وہ کتوں کے کمرے میں رکھ دیتا تھا
 بہم کرتا تھا ان کو عمدہ غذا
 یہ ہر روز کا اسکا دستور تھا
 ہر اک سگ بہت اس کا مشکور تھا
 نگوں سر تھا اس نوجواں کے حضور
 وہ اندیشہ اس نوجواں کو جو تھا
 ہوا بادشاہ ایک شب خشناک - کہا

حکمران
 یہ ہے مابدولت کی آنکھوں میں خار
 کہ دواس شخص کا قصہ پاک -
 کہ یہ نوجواں ہے بہت بدشعار
 سنا حکم حاکم تو بولے رقیب -

رقیب
 غلاموں نے پس حکم جو نہی سنا
 ہے مرگِ مفاجات اسکا نصیب
 سگوں کے خرابے میں پینے کا اے
 کسے اسکے زنجیر سے دستِ پیا
 نکل آیا مشرق سے سورج ادھر
 انھیں کیا غرض تھی جتنے یامرے
 اٹھا بستر عیش سے بادشاہ
 گئی رات سچ دھج کے آئی سحر
 دل میں اپنے پشیاں ہوا
 اسیوں لگا جیسے دن ہو سیہ
 پھر اپنے ندیموں سے گویا ہوا
 کہا خود سے تو نے یہ بیجا کیا !
 بہت دکھ ہے جو کچھ کہ ہم نے کیا
حکمران

کہ بیجا ہوا اس کی جاں کا زیاں
وہ گلفام بس یونہی مارا گیا
بہت بے گنہ اور معصوم تھا
رکھا ہم نے ظلم اس پہ ایسا روا
ذرا اس پہ دیکھیں کہ بیٹی ہے کیا
کیا کیا ہے کتوں نے اس سے سلوک
پیشیاں شہنشاہ ہے سر بسر
نہایت ادب سے وہ گویا ہوا

نہیں تھا خطا کا روہ نوجوان
ہمارے اشارے پہ وارا گیا
نہایت غریب اور مظلوم تھا
کڑی مابدولت نے دے دی سزا
ہر کیف جو بھی ہوا سو ہوا
مٹی کس طرح سے درندوں کی بھوک
ملی جو نہی سگیاں کو یہ خبر۔
وہ شہ کے حضور آیا بھاگا ہوا

سگیاں

غلام آپ کے شتری اور دہر
نہ ظلم الہی کو پہنچے گز نہ
سراسر جوان جو کہ تھا بے قصور
بفضل خدا وہ ابھی ہے حیات۔
تو دیکھیں گے اسکا سگون سے بناہ
کہ ہو چاند جیسے ستاروں کے بیچ
وہ بھوکے ہیں پھر بھی ہیں ہر طرح مست
بینیں اس کے سر کا اب سر پرست
ہوئی حد سے زائد مرست اسے
کہ تا اور ہوا اس جوان پر نہ ظلم

شہنشاہ ذیجاہ، خاتان دہر
مراتب ہوں سرکار کے اور بلند
سزا جو کل لاش دی تھی حضور
جو ہے نیک خواہر عالی صفات
ذرا آئیں گمراہ تھ ظلم الہ
وہ ہے ایسے ان جاں سپاروں کی طرح
ہیں دندانِ مگ الغرض ہر بہت
وہ معصوم ہے اک فرشتہ صفت
خبر جب سنی یہ شہنشاہ نے
دیا اس کی فوری رہائی کا حکم

وہ تو قیصر و عزت سے لایا گیا !
ہوا دور کیسے تمہارا وبال ؟

اسے پیشِ حاکم بلایا گیا
جب آیا، کیا شاہ نے یہ سوال

حکمران

نوجوان

کہ جس نے نئی زندگی کی عطا
پیامِ حیات آپ ہی سے ملا
رکھا ان درندوں کو دل سے نہ دور
نوالہ مرغِ ن کھلایا — انھیں
ہے نیکی کا بدلہ بہر حال نیک
تو اس میں کہاں ہے کسی کا ضرر
پرندے، چرندے، درندے سلام
بہت ناتواں اس کا ایمان ہے !
کریں ہم نہ نیکی میں کچھ پیش دیں
جہاں تک ہو ممکن کریں اس کو شاد
مزداس پہ کچھ غور فرمائیے
یہ لعنت ہے اور طور ہے نامراد

کردں پہلے میں شکرِ ایزداد
کردں شکر یہ آپ کا پھر ادا
سبب بس یہی ہے کہ میں نے حضور
کلیجے سے اپنے لگایا انھیں
سبق اس سے مجھ کو ملا اور ایک
کوے صلحِ سگ استخوان سے اگر
کہ کرتے ہیں منعم کو اپنے تمام
پہ احساں فراموش انسان ہے
مری عرض کا مدعا ہے یہ بس
کریں اپنے محسن کو ہم دل سے یاد
یہاں التجا ہے حضور آپ سے
کہیں سگ پرستی کو اب خیر یاد

داستان گو

مجنوں کے سلوک بھی یوں ہی تھے
اس کو نہ تھا کچھ گزند ان سے
سب رام تھے وحشیانِ صحرا

اس دشت کی حد میں رہتے تھے
تھے اس پہ بھی مہرباں درندے
ہر گام تھے وحشیانِ صحرا

اک صبح تھی ہر طرح دل آویز
تھاقیں ازل سے ہی سحر خمیز
لمحات سحر کے تھے فسوں ریز
اس پر جو اثر کیا سحر نے
تنہائی پسند اور کم آ میز
پھر حمد کے پھوٹ نکلے جھرنے

حمد (برلب قیس)

مرے خالق اے میرے پروردگار!
نہیں ہے کہیں تجھ سے برتر کوئی
خداوند اے میرے آمرزگار!
تری ہی ولایت ہیں فتح و ظفر
تھی سے مرا دل ہوا زور مند
ترا نام سرنامہ نام ہے
تو ہی عقل کل ہے تو ہی عشق ہے
تو ہے میرے رب خالق العالمین
ترے حکم ہی سے بنے انس و جن
تو ہی کار فرما تو ہی کار ساز
تو ہے میرے رب احسن الخالقین
کرم سب پہ ہے ذات باری ترا
تو اپنی صفت ہی سے موصوف ہے
بھی کچھ ہی تیرا ہے میرا یہاں
تو صاحب ہے لے احکم الحاکمین
نہیں بھی تیرا کوئی شریک
خداوند اے میرے آمرزگار!
نہیں تیرا ثانی نہ ہمسر کوئی
ترے حکم میں شام ہو یا سحر
تھی سے مرا حوصلہ ہے بلند
ترا نام ہر دل پہ ارقام ہے
نہیں تجھ سے افضل کوئی شے
تو مختار کل مالک یوم دین
یہ شام و سحر، دوپہر و رات دن
زیاں اور منافع سے تو بے نیاز
ترا ہی سہارا چبل الملتین
ہے سرچشمہ فیض جاری ترا
ازل تا ابد تو ہی معرفت ہے
ہے مطلق ہر اک امر تیرا یہاں
نہیں کوئی تجھ سا کہیں بالیقین
ترے در سے ہی سب کو ملتی ہے بھیک

ہے جبکہ بھی عالم سرا میں وجود ہے جس کے بھی سر کو غرور سجود
جو سر اور کوئی در نہیں جانتا (قہ) ترے آستان تیرے در کے سوا
اُسی کیلئے ہے یہاں عز و جہاہ اُسی سر کو بخشی ہے تو نے کلاہ
ہیں رطب اللساں سب زمین آسماں تری مدح میں شاہ کون و مکاں
تراور دہے رات دن صبح و شام ہماری زباں پر بشرِ خاص و عام
ترے حکم سے خالق کائنات جہاں میں ہے کارِ جہاں کو ثبات
تو گم کردہ راہ کو دکھا تلے راہ اندھیرے سے دیتا ہے تو انتباہ
تو ہے آفرینندہ دوز و شب ہمارے لبوں پر دعا ہے یہ اب

کہ اے میرے رب پاک پروردگار
کرم کی نظر کر کہ بیڑا ہو پار !

حکایت

کہتے ہیں کہ تھا یمن میں اک شاہ اس ملک میں تھا نہ کوئی گمراہ
خرم تھی رعیت اور خوش حال تھا سب کو ملامت عار اور مال
دربار میں اک روز شہ کے گویا ہوا اک وزیر ادب سے
وزیر یمن

اے بادشاہ عالیٰ صاحبقران ثانی اے بے کیوں کے دالیٰ رحم و کرم کے بانی
اے تاجدارِ خلقت اے مالکِ ریاست ظلِ اللہ تجھ کو کہتی ہے سب رعیت
دشت و دمن پہ شاہ ہے تیری ہی خلافت لوگ شاد و خوش ہیں یہ تیری ہی عنایت
جو گنگ ہیں جہاں ان کا ہے تو مرنی جو کور ہیں یہاں کے ان کی ہے تو تجلی

ہے نام قیس اس کا پھرتا ہے چا داما
 صحرائے نجد میں ہے شوریدگی سے منجوں
 ہے علم و فضل و فن سے اسکا قریبی رشتہ
 تیری ہمیں رعایا گودہ ہے غیر ملکی !
 آرزو آسماں ہے افسردہ ہر درویش
 لگتا ہے یوں کہ جیسے ہو خلق سار کا بسل
 اکرام دیں اسے ہم عزت اسکو لائیں

لیکن خبر ملی ہے اک شخص ہے پرشیا
 سودائی ہے کسی کا ہے وہ غریب محزون
 ہے باکمال بے حدودہ شخص دل گرفتہ
 گرچہ وہ مملکت کا تیری نہیں ہے شہری
 پھر بھی خبر یہ سنکر سب ہو گئے ہیں غلگس
 گر آنکھ ایک بھی ہو نہ اے امیر عادل
 پس حکم شدہ اگر ہو اسکو یہاں بلالیں
شاہِ مین

مملکت میں نہیں کوئی دلگیر
 حبِ توفیق ہے سبھی کو اوج
 نہ تو خوفِ مال بلبُل کو — !
 خرم و شاد ہے ہر اک انسان
 ہے پریشان اور سرگرداں
 ایک صحرا میں لے لیا بیراگ !
 قیس کو لائے کوئی جلد ذرا
 حکام گئے سوئے بیاباں !
 یعنی کہ جوانِ تند خو کو
 منجوں سے جو چپ کھڑا ہوا تھا

خوش ہیں ہم اے ذریعہ باتدبیر
 یاں کسی کو نہیں ہے بیم موج
 نہ تو توشیحِ خسار ہے، گل کو
 ہم کو سنکر ہوا یہ اطمینان
 لیکن افسوس ایک شخص جو ال
 ترک کی اس نے اختیار کی باگ
 اب ہے یہ حکم مابدِ دولت کا
دائستاق گوا سننے ہی امیر کا یہ فرماں
 لے آئے وہ قیسِ پرشیا رو کو
 پس شاہِ مین ہوا یہ گویا
شاہِ مین

سراپوں کی بیکار ہے جستجو

سراپوں کی کرتا ہے تو آرزو

گنوائی ہے انسان کی آبرو
تری آنکھ کیا دیکھ پاتی نہیں
ہتی دست ہے تیری خالی ہے جیب
بسیرا کیا جو بیا بان میں

جو اپنائی تونے بہاؤ کی تو
ذرا بھی تجھے شرم آتی نہیں
یہ کاوش تری ہے سراسر فریب
خرابی تھی کیا نفسِ انسان میں

قیس

ہے یہ رسوائی عالم غریب الدیار
یعنی لعنت ملامت کالے بادشاہ
دشت و دریں ہے بدنام جس کا جنوں
مرحطے کر لئے آپ نے یونہی طے

آپ کے سامنے ہے جو یہ خاکسار
اک ہدف ہے شرارت کالے بادشاہ
اک زمانے سے ہے یونہی خوار و زبور
لیکن اس بات کا مجھ کو افسوس ہے

(ق)

تیر کھٹے بنا خاک چھلنے بغیر
جھوٹ کو کب ہوا دہریں ہے فروغ
ہے غزل کی زباں میں مگر حبِ حال
تاکہ وارنہ ہوا اس سے مرا ماجرا

مجھ پہ بیٹی ہے کیا اس کو جا بغیر
عشق میرا نہیں لے مکرم دروغ
ایک شعر حیں جو کہ ہے بے مثال
پیش کرتا ہوں گر ہو اجازت عطا

وَسَبَّ صَدِيقِي لَا مَنِي فِي وِدَادِهَا
أَلَمْ يَرِدْهَا يَوْمَ فَيُوضَحْ لِي عُنْدَ سِرِّي

عرض کرتا ہوں شاعر کا اب مدعا
بھیجتے مجھ پہ لعنت ہو کیوں دوستو
اے اپنا لیا کیا فقط اس لئے
میری دلبر کو تم نے نہارا بھی ہے؟

غور فرمائیں مضمون پر اک ذرا
جھکو کرتے ملامت ہو کیوں دوستو
عشق میں نے کیا، کیا فقط اس لئے
دلِ ستاں کو مرے تم نے دیکھا بھی؟

کاش اک بار ہی دیکھ لیتے اسے عذر کی کوئی حاجت نہ ہوتی مجھ
مہا قدرے تفصیل سے کہہ دیا میں نے شاعر کا اس وقت اے شاہ
نظم اک اور کرتا ہوں پیش اب یہاں ہے تو قلم لیکن ہے معنی عیاں

نظم

طعنہ زن مجھ پہ ہیں جو میرے یار دیکھ لیتے وہ تیسرا رخ اے کاش!
ایک پل میں بجائے لیوں کے بے خرابنا ہاتھ لیتے تراش.

فَذَا لِكُلِّ الَّذِي لَمْتَنِي فَنِيْب

ہے یہی شخص اور ہے یہ ہستی وہی جگہ کو طعنہ دیئے اور ملامت بھی کی
جب تیس نے اپنی کہہ سنائی دیکھیں تو سہی کہ ہے وہ کیا شے
دیکھیں تو سہی ہم اسکی صورت ایسے جو اٹھ رہی ہے فتنے
سوچا کیا شاہ چند لمحے گویا ہوا پھر حواریوں سے

شاہِ یمن

اس امر کی جاننے حقیقت۔۔۔ اب چاہتے ہیں یہ مابدولت
لے آؤ یہاں پر تم بسرعت لیلیٰ کو تباختار و حرم۔۔۔
تم برق کے ہر کار جادو جادو جادو
اس لعلِ یمن کو لے کے آؤ

نور اُہی ہوئے یمن سے راہی
دردشت و دمن مشالِ ثور شد
لیلیٰ کی تھی کھوج ان کو بے شک
ہو ہی گئے کامیاب آخر
لائے لیلیٰ کو اپنے ہمراہ۔!
ذیجاہ کے سامنے اسے لائے
لیکن کیا شکل پر تامل۔!

پس سن کے یہ حکم کچھ سپاہی
راجائے عرب سپاہی بگر دید
پہنچے وہ قبائلِ عرب تک
تھے فرض میں اپنے وہ نہ قاصر
تھا قتلہ کوہ بھی پیر کاہ
پھر شاہ کے سامنے اسے لائے
پہلے پڑھا شہ نے سورہ قتل

(ق)

منزل کہ جو تیس کو تھی مقصود
دیکھا تو ضرور اک نظر سے
وہ شہ کے لئے حقیر شے تھی
پھر تیس سے یوں ہوا وہ گویا

لیلیٰ کی جو سامنے تھی موجود
لیلیٰ کے جمال کو ملک نے
شکل اس کی مگر ذرا نہ بھائی
اک سوچ میں غرق ہو گیا تھا

شاہِ یمن

شہرِ ادنیانے سن رکھا تھا
ہے جس کے حضور ہر نظر پست
ہے تیسرے خیال کا جو محور
کرتے ہیں جو اس طرح کے چرچے
صد حیف تو بے نظر ہے اے تیس
یہ حسن نہیں مبالغہ ہے

کیا ہے یہ وہی سین جس کا
کیا ہے یہ وہی نگارِ سرمست
کیا ہے یہ وہی عروسی دلبر
ہیں لوگ بھی کیا عجب جہاں کے
صد حیف تو بے بصر ہے اے تیس
یہ عشق نہ سین ہے عارضہ ہے

افسوس تجھے نہیں یہ معلوم
دنیا نہیں ایک دن پہ موقوف
تابندہ ہیں ان گنت شرارے
شاخوں پہ ہیں کتنے ہی شگوفے
بے نور نہیں کوئی شہستان —
نے ساز ہے اور نہ راگ باقی !
جذبے ترے ہو چکے ہیں سب سرد
گل چہرا ہزار ناز نہیں — !
رکھتے ہیں حشرم میں مابدولت

سچ یہ ہے میرے دل کو برمایا — !
مجھ کو آتی نہیں ہے لاف و گزاف
سرسری اس جہاں سے گزرے
آپ کو کچھ پتہ چلا ہی نہیں — !
آپ خود ہی تو بے بصیرت ہیں
چاک دامن کے کیسے سلتے ہیں
ہے ہنشتہ کہ ہے گلِ شبو؟
تان قمری کی ہے کہ ببل کی؟
برق اک ناگہاں بھی آتی ہے !

افسوس تو کس قدر ہے معصوم
آہو نہیں اک ختن پہ موقوف (ق)
ہیں رقص میں جانے کتنے شعلے
ہیں باغ میں جانے پھول کتنے
شمعیں ہیں ہزار ہا فروزاں
تجھ میں نہیں حیف آگ باقی
سچ بات یہ ہے کہ اے جہاں گرد
یسا سے حسین تر کنیزیں
جن کا ہے جمال اک قیامت
قیس

آپ نے جو بھی کچھ ہے فرمایا
میری گستاخیوں کو کر دیں معاف
آپ اس گستاخان — گندے
آپ نے یاں پہ کچھ کیا ہی نہیں
بالمشافہ ہی کہوں گا میں —
گلِ گلستاں میں کیے کھلتے ہیں
کون سے گل کی کیسے ہے خوشبو
کون سی پتھر مٹی ہے کس گل کی
فصل گل پر خزاں بھی آتی ہے

کون لیتا ہے کیسے کسی خراج؟
 رنگ کا کا رواں بھی اٹھتا ہے!
 جانتے کچھ نہیں ہیں اس کے سوا
 اہل باطن کو جس کا ہے
 آپ خوشبو کا علم کر سکتے
 جو چٹانوں کا چیر جائے جگر
 ہر کہتاں میں ایک روح رواں
 آپ اس فیض سے ہیں بے بہرہ
 اس لئے آپ کو پتہ ہی نہیں!
 راگ با افتخار پوشیدہ
 آپ کی آگ میں نہیں وہ شر
 خاک کر دیتا ہے جو فداں کو
 آپ کے پاس ایسا نور نہیں
 جو اتر جائے قلب کے اندر
 'تاتہ بخشد خطائے بخشنده'
 درد ایا کہ جیسے ہو سیما
 آپ کے پاس اسکا ہے فقدان
 دیکھئے اس کو چشم مجھوں سے
 ڈھونڈیئے کوئی اور ہی مضمون

کیسے ہوتا ہے گلستاں تاراج
 گلستاں سے دھواں بھی اٹھتا ہے
 ظاہری حسن پر ہیں آپ فدا
 باطنی حسن بھی تو ہے اک (ق)سے
 دل میں غنچے کے گر اتر سکتے
 آپ کے پاس ہے کہاں وہ نظر
 اور دیکھے کوئی صنم پنهان (ق)
 ہے سماعت پہ آپ کے بہرہ
 آپ اس جس سے آشنا ہی نہیں (ق)
 ساز میں ہیں ہزار پوشیدہ
 آپ کی پشت میں نہیں وہ نظر
 پھونک دیتا ہے جو گلستاں کو
 آپ کا اس میں کچھ تصور نہیں
 جو اندھیروں کا چیر جائے جگر (ق)
 کب ہوئی کوئی شمع تابندہ
 وہ خلش جس سے روح ہو بیتاب
 آپ کو وہ ملا نہیں فیضان
 ایسے لیلیٰ کو خوار مت کیجئے
 اے ایسے نہ کیجئے مطعون

اسکو اس طرح کیجئے نہ ذلیل
آپ کا بالیقین شاہِ یمن - (ق)
آپ اللہ اس - کرم کیجئے
» یہاں بہتر کہ لیلیٰ در بیاں جلوہ گر باشد
دل ہے ناساز اور ذہنِ علیل
اور منہ سے نکالئے نہ سخن !
خاموشی اختیار کر لیجئے
نزار و رنگ سے شیر تابِ حسنِ صحرائی (صبا)

کایت

کہتے ہیں شہرِ عدن میں تھا کوئی عطر فروش
نہ خوشبو میں کوئی بھی نہ تھا اسکا ہمسر
یہ کہا کرتے تھے اس شہر کے کچھ عطر فروش
عطر شاہ اس
محظا اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
گلستاںوں میں طرب خیز بہت سے گل ہیں
پھول جو در تنگ کھلتے ہیں پیلے پیلے
جسم جن پھولوں کے ہیں نرم، ملائم، کو مل
پھول کھلتے ہیں گلستاں میں بہت سے مشک
موگرا، رات کی رات گل مٹی جیت کوئل
نترن، جو ہی، گل کاسنی، کیسر، سیا
نازنینانِ حین لالہ و نسربن و گلاب
بات پس اہل نظر سے رہیں پوشیدہ بعید
ان دنوں شہرِ عدن میں تھا فقط اک عطار
کم سخن، دل کا غنی، طبع سے بید خاموش
تھا زمانے کے صدف کا وہی یکتا گوہر
ہم سند دیتے ہیں بلِ جل کے بصد ہوش و حواس
کوئی عطار کہہ میں ہو گا نہ پیدا ایسا !
عطر بیز اور دل آویز بہت سے گل ہیں
کاسنی، اودے، ہرے، چمپی، نیلے نیلے !
جس طرح کوئی پری جیسے کوئی حرفِ غزل
نافہ بو، نرگس و شبو، گل داؤد و سمن
لیلیٰ، نخل میں ہے ڈالے ہو گمنہ پر اسنجل
جیسے گلزار میں خوشبو کا لگا ہو میلہ
گلشنِ دہر نے پیدا نہ کیا جن کا جواب
عطر ہو تا نہیں گلزار کے ہر گل کے کشید
نام اس ماہر فن کا فضل بنِ غفار

عطر گل، عطر حن، عطر عروس، عطر سرگ
 خس بھی تھا اور شامہ بھی اسی کی ریحان
 الغرض دہر میں اس جیسے کہاں تھے عطار
 ایک دن عطر کی صندوقچی وہ لیکے چلا
 اور پہنچتے ہی وہاں کھول دی خوشبو دکان
 اسکی زنبیل میں تھے عطر نہ جانے کتنے
 جیسے ہی طبلہ عطار کھلا دیسے ہی
 اور کف دستہ پہ شیشی سے نکالا قدرے
 ذائقہ عطر کا لیکن انھیں آیا نہ پسند
 چونکہ تھا طبع سے سنجیدہ و خاموش فصل
 اسلئے پل میں دکان اپنی بڑھا کر دکان سے
 فصل بن غفار۔

(خود کلامی)

ایسے تھے طبلہ عطار میں کچھ ادب بھی راگ
 مشک بھی تھا اسی عطار کا اک خانہ زاد
 نہ تو آئے نہ کبھی پائیں گے دیسے زہار
 اور اک گاؤں میں وہ تاجر خوشبو پہنچا
 جوت جوت آئے وہاں گاؤں کے سب جوان
 عطر کے اس کے بچانے تھے دو انے کتنے
 گاؤں والوں نے ہر اک عطر کی شیشی کھولی
 اور پھر عطر بہت شوق سے دیکھا جھک کے
 بے مزا ہو کے اسے تھوکا بہ آواز بلند!!
 اہل دیہات سے کچھ کہنا بھی تھا طول امل
 اپنے ہی آپ میں کہنے لگا چلتے چلتے!

نہ ملک پائیں جہاں انسان کے پاؤں
 بہت سے شہر اور ایسے علاقے
 سمجھ رکھتے ہیں جو خاصی بھلی سی!
 یہاں کا دن الگ ہے رات ہے اور
 نہ کجاہل جیسے سب اس گاؤں والے
 نہ یہ واسطہ ان کو کسی سے

عجب بستی ہے یعنی یہ عجب۔ گاؤں
 بہت دیکھے ہیں میں نے گاؤں قصبے
 جہاں پر لوگ ہیں اچھے بُرے بھی
 مگر اس گاؤں کی ثبات ہے اور
 یہاں کے سارے باشندے نرالے
 نہ تہذیب اور نہ شائستگی سے

زباں ایسی کہ کہتے ہیں یہ کیوں بے؟
 اگر اس گاؤں میں آئے وہ کم سن
 عرب میں چین میں ہندوستان میں
 کہ جو ہے چار سو عالم میں مشہور
 یہ دیہاتی کہیں گے

ہم کو نا بھائی

یہ عورت شیر افکن کون آئی
 ہیں بال اسکے کپانی پر ہو کائی
 ہے ہر اک ہونٹ اسکا موٹا موٹا
 بھرے سے گال ایسے جیسے دو ناخ
 ہیں اصلی دانت منہ میں جیسے چوکا
 جواں ہے یا کہ یہ عورت ہے بدھی
 بڑا سا اس کی گردن پر مہاسا
 یہ چلتے ہیں لگاتی خود کو بے ایر
 سمجھ سکتے نہیں یہ گاؤں و اسی
 مرض ہے ایک ہی اور ایک ہی روگ
 کہوں گا گاؤں دی احمق انھیں میں

ہیں بے بہرہ یہ ہر اک اچھی شے سے
 ادھر سے لیل گذرے گر کسی - دن
 وہ لیل جسکا ہے شہر ا جہاں میں
 کہ جسکا حسن حسن پر تو طور
 اگر تقدیر لیلیٰ کو یہاں لائی

دیہاتی

ادھر دیکھو یہ جشن کون آئی
 عجب مخلوق قدرت نے بنائی
 نہایت بد وضع ہے اسکا ماتھا
 ہیں اسکی ناک میں کیسے یہ سوراخ
 نظر آتا ہے منہ بس پو پلا سا
 ہے اس کی کس قدر بھونڈی سی ٹھڈی
 غصہ تیس پر گلا بھی بے سراسا
 یہ اسکا قد کہ جیسے تار کا پیٹ
 غرض لیلیٰ کے اعلیٰ حسن کو بھی
 ڈھلے ہیں ایک ہی سلنچے میں سب لوگ
 یہ پیدائش سے ہی سب نا سمجھ ہیں

داستان گو

اور قیس کا جذبہ تشکر

اک روز تھا محمد کا سا اثر

دل اسکا سکون سے ہوا بے
 کچھ دیر کے بعد سو گیا تیس
 بخت اسکا درخت بن گیا تھا
 خوش سیر زمین اک پر ندا
 تھا تیس کا بخت سعد اور نیک
 برج اٹھا فضا میں اک نیا ساز
 پھر شاخ سے کر گیا وہ پرواز
 نیچے کو گرا دہن سے موتی!
 تھا تیس خوش کھویا کھویا
 اک تاج زمین پہن رکھا تھا
 اک آن میں کوہ نور گر کر
 مجنوں کے لئے تھی ساعتِ عید
 لایا خوردِ شہِ مرثدہ دید
 شادی بخیاں یا بنجواب اس
 لیل کے خیال میں تھا ڈوبا
 بہت تھا اک آنسوؤں کا دریا
 اور منہ شہسوار اک آیا!
 شاداں تھا بہت پہاڑی سرور
 بچوں دید کہ آواز رہ دور
 رہوار سے یوں ہوا وہ گویا!

حاصل ہوا اس کو قیمتی دُر
 پس دل کے سکون میں کھو گیا تیس
 اس حال میں خواب اس نے دیکھا
 اس پیر کی شاخ پر تھا بیٹھا
 منقار میں جس کی تھا گہرا ایک
 نعماتِ سحر کا درہ ہوا باز
 طائر کی تھی دل گداز آواز
 اڑتے ہی کھلی زبان جو نہی
 اُس پیڑ کے نیچے ایسا وہ
 اُس خواب میں اس نے خود کو دیکھا
 اُس تاج پہ جم گیا راسِ راسر
 مشرق کے افق سے نکلا خوردِ شید
 حاصل ہوئی اس کو غیبی تائید
 دردِ عشق کہ وصل تنگ یاب است
 اک صبح وہ کوہ پر تھا بیٹھا
 دل اس کا کباب ہو گیا تھا
 دیکھا کہ غبار سا اک اٹھا
 رہوار تھا ایک پارہ نور
 تھا فرق پہ گری میں مشہور
 مجنوں اپنی جگہ سے اٹھا

[خوش آمدید]

خوش آمدید نوجوان تیغ زن خوش آمدید
تمہاری وجہ سے رہیگا یادگار آفتاب
گزر چکی ہے بیشتر جو کچھ رہی ہے وہ کم
دگر نہ اگ ہے تھے کیسے دیول دشت میں

خوش آمدید شہسوار صف شکن خوش آمدید
تمہاری وجہ سے بنیگا غمگار آفتاب
مری حیات میں نہیں ہے کچھ بجز مرثک غم
جو آگئے ہو تم تو کھل گئے ہیں پھول دشت میں

تم آگئے کہ کھل گیا ہے جیسے آس کا چین
تم آگئے کہ تیز ہو گئی نوائے زخمرن
کوئی پیام لائے ہو تم اے شہسوار

تم آگئے کہ کھل گیا ہے نائے خشن
تم آگئے کہ سج گئی ہے آرزو کی انجن
بخلنے مجھ کو کیوں یہ لگ رہا ہے آج بار بار

[حسین قیامت]

شہسوار

دشت کی ہر اک کلفت آپ ہی کو سہا ہے
بات ہے تو کہنے کو اصل میں ہے وہ سوغات
اک حسین قیامت کو میں نے دیکھا ہے مجنوں
جسکی تو ایسی تھی جگمگا اٹھی تھی — راہ
بس یہی کہوں گا میں تمہیں کمال کی آنکھیں
میم سادہن اسکا چاند کی طرح ماتھا
دل پہ دار کر جائیں تیر نیم کش نظریں
تھے شراب سے بھر پوراں لبوں کچے پیمانے
اک چہان سے ناراض اپنے آپ سے نیراز
کھولتا سا اک لاوہ بولتا سا اک ہندیاں

اک سخن نہ نہ رہا آپ ہی سے کہتا ہے
گر مجھے اجازت ہو آپ سے کہوں وہ بات
شاہراہ اعظم پر وہ سپار تھا پارسوں
ماند جس کے آگے تھا حسن نجم دہر و ناہ
اُس صنم نے پائی تھیں اک عزال کی آنکھیں
زلف ہجر کی شبہی اور قذائف کا سا
توس کے سے تھے ابرو صف بہ صف گھنٹی پلکیں
آہ کیا کہوں کیا تھے عارضوں کے افسانے
لگ رہی تھی وہ ایسے جیسے تھا کوئی آواز
ڈولتا سا اک بجرہ دولت سا اک طوفان

نزع کی سی اک ساعت حشر کا سا کنگام
 طیش کے خرابے میں اک کھینچی ہوئی تلوار
 میں ذرا سی دودی سے دیکھتا رہا منظر
 شاہراہ اعظم پر گامزن تھی مسہ پارہ
 دیکھ کر حسینہ کو دم بخود ہوا سیار

مضطرب (کستی زلفیں ہیں پریشاں)

ظلمتوں کی راہ نکلتے ہیں ابھی کیا کیا بھراغ
 کتنے خرمن ہیں جنہیں ہے بھلیوں کا استظاد
 کتنے نغمے مضطرب ہیں نے نوازوں کیلئے
 کستی زلفیں ہیں پریشاں کتنے چہرے ہیں اداس
 کتنے ہونٹوں کی ہنسی ہے پھسکی پھسکی آج بھی
 کیسے کیسے عارضوں کے پھول مرجھانے کو ہیں
 انتہائے درد و غم سے کتنے دل قیامت ہیں
 کستی صبحیں آج بھی تا ایک اور بے نور ہیں

شہسوار (میں ستارے بھی ٹوڑ لاؤں گا)

شاہراہ سے جاتی تھی وہ حسین بے پردا
 اپنی چشم سے رخ پر اشک ناب برساتی
 دل کو میرے برمایا اسکی نوحہ خوانی نے
 بعد کچھ توقف کے اس کے پاس جا پہنچا
 لگ رہا تھا تیور سے اسکو تھا کوئی سودا
 آفتاب کے اوپر ماہتاب برساتی !
 اک اثر کیا مجھ پر اسکی بے نیازی نے
 عضو کی گدازش کی میں نے بس یہی پوچھا

کس لئے جان اپنی کھوتی ہیں
کیا ہے تکلیف اور کیا آزار
آسمانوں پہ بھی میں جاؤں گا
یعنی ابرو کے اک اشارہ پر
آپ للہ ایسی ہوں نہ ادا اس
لیلیٰ (شکر یہ)

اے محافلِ میرے، میرے آسمان
اے جو اے نازِ شہسوارِ مہرِ باں
تو سرِ دشمن پہ ہے برقِ تپاں!
اے کماندار اے جیائے نغمہ خواں!
بزم میں تو ہے مثالِ پرِ نیاں!
کشتیوں کے واسطے تو بادِ باں!
تو بچا لیگا اسے اے سارِ باں!
اسکی خاطر تو سپر ہے بے گماں!
دشمنوں کی راہ میں سنگِ گراں

شکر یہ اے شہسوارِ مہرِ باں
اے سپہِ سرخیل، میر کا رواں
جنگ کا میدان جس میں ناگہاں
اے مجاہدِ جنگ جو اے فوجِ رواں
رزم میں تاباں تری تیغ و سناں
برق ہو صرصر ہو یا سیلِ رواں
لاکھ ہو گم کردہ رہ اک کا رواں
برق کی زد پر ہو کوئی آشیان
دوستوں کے واسطے تسلیمِ جاں

شکر یہ صد بار تیرا شکر یہ

(گزارش)

شہسوار

آپ نے جو بھی کی مری تعریف
میری تعریف اور میری توصیف
شکر یہ میں ادا کروں کیسے
جان کھوتا بھی ہے کوئی اے

اے پری چہرا آپ غم نہ کریں
تاکہ میں آپ کی کردں خدمت
اور مجھ کو فقط اجازت دیں !
آپ کے کام آؤں ہے نیت
سرخرو مجھ کو آپ کو دیجئے

لیلیٰ (زن کرے جنگ آخر کو زن ہی تو ہے !)

میں کہ مسکین و بیکس ہوں اے شہسوار
میں کہ ہوں عاشقِ قیس اس دہر میں
قیس تو دشت میں ہے سکونت پذیر
شکوہ عشق میں قیس چالاک ہے
قیس تو اس بیاباں میں آزاد ہے
میں ہوں اک تنگنائے الم میں اسیر
اک شگنجے میں جیسے کہ کس دے کوئی
دل کو اندیشے ہیں اور سو سو سے
مجھ کو ڈر ہے میں افسانہ ہو جاؤنگی
پنا رہی ہوں ہر اک آن زہر اب غم
اک طرف تو مجھ ہے غریبوں کا غم
میں اسی کشمکش میں ہوں الجھی ہوئی
اپنے ہی تیر سے آپ بسمل ہوں میں
مجھ پہ قدغن ہے مجھ پیر میں پابندیاں
کیسے بولوں مقفل ہے مسیری زباں

کر دیا ہے حوادث نے یوں دلفکار
خوب بدنام و رسوا ہوں اس شہر میں
اور آزرہ ہے اس نگر میں حقیر !
بے جگر ہے جیالا ہے بے باک ہے
میں کھجتی ہوں ہر طرح وہ شاد ہے
ہیں مصائب بہت اور غم بھی کثیر
آج اس طرح سے ہے مری زندگی
جو گذرتی ہے اس پردہ کیسے کہے
نیک نامی سے بیگانہ ہو جاؤنگی
اب یہ لگتا ہے کھودوئی میں اپنا دم
دوسری سمت مجھ کو حرفیوں کا غم !
کون کہتا ہے گتھی ہے سلجھی ہوئی
غالباً سچ ہے کمزور بزدل ہوں میں
ایک جان اور اسکا ہے ایسا زیاں
سننے والوں کے کانوں پہ پیرے یہاں

ایک گل اسکو پہنچتے ہوئے لاکھ خار
اپنے ہی آشیانے میں مجبور کس ہوں
میں کہ ہوں ابر کی زد پہ اک ماہتاب
روشنی کی حکایت میں کیسے کہوں
نبض، ڈوبی ہوئی اور فسرہ شباب
کون دشمن ہے جس سے کہ لوہا میں لو
چاک سینے کا بھی حوصلہ اب نہیں
میں سید روز ہوں یعنی اک نامراد
گل کہاں میں ہوں اب پتیاں پتیاں
موسم گل میں اجر ہوا باغ ہوں
لے چکا آسمان مجھ سے کب کا خراج
ایک عرصہ ہوا وقفِ آلام ہوں
اک قیامت سی ٹوٹی ہو جس پر وہ دل
غم کے، اندوہ کے، یاس کے، رنج (ق)
باجو دیکھ دل کو ہیں صدے کئی
لیکن اب تاب و تاب مجھ میں باقی نہیں
زن کرے جنگِ آخر کو زن ہی تو ہے
فی المثل شیر بھی ہو کوئی زن تو کیا
میں بھی اک زن ہوں خاموش کیے ہوں

ایک قیدی اور اس پر کئی پہرہ دار
اپنے اعمال کی خود ہی جاسوس ہوں
جو گہن میں ہوا یا ہوں میں آفتاب
ایک جھٹی پگھلتی ہوئی شمع ہوں
میں کہ اس وقت ہوں اک شکستہ ربا
کس کو دکھلاؤں اپنا میں سوزِ دروں
مجھ کو جینے کا بھی دلولہ اب نہیں
جی رہی ہوں کہ مجھ کو نہیں کچھ بھی یاد
کیسے چپکے سے آئی ہے مجھ پر خزاں
میں کہ خود اپنے لٹھے پہ اک داغ ہوں
گر چکے بام و در، چھن چکا تخت و تاج
راتِ حاوی ہو جس پر میں وہ شام ہوں
میرا دل جس پہ دھاؤ ہوئے مستقل!
وہ بچے بھی تو آفت سے کیسے بچے؟
اس نے گائے ہیں اس پر بھی نعمے کئی!
کیا مزاج کہ محفل میں ساتی نہیں!
اس طرح فاصلے ہو کے بھی ہیں ملے؟
ایک زن ہی تو وہ زن رہ گئی سدا
کب تلک یاس و حیران کے صدے سہوں

تیرا آسان ہو مرحلہ شکریہ !
 ایلچی تو نہیں تو کسی شاہ کا ؟
 اپنے شعلے سے ٹوٹا ہوا اک شرہ
 اسکے بعد اسکو دینا مرا احترام
 زخم اسطرح اسکو دکھانا مرے !

تو نے مجھکو دیا حوصلہ شکریہ
 ہے سفر تجھ کو درپیش کس راہ کا
 قیس مل جائے رستے میں تجھ کو اگر
 اس دل افکار کا پیش کرنا سلام
 بیٹا ہوا اسکو سنانا مرے

ابیاتِ لیلیٰ

اس اندھیرے میں اجالے کے پیرائے قیس !
 زخمِ دل کھاتی ہوں اور خونِ جگر پیتی ہوں
 تیرے ملنے کی مجھے آس ہے پر کم کم ہے !
 دیکھ رسوا سرِ بازار ہوئی تیرے لئے
 بے رخی نے تری اب تک مجھے مارا ہوتا !
 بزمِ فانی سے جہانِ گزراں سے رخسار
 کب تلک دل کی خواہشوں کو دھوکے کوئی
 مجھ پہ حد درجہ احسان ہو گا ترا
 میرے غم کا اسے اعتبار آئیگا

میرے محبوب مری جان مرے دلبرائے قیس
 دیکھ لے آن کے کس طرح سے میں جیتی ہوں
 دل کی آشفۃ سری کا تو وہی عالم ہے
 خوب بدنام ہوئی، خوار ہوئی تیرے لئے
 گر تری یاد کا مجھ کو نہ سہارا ہوتا
 ہو گئی ہوتی کبھی کی میں جہاں سے رخصت
 کب تلک رطل میں زخموں کو سمو کوئی
 اسکے بعد اس کو دینا یہ نامہ مرا
 قیس تک گھر یہ نامہ پہنچ جائے گا

(تخاطب بہ قیس)

شہسوار

بے خبر تھی خوش قامت تھی حسین اسکی چال
 بھر رہی تھی کچھ آہیں زرد زرد تھا چہرہ !
 کر رہی تھی نوحے میں آپ کے پدر کو یاد

وہ نگارِ آتش رخ تھی بہت پریشاں حال
 بعد چند لمحوں کے میں نے اسکو پھر دیکھا
 ہائے کرتی تھی اور لبوں پہ تھی فریاد

دہر میں نہ باقی تھا کوئی غمگسار اسکا
راہِ عشق مشکل ہے اور ہے کٹھن کسی

تھا خردشِ ذراری سے عہداستوار اسکا
دے کے مجھ کو نامِ پس اس نے راہِ لاپنی
داستان گو

پہلے بھی پڑھے تھے کچھ قیافے
صحرا میں وہ شہسوار کیسے !
لایا تھا کوئی پیامِ جاناں
گذرے تھی بھلی بُری ہی ایسی
تھی بات ہی وہ خوشی کی ایسی
بوسے لئے اس کے پھر کئی بار !

اندازہ لگایا تھا جو اس نے
مجنوں نے، قیافے سچے نکلے
آیا تھا وہ قاصدِ بہاراں
پس تیس کی زندگی تھی ایسی
قسمت سے تھی وہ گھڑی بھی ایسی
آنکھوں سے لگایا نام نہ یاد
نامہ لیلیٰ

اے مرے ہر مرض کے چارہ گر
میرے دلدار اے مرے محبوب
اے مرے غمگسار میرے ندیم
بے سہاروں کی اے نگاہ و زباں
تو اسی طرح سے ہے میرا رفیق
ریگِ صحرا بھی پر نسیاں تجھ سے
سرفہرستِ خیر خواہی میں !
اے جوانِ حسین قیامت کتنے
خوب اس دل کو میں نے پیار کیا

اے مرے قیس اے مرے دلبر
اے عرب کے جوانِ خوش اسلوب
ہم سبق میرے، میرے یادِ قدیم
بے زبانوں کی اے زبانِ رواں
جیسے انگشتی میں ضم ہو عقیق
عشق کا نام جادواں تجھ سے
چشمِ خضر تو سیما ہی میں
زخمد اے مری ملامت کے
دل جو تو نے دفا کو سونپا تھا

حسن اسکو پکارتا ہے یہاں
 ہے مری چشم چشمِ خمِ دیدہ
 شمع اک جس سے اٹھ رہا ہو دھواں
 ہے یہ تیسرے ہی عشق کی سوغات
 میرے الیاس، اے خضر میرے
 میں ہوں اک حرف، اک کتاب ہے تو
 سائبان میں ہو تیسرے گنجائش
 ہاتھ میں ہو فقط ترا ہی ہاتھ
 ایسے لمحے کبھی ہوئے نہ بہم !
 کیوں ہوا، کیا گناہ تھا میرا؟
 کتنے فرسنگ اور کتنے کوس
 میری ہی طرح تیرا عاشق تھا

ہے بلا خیز عشق تیسرا کہاں
 کس بیا باں میں تو ہے پوشیدہ
 ہجر میں، میں ترے ہوں سرگرداں
 میں نہیں سو سکی ہوں ایک بھی رات
 میری ہستی ہی کیا بجز تیسرے
 میں فلک ہوں تو آفتاب ہے تو
 اس جہاں میں رہی ہی کا ہش
 اتنی جتنی کہ رہ سکوں میں سا (ق)
 مجھ کو انوس اس کا ہے تاءم
 کاش کوئی مجھے بتا دیتا
 ساتھ ہی مجھ کو اسکا ہے انوس
 جو پدر دور تجھ سے تھا تیسرا (ق)
 (ق)

سانچہ ہے بہت ہی اک دل سوز
 اسی جہاں سے گذر گئے ذیباہ
 میرے ہی کر گئے جہاں سے سفر
 تو مرا یاد میں ہوں یاد — تری
 یاد سے تیری اے مرے قاتل
 اور کیا آج اس سے بڑھ کے لکھوں

موت کے ساتھ چل دیا اک روز
 جب سنی میں نے وہ خبر جانکاہ
 مجھ کو ایسا لگا کہ جیسے پدر
 ہوں تیسرے غم میں سو گوار تری
 ایک لحظہ بھی میں نہیں غافل
 میں ترے ربخ و غم سے واقف ہوں

کم کرے تو یہی ہے غمِ خواری
 پر قدم استوار رکھتی ہوں
 ایک صحرائے تاریک بغیر
 اس میں کوئی غلو نہیں شامل
 احتسابِ نگہ جو کرتا ہے !
 آپہن بھرنے سے باز رہتا ہے !
 بادِ جو دیکہ دن ہو اس کا سیاہ
 ہے مقدر بہت ہی اس کا بلند
 گرئیے سے اور تجھے ہو رنج و محن
 غم میں ڈوبا ہو گر ترا تن من
 ہے عجب اس جہان کا یہ چلن
 ہر زمان رنگ یہ بدلتا ہے !
 کاش ہو جائے دیا ہر انسان
 دانہ دانہ زمیں کو بوتا ہے !
 وہ اگاتا ہے بیج سے خوشے
 کل لگیں گے پھلوں کے سوا نبار
 کل مگر گل کھلیں گے اس میں نئے
 مل کے رہتی ہے بیکسوں کو داد
 ماہِ نولائی کا نویدِ عید

ہے یہ بہتر کہ گریہ — و زاری
 میں بھی دل بے قرار رکھتی ہوں
 دل ہے اجڑا دیا رتیرے بغیر
 ہے جہاں میں فقط وہی عاقل
 اپنا اندوہ تہ جو کرتا ہے (ق)
 گر یہ کرنے سے باز رہتا ہے
 قصہ غم کرے ہے جو — کو تاہ
 دہر میں اک وہی ہے دانشمند
 تر ہے گر سدا ترا دامن
 سوگ سے جل رہا ہو تیرا بدن
 خندہ زن تجھ پہ ہو ترا دشمن
 نئے سانچے میں چرخ ڈھلتا ہے
 باعمل کس قدر ہے ہر دہقان
 وقت بیکار کب وہ کھوتا ہے (ق)
 صرف بوتا نہیں ہے وہ دانے (ق)
 آج گو غل میں ہیں خارِ بخار
 آج پودے میں ہیں فقط غنچے
 خالی جاتی نہیں کوئی فریاد
 نہ ہو دل تنگ اور نہ ہو نومید

پدر ہے تو آج یحییٰ یمیم !
 رگریے میں ابرسا نہ ہو جا غرق
 اس سے آتی تو ہے گھر کی صدا
 رات کا خاتمہ، سحر کی نوید !

تو پریشان ہے مجھے تسلیم
 جل نہ جا جس طرح ہے سوزاں برق
 ٹوٹ جائے دلِ صدف تو کیا
 ناامیدی میں ہے ہزار امید
داستان گو

ہر حرف تھا خوشبوئے شام
 پھر ہاتھ میں لے کے ایک خام
 تحریر تھی آبدار شمشیر
 اُن کو کیا اپنے خط میں عریاں
 تھوڑی سی حدیثِ دلفگاراں
 لیلیٰ کے حضور آن پہنچا !

جب قیس نے پڑھ لیا وہ نامہ
 پرزے کئے تن پہ تھا جو جامہ
 فوراً ہی کیا جواب تحریر
 دیرینہ الم تھے دل میں نہیں
 کچھ قصہ جو یہ نازیناں
 قاصد نے وہ خط بغل میں دابا
جواب نامہ مجنوں کے حضور لیلیٰ

مرا کعبہ ہے تیرا رخ کی اُویت
 معلج، چارہ گر، غنچوار، ہمد
 تیری محفل کا اک بچھا دیا ہوں
 کہ ایسا بارغِ جنت میں بھی کم ہے
 تو آگے دیکھ کیسے جی رہا ہوں
 ترے در کے لئے صندل کی جاوہ
 مگر اس تاج کا سایہ ہے سر پر !

مری محبوبہ فرخندہ سیرت
 دوائے دردِ دل، زخموں کے مرہم
 مجھے ہے ناز تیری خاکِ پا ہوں
 تو اس دنیا کا اک بارغِ ارم ہے
 تری قربت میں آتشِ زیرِ پا ہوں
 ہے جس کا عودِ پیشہ تو ہے وہ چوب
 نہیں تاجِ ولی گو سر کے اوپر

بجز اس کے جگہ سر کی کہاں ہے
 اسی کی وجہ سے شہرت ہے پائی
 نہیں ہے ہر گداگر لائق گنج!
 ستیزہ گاہ کو جاتی ہے جو راہ
 کہ میں ہوں امن کی منزل کا راہی
 کہ کرنا جنگ اپنوں سے ہے بیکار
 تو اپنا لے طریق دینوازی!
 غلامی میں رہیگا تیری مظلوم
 تو الفت سے دل اسکا فتح کر لے
 اور اسکو ہر طرح سے خوش بھی رکھے
 تری ہی آنکھ سے تیرا ہی کا جمل!
 بالفاظِ دگر تیری حکومت
 مگر تو کر ہمیشہ اس سے پرہیز
 ہے انساں ہی کے پہنادے میں شیطان
 سلب ہے عز اذیل اس کے اوپر
 درخشاں ہے مری قسمت کا جو ہر
 بنائے حزنِ جاں ساعتِ خوشی کی
 میں کیا تھا کل و لیکن آج کیا ہوں
 یہ نگتا ہے خوشی یہ عدا صنی ہے

ترے قدموں پہ خادم سرفشاں ہے
 غلامی میں تری عزت کھائی
 یہ نکتہ ہے فقط بہر سخن سخن
 مجھے وہ راہ دکھلا تو نہ اللہ
 نہیں ہوں جنگجو سرکش سپاہی
 اٹھا مت سنگ یاروں ہی پہ آیار
 یہ ہے اک قولِ فخر الدین رازی
 کوئی گرجر سے ہو تیرا محکوم
 حقیقت میں کہیں بہتر ہے اس سے (ق)
 درم سے گر کسی کو تو خریدے
 چرا لیکا یقیناً آج یا کل (ق)
 بہت دن رہ نہیں سکتی ولایت
 لگے ہے خوبصورت آتش تیز
 یہاں حیوان ہے لیکن یہ انساں
 غضب غم غیض ہے اسکا مقدر
 بہت خوش ہو کر نامہ میں پا کر
 یہی ہے التجا میری کہ تو بھی
 اگر چہ خوش ہوں پھر بھی سوچتا ہوں
 در آخالی کہ ظلمت مٹ گئی ہے

میسری قسمت میں غم کیوں ہو گئے ہیں
 اگر تو برف کی رسل پر مرا نام
 بہر صورت یہی ہونا ہے انجام ^(ق)
 تری باتوں میں ہے الجھناؤ بی بی
 زباں میں آگئی کیسے درازی
 چرایا دل، مرا دل جانتا ہے
 مرے دل میں مقام غم ہے تیرا
 حرام آسودگی، آرام اس پر
 موافق، اس تجھ کو کب ہو عشق
 نہیں ہے عشق تجھ کو بیدل ہے
 تجھی سے تو رکھی ہے اس میں نے
 ترے ہی در پہ بس سر رکھ دیا ہے
 ذرا تو دیکھ کیسے لعل کلرنگ
 سلاسل توڑ کے سنگین یکسر ^(ق)
 درخشاں بام گردوں پر ہے ہفتاب
 اگرچہ سیگوں پر نور ہے چاند ^(ق)
 تھکن سے جبکہ ہو جاتی ہے وہ چوڑ
 عقب میں چھوڑ جاتی ہے فقط شہد ^(ق)
 میں تیری شمع سے گر دو جادوں

ترے الطاف کم کیوں ہو گئے ہیں
 کرے اک دوزخ سے بھی ارقام
 یکگھل جائیگا، مٹ جائیگا تا شام
 کبھی تو ایسی پیچیدہ نہیں - تھی
 خود اپنوں سے یہ کیسی بے نیازی
 اگر اب جان بھی لے لے تو کیا ہے
 کہیں باقی نہیں اب کچھ بھی میرا
 کہ جو ہے عاشق صادق سراسر
 لگائیوں اب ہو عشق اب ہو عشق
 زبونی، سرگرائی، بے حسی ہے
 نہیں آنے دیئے دوسو اس میں نے
 رگڑہ میں میری کیا باقی رہا ہے؟
 رہا ہے جو سدا پیوستہ سنگ
 شکنجے سے نکل آتا ہے باہر
 کہ جس سے چشم کو ہے آب اور تاب
 دہان اڑدہا سے دوز ہے چاند
 بے را کر کے اڑ جاتی ہے زبور
 جو مہ خالی ہو رہ جاتا ہے بس ہمد
 جہاں بھی جاؤں میں تجھ کو نہ پاؤں

مقابل ہو قیامت کا اندھیرا
 ملامت کا بجھ ہو جلے گر غم
 تجھی سے میری نیکی، خوش مزاجی
 حصارِ قلب تیرا آہنی ہے
 ہیں تیرے حلقہ گیسو شکنجے
 ہیں بداندیش اکشر یا تیرے
 مگس کی ہو ترے رخ پر اقامت
 میں تیرے ہجر میں رہتا ہوں گریبا
 مجھے ہے طمع تیرے لب کی لے یار
 عبیرِ زلف سے مٹ جائے آزار
 نرے گیسو میں نانے کی ہنک ہے
 بجھا دے پیاس میری لے دل آرام
 وہ صہبا ہوگی کیسی تند اور تیز
 یہ ممکن گر نہیں تو میں سر دست
 ترے ہاتھوں سے اور لب سے پیالے
 ترے گلنار تیرے شکر میں لب
 شفق لب تیرے تیرے گلفشاں لب
 ترے یہ لعل لب یہ چشمہ نوش
 مگر جو بھی ہے اس نلے میں لکھا

کوئی غمخوار ہمدرد ہو نہ میرا!
 نہ ہو دے چشم شوہر کی ترے نم
 ہے میرا درد بھی درماں بھی تو کا
 کہ شخصیت تری فولاد سی ہے!
 نہایت تیز ہیں پلکوں کے پنچے
 یہ بہتر ہے چلے تو ان سے یکے
 تجھے ہوتی ہے اس سے بھی رقابت!
 دعائیں کمری مشکل ہو آساں
 عطا ہو بوسہ لب تجھ کو اک بار
 مرا ہر لمحہ ہر ساعت ہو سرشار
 نسیم صبح کی تجھ میں لہک ہے
 مری خوش قسمتی تو دے اگر جام
 کہ جس سے ٹوٹ جائے میرا پرہیز
 تری آنکھوں کی صہبا سے ہوں سرشت
 گچھے بوسہ سا من گچھے نے!
 ترے خونبار تیرے دلنیش لب!
 صدف لب تیرے تیرے دلتاں لب
 وہ ساعت آئے تجھ سے ہو ہم خوش
 جو اس قاصد کے ہاتھوں تجھ کو بھیجا

یہ خط ہے بات کرنے کا یہاں نہ
 دلیکن ہے جدائی مجھ کو منظور
 بہت ہی استوار و دیر پا ہے !
 اسی باعث تو ہوں حد و وجہ نرسند
 نہ ہونگی ختم ہرگز میسری باتیں
 نہیں تیرا کوئی اے جاں حلیف اور
 کرونگا اسلئے تجھ سے ہی فریاد
 خدادہ وقت اب جلدی ہی لائے
 تلی سے کبھی اے غیرتِ ماہ
 سلامت تو بے پھر بھکھو کیا غم
 کہ اپنے ہی الم میں خود ہوں مستور
 یہی لب پر دعا ہے اب تو میری
 افق سے توافق ہو نور انشاں
 مگر لگتا ہے جیسے کم لکھا ہے !

نہاں اسیں ہے اس دل کا فسانہ
 بہت ہی دور ہوں تجھ سے بہت دور
 کہ میرا عشق بے حد بے ریا ہے
 کہ میں نے طمع کے در کو کیا بند
 ہزاروں ہوں ترے پہلو میں راہیں
 جو کچھ میں نے لکھا ہے اس پہ کمر غور
 تری الفت میں میرا دل ہے برباد
 دیئے جو زخم اب تک بھر نہ پائے
 دکھاؤں زخمِ دل تجھ کو میں ناگاہ (ق)
 نہیں حد کا رانِ زخموں کو مرہم
 میں تیرے پیر میں ہوں اتنا رنجور
 کروں اب ختم اے جاں مدح تیری
 تیری قیمت کا سورج ہو درخشاں (ق)
 بہت کچھ تو یہ خامہ لکھ چکا ہے

داستان گو

اک نہر کا جام پی رہا تھا !
 کوئی نہ تھا قیس ہی رہا تھا
 جو چارہ گری میں سامری تھا
 دیکھا کہ وہاں تھا اک دوانا

اُس دشت میں قیس جی رہا تھا
 دامان کا چاک سی رہا تھا
 اک شخص سلیم عامری تھا
 اُس دشت کی انجن میں آیا

یا تہد ہوا کا ایک جھوٹکا صحرا میں یونہی بھٹک رہا تھا
ہر بندہ ستم سے تھا جو آزاد آباد دہاں تھا خانہ برباد

سلیم عامری (خال بہ درخ قیس)

السلام لے شاہ صحرا السلام السلام لے شاہ صحرا السلام
السلام لے تاجدارِ دشتِ غم السلام لے شہرِ یارِ محترم
دور سے آیا یہاں تک خاکسار تن پہ گردِ دشت چہرے پر غبار

نام ہے میرا سلیم عامری شہر میں گذری ہے میری زندگی!
دشت میں آیا ہوں پہلی بار آج آپ کا اے قیس کیا ہے مزاج؟
کیا ہوا قیس آپ کا وہ رنگِ روپ آپ کے اس چاند سے چہرے پہ دھوپ

آپ کے رخ پر یہ کیسا خال ہے؟ زندگی آپ کی یا مال ہے؟
خال سے چہرا چھپا جاتا قیس خال ہی رخ پر نظر آتا ہے قیس
خال نے اے وحشیوں کے بادشاہ کر دیا ہے آپ کے رخ کو سیاہ

جیسے ملیا میٹ کوئی آئندہ جیسے اک حبشی کا چہرہ را رو برو
”آتشیں رخ پر سیاہ خال کا آنا کیسا قائم النار پہ بارود کا دانا کیسا“
آپ کے تن پر نہیں تار ایک بھی آپ کو جہاں سرِ عمارے عامری!

جامہ تن لیکے آیا ہوں حضور آپ اس کو زیب تن کر لیں ضرور
ایک پا جامہ قمیص اور ایک شال پارچے ہیں سب بہر صورت حلال
قیس (ہیں سوال ایسے کئی)

خواستگارِ عفو ہوں میں اے سلیم عامری میں نہیں کر یاؤں گناہ پوری یہ خواہش آپ کی

میں لباس تن کے بارے میں ہوں اک مردِ خسیہ
یہ برہمن تن مجھے ہر طرح سے منظور ہے
مجھ کو بھی ملبوس ابریشم چہر ہوتا تھا غرور
آدمی کے تن کو ایک طرح کا آزاد ہونے
آدمِ خاکی ہے ہر ملبوس میں ننگِ وجود
تبدیل میں نے کر دیا ہر جائے تن تار تار
میں بہن کمر اس کو پارا پارا کر دنگا ضرور
آپ اسی مضمون کو اب ادراہمیت نہ دلیا
دہر کی بازی میں آخر کیوں ہوئی ہے مجھ کو مات
مٹ گئی کیوں میری ہستی ٹٹ گئی کیوں آبرو؟
ہیں سوال ایسے کہ جن کا دے کوئی کیسے جواب
ہے یہ اک موضوع ایسا جس پہ کوئی کیا کہے
ظلالِ سبحانی کا چھن جاتا ہے تختِ دل کو
کیوں خزاں آتی ہے جل جاتا ہے آخر کیوں حزن
کیوں صد اگریئے کی آجاتی ہے شامِ کاخ سے
کیوں کوئی ڈھلتی جوانی پر کرم کرتا نہیں
کس لئے پیری جب آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
کیا کسی کے پاس ہے اس بات کا کوئی جواب
صبح روشن کیسے بن جاتی ہے اک روزِ مہیاہ

شکر یہ جو آپ لائے ہیں یہ ملبوسِ نفیس
جسم میرا جامے پچھا دے سے کوسوں سے
اس سے پہلے جائے تن میں پہنے ہیں ضرور
جب ہوا محسوس جا پار چے بیکار ہیں
جبے جانا میں نے بے مہر فدا ہے یہ نام و نمود
تب سے میں نے بے لکائی کی رکش کی اختیار
اس پہ بھی اگر آپ پہنائیں گے ملبوسِ سمور
اس لئے بہتر ہی ہے بات میری مان لیں
کیا کہوں میں کس لئے پامال ہے میری حیات
ہو گئی کیوں آہ ملیا میٹ میری آرزو
کوئی کیا بتلائے کیسے ٹوٹ جاتا ہے بآ
کیا سبب کیوں ٹوٹ کر گر تلے تارِ چرخ سے
برق کی آتش سے ہوتا ہے نفسِ تاراج کیوں
کس لئے ہوتا ہے آخر چاند سورج پہ نگہیں
بن کھلے ٹوٹ جاتے ہیں شگوفے شلخ سے
ایک بھٹی شمع پر پروانہ کیوں مڑتا نہیں
کیوں جوانی آکے جاتی ہے تو پھر آتی نہیں
صبح دم سورج کا کیوں ہوتا ہے شبنم پر عتاب
زلزلہ کیوں آکے کر دیتا ہے بستی کو تباہ

کیوں مقدر ہے کسی کا حلقہ دار در سن
 پا برہمنہ اور بے دستار کوئی کس لئے
 کیوں ہلاہل ایک دانشور کی ہے تقدیر میں
 گل نہیں ہے بلکہ بلببل کا مقدر خار ہے
 بات کیلئے کس لئے عاشق کی قیمت فراق
 اس جہاں میں شعبہ بازی ریاکاری کیوں
 وجہ کیا ہے اس جہاں میں سگ بھی آزاد ہیں
 عصمتیں بکتی ہیں دو اک کف جو کس لئے
 ہیں سرور آرا جہاں میں قیصر و کسریٰ ہی کیوں
 قصر خسرو ہی میں شیریں کیوں ہے دائم اسیر
 ہیں سوال ایسے کئی، ممکن نہیں جنکے جواب
 آپ نے مجھ کو بتایا میرا ناکردہ گناہ
 جانتا ہے کاش اپنے جرم کو میں نصیب
 میری بد بختی کا اک ظہار ہے یہ بر ملا
 خال چہروں پر نظر آتے ہیں ایسے خال خال
 دانتان گو

خلعت شاہی کسے کیوں کیوں کوئی بے پرین
 بے عدا اور دل افکار کوئی کس لئے
 قید کیوں ہیں شاہ عالی جاہ اک زنجیر میں
 وجہ اسکی کیا ہے زکس کس لئے بیمار ہے
 کیوں ازل سے ہوتا آیا ہے دوائے سنے اتی
 سر دھری سادہ لوتی سہل انگاری ہے کیوں
 پابجولاں سنگ ہیں آزاد کیوں جلا د ہیں
 منصفوں نے اپنے لب یوں کیلئے کس وجہ
 اور ملامت کے ہدف ہوں واثق و عذر را ہی کیوں
 تیشہ فرما دہی لاکے فقط کیوں جوئے شیر
 در حقیقت میں بہت مشکل یہ سارہی حساب
 یعنی ہے رخ پر نمایاں میرے اک ظال سیاہ
 کیا خبر تھی میرا اپنا بخت تھا میرا قیاب
 خال بنکر جو مرے رخ پر غسایاں ہو گیا
 حل نہ کوئی جنکو کر پلے یہ کیسے ہیں سوال

اک بار وہ جاسے کو یہ ہیں لے
 مجزور کے وہ چاہتا ہے کیسے
 پہنائے لباس اسکو یونہی

سمجھا یا سلیم عامری نے
 تیور تھے مگر بہت ہی تیکھے
 مرضی کے بغیر اسکی، کوئی

مجنوں کا سلیم تھا دنیا کیش
 اک مرغِ مسلم اور سرمیش
 مجنوں نے کیا بلند نالہ
 اس دشت میں جانور تھے بسیار
 اور کتنے درندگانِ خونخوار
 نزدیک ہر ایک کو بلایا
 مجنوں نے، طعام انھیں کھلایا
 (آپ کی کیسے ہو رہی بسر؟)

نیک کردار اے شریف انسان
 لے جگر سوز اے شہِ عشاق
 آپ سرخیلِ تاجداران ہیں
 آپ سرجملہ غاصر - ہیں
 بحرِ گرداں کے آپ گردن کش
 برق کو، زلزلے کو، طوفان کو
 خستگیِ ریگ، سختیِ کہار
 اول الذکر مثلِ شبنم ہو (ق)
 باعثِ نازشِ مہ و پردیں
 شہرِ اپو پچا ہے آسمانوں تک
 آپ نو شیردانِ عادل کے (ق)
 سیح ہے طوطا راقِ کینخسرو -
 آپ کا ہے نامِ شہِ آفاق
 باعثِ فخرِ شہرِ یاراں ہیں
 آپ خاقانِ دورِ حاضر ہیں
 آپ کو دیکھ لیں تو آئے غش
 دھوپ کو لو کو اور باران کو
 آپ کے آگے بھولے اپنا شعار
 آخر الذکر مثلِ ریشم ہو
 آپ ہی سے جلالِ دولت و دیا
 جلالِ مجد ہیں عدل میں بے شک
 یعنی اس شہرِ یارِ فاضل سے
 آپ کے آگے وہ نگوں سر ہو

تَرَّةُ الْعَيْنِ اِلٰی فَنِّ دِهَسَر
 اے منو چہرے جہاں افسردہ
 آپ سے درس آگئی لے کر
 آپ ارسطو ہیں آپ افلاطون
 ہیں فردکش جو اس بیاباں میں
 یہ تو اک دشت بے نواں ہے
 بے در و بام بے سر و پا ہے
 اس بلا خیز دشت میں آکر
 آپ یہ بات بھی مجھے بتائیں
 آپ کے جسم کا ہے کیا نظام
 آدمی اس جہاں میں جیتا ہے
 کچھ غذا ہی اگر نہ وہ کھائے

علم کی سجدہ گاہ آپ کا در
 کیقباد و فراسیاب ہنوز
 سکتے ہیں کتنے معرکوں کو سر
 آپ کے آگے عقل خوار دزدوں
 وجہ اس کی بیان فرمائیں!
 اس میں رہنا تو جگہ نہائی ہے
 ایک در و جگر یہ صحرا ہے!!
 آپ کی کیسے ہو رہی ہے بسر؟
 زندہ کیونکر ہیں مجھ کو سمجھائیں
 جبکہ کھاتے نہیں ہیں آپ طعاً؟
 اس طرح سے کہ کھانا پیتا ہے
 قوتِ زیت پھر کہاں سے آئے

[آگئی]

تیس
 آپ نے جو بھی پوچھا ہے اے مہرباں
 قبل اس کے کہ میں آپ کو دوں جواب
 آپ نے میری جو کچھ بھی تعریف کی
 آپ ہی کو پہنچتا ہے بس اس کا حق
 مجھ کو مگر پوچھئے میں تو کچھ بھی نہیں
 اپنے بارے میں مجھ کو بھرم ہی نہیں

ہے حقیقت تو اس کی ہدایت عیاں
 شکر یہ تو ادا میں کروں اے جناب
 خوب تعریف کی، خوب توصیف کی
 آپ ہیں شکر یئے کے مرے مستحق
 میں تو کچھ بھی نہیں اس میں شک ہی نہیں
 میں نہیں ہوں کہ ہوں مجھ کو غم ہی نہیں

آگہی اک سمندر ہے قطرہ ہوں میں
 آگہی روحِ انساں ہے جسکا مقام
 ہے رگِ جاں کے پاس اور رگِ جاں سے دور
 آگہی کیسا ہے دراصل عرفانِ ذات
 ایک خمِ خانہ فیض ہے آگہی
 نیستی اور نیستی کے ہے درمیاں
 پہلے انساں تو ہو خود سے آگاہ بھی
 نسبت گر آگہی کی ہو جو لا نگاہ
 اتنا اوزاں نہیں ہے خودی کا حصول
 پوچھتے مجھ سے ہیں آپ میری خبر
 پوچھتے مجھ سے ہیں آپ یہ ماجرا
 کیا بتاؤں کہ کس طرح ہوں میں حیات
 دشتِ آشفۃ اور اس کی پہنائیاں
 ازافق تا افق ہے یہ بکھرا ہوا
 پھولِ خاندوں کے کھلتے ہیں اس دشت میں
 جب بکھر تلبے تاروں کا ہر سو غبار
 صبح ہوتے ہی معمول ہے یہ مرا
 روز کرتا ہوں سورج سے میں گفتگو

علم اک کوہ ہے ایک ذرہ ہوں میں
 سدرۃ المنہشی تک پہنچنے کا نام
 اپنی ہی ذات کا جو دلائل شعور
 آگہی جس کے زیرِ نگین کائنات
 یعنی کائنات فیض ہے آگہی!
 آگہی منتہی، ابتداء جسم و جاں
 کوہ سا ہو تو انا بہرِ سہاہ بھی
 پھر ہوں انساں کے زیرِ نگین مہر و ماہ
 اتنا آساں نہیں آگہی کا حصول
 کس طرح ہو رہی ہے گذر اور بسر
 زندہ کس طرح ہوں بے طعام و غذا
 کیسے بستلاؤں کیسی ہے یہ کائنات
 کائنات اور اسکی یہ رعنائیاں
 ذرہ ذرہ یہاں کا ہے نکھرا ہوا!
 کیف ہے کیا اس کی گلشت میں
 صبح آتی ہے سورج کے رتھ پر سوار
 حق تعالیٰ کا کرتا ہوں میں شکریہ!
 اس طرح آنے سے آنے دو بدو!

(ضوبار و منور)

اے ہر جہاں تاب!

کہنہاد ہو دیرانہ ہو قریب ہو کہ بستی ہے فیض تر عام بلندی ہو کہ پستی
 ضوباش ہوئی ذردل کی معمول کی ہستی۔ تیرا ہی کرشمہ ہے یہ اے گوہر نایاب۔ اے ہر جہاں تاب
 چھائی ہے بجلی تری ہر سمت فضا میں اجزا میں ترے آب میں مٹی میں ہوا میں
 ہیں برق کے جلوے ترے نقشِ کفِ پای میں۔ قدرت نے عطا کی ہے تجھے فطرتِ سما۔ اے ہر جہاں تاب
 انوار سے معمور خمزینہ ہے سرا سراسر اس طرح درخشاں ہے کہ جیسے کوئی جوہر
 تابندہ و رخشنده وضوبار و منور۔ پہلے فضا تیری شاعوں سے ہے سیراب۔ اے ہر جہاں تاب
 آتے نہیں ہم کو ابھی جیسے کے قرینے طینت میں نہاں بغض، کپٹ اور مہینے
 کتنے ہیں یہاں زہرا گلے ہوئے سینے۔ ہلکا سا عطا ہم کو بھی ہو نور در ناب اے ہر جہاں تاب
 بعد اسکے مرا ایک دستور ہے اس سے میرا ہر اک گام پر نور ہے!!
 دشت کے ذرے ذرے سے ملتا ہوں بھول کی طرح صحرا میں کھلتا ہوں میں
 خار کھاتا نہیں میں کسی خار سے کام لیتا ہوں ہر لمحہ میں پیار سے
 خار کی نوک پر اداس کا اک گہر کتنے وضوبار ہے دشت میں یہ شرر
 خار کی نوک ہر سیر کی جیسے کنی یا یہ کھٹکے کہ نیزے کی جیسے انی
 خار کی نوک کا حسن بیوت ہے دل میں میسر یونہی راہ ہوتی ہے طے
 صبح کے حسن کی میں کردن کیا صفت رات رکھتی ہے آہستگی سے پرت
 (ق)

صبح کی، اس بیابان کی ریت پر ذرہ ذرہ جھکتا ہے جیسے شرر

نظم

صبح

اب شبنم سے کر کے وضو صبح دم
 اللہ اللہ صحرا کی دادی کا نقد
 ذرہ ذرہ ہے محو صلوٰۃ و درود
 جب صبا نے اذان دی تو سب زار
 پتہ پتہ ہے خوش ذرہ ذرہ نہال
 کھل گئے پھول آئی نسیم سحر
 اس بیابان کے جسم اور جان میں
 گر میسر ہو گوشتِ حقیقت نبوش
 گل و بلبل کی باہد گر کسب میں (ق)
 آشیانے کی تعمیر کے واسطے
 دن میں صحرا میں جھکڑ چلیں گے مگر
 دن میں کچھ دیر کو ہو گی رنجش و لے
 بن گئی ہے کلی پھول پر لٹ گئی
 موڑ بے پر کی خوش قسمتی دیکھتے
 بامِ مشرق پہ اک شوخ کون آگیا!
 جذب ہو جاؤں اس شیشی خاک میں
 صبح کے بعد آتی ہے جب دوپہر

گل کے لب پر ہے اللہ ہو صبح دم
 جلوہ طور ہے چار سو صبح دم!
 ذکر دین ہے کو بکو صبح دم!
 صف بہ صف ہو گئے قبلہ رو صبح دم!
 بوٹا بوٹا ہے وقفِ نحو صبح دم!
 کھل گیا ہے در رنگ و بو صبح دم!
 اک خاک سی ہے پوستِ نوب صبح دم!
 آپ سن پائیں گے دو بد و صبح دم
 ایک خاموش سی گفتگو صبح دم
 اک ابا بیل کی جستجو صبح دم!
 ایک ذرہ نہیں تند خو صبح دم!
 کوئی دشمن نہ کوئی عدو صبح دم
 ایک نوخیز کی آبرو صبح دم
 کشتی برگ پر سیر جو صبح دم
 آگیا کون اک شعلہ رو صبح دم
 دل میں اک یہی آرزو صبح دم
 دوپہر یعنی سورج سوا نیزے پر

تب بیابان کی دیکھئے آب و تاب
 جو متی ہے کرن ڈرے ڈرے کا تن
 زرب تن خوش نما زرفشاں پیر ہن
 آئینہ آئینہ سا بیابان ہے
 سر پہریش اسکی پیچ دھج - وہی
 اور جب شام آتی ہے اس دشت میں
 زر سے دھویا ہوا دوپہر کا شباب
 ڈرے ڈرے کا تن چومتی ہے کرن
 مہر زرب کا دیکھئے کوئی بانگین
 دیکھنے سے نظر اس کو حیران ہے
 دشت بھی ہے وہی اور سورج وہی
 ایک نغمہ سناتی ہے اس دشت میں

شام میں نے لاکھوں کے بول ہے ستم گر تیرے لئے
 تیری خاطر سی لئے لب خامشی کی اختیار
 دئے ناکامی کہ تو ہے آج بھی ناہر یاں
 ایک عرصے تک بنایا بے زبانی کو شعار
 مجھ پہ لے بے درد، آخر تو بتا جاؤں کما
 میں نے لاکھوں کے بول ہے ستم گر تیرے لئے

شام دیوانی شام !
 دل و جاں میں سمائی ہے اس دشت میں ہاتھ سب ملاتی ہے اس دشت میں سب اپنا بناتی ہے اس دشت میں
 شام دیوانی شام !

اک ستم گر کے ظلم اور بیداد کا - عارضی دل پر اس شمع کی یاد کا - ایک زاہد لگاتی ہے اس دشت میں
 شام دیوانی شام !

ہو کے آزاد خورشید کے دام سے - زمینِ زیتون اترتی ہے اکٹام سے - ایک شفق زار لاتی ہے اس دشت میں
 شام دیوانی شام !

جانور اور انسان کی آنکھ میں - جان دار اور جان کی آنکھ میں - ایک اجل لگاتی ہے اس دشت میں
 شام دیوانی شام !

ہے زین شاہاں اور سرخوش گنگن۔ آج کے عیش میں سب کو کر کے مگن۔ کل کی نگر میں بھلا ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام!

آتشِ مہر سے دشت تھا کرب میں۔ تیشہ ماہ سے ایک ہی ضرب میں۔ دن کی دیوار ڈھاتی ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام!

سُرخ اک قرص جسکا نہیں بجواب یعنی فلک پر شعلِ آفتاب۔ حاشی سے بھجاتی ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام!

ایک تاثیر سے اک نئے رنگ سے۔ اک نئے تال، مراد آہنگ سے۔ دایرا اک سُنات ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام!

بیدردی سیاں کلہے کو نہیں لگائے!

وہ ترا غم تھا جسے ہم غمِ دوداں سمجھے بات مشکل تھی جسے اس قدر آساں سمجھے
ویسے ہم کو کبھی اس راز کا ملتانہ سراغ تیری خاموشی سے تیرا غم نہیں آں سمجھے
بیدردی سیاں کلہے کو نہیں لگائے!

رات

اب کہوں رات کی چند حرفوں میں بات خوبیاں اسکی یعنی کچھ اس کی صفات
سوچتا ہوں مگر کیسے تعریف ہو کیسے تعریف ہو کیسے توصیف ہو
دشت کی رات ہے چارہ گر چارہ ساز دشت کی رات ہے بے بہا، بے نیاز
دل کش، دل نشیں، دلربا، دل نواز ماہِ رو، ماہِ برا، ماہِ رخ، ماہِ ناز
خوش نظر، خوش دہن، نازنین، گلِ عذار مشک بو، گل بدن، باہنر، بادِ عار
دشت کی رات کا ذکر کیا بات کیا ایسے ہوتے بھی ہیں اتفاقات کیا

رات صحرا کی ہے رات ظلمات کی
 رات ایسی کہیں ہم نے دیکھی نہیں
 دشت کی رات ہے چاند تاروں کی رات
 شام کے سات سے صبح کے سات تک
 ایک جادو، طلسم، ایک افسوں کی رات
 رات ہے یا کہانی شہر زاد کی
 مبادا درد سحر بوئے دلدار من
 اسکے ہی نام کا درد دیکھ دن تمام
 اسکی ہی یاد کا رات میں نور ہے
 جھکومتی ہے ان سب میری غذا
 دیدنی ہیں مناظر یہ سب دشت میں
داستان گو

دیکھایہ سلیم نے وہ دایہ بند
 دلبر کی یاد سے تھا خرسند
 اس کیلئے اور کیا تھی حاجت

اکارہ

کیا کہوں بت کیا دشت کی رات کی
 دشت کی رات جیسی بھی ہوگی کہیں
 درخ زیبہ کی شب، سیم یاروں کی رات
 صبح سے شام تک، شام سے رات تک
 ایک سیلی کی شب، ایک مجنوں کی رات
 رات اک چاند سی شکل کی یا د کی
 تازہ ہوتے ہیں اس کے مرے جان و تن
 تذکرہ اس کا ہے صبح سے تا بہ شام
 میں بہت دور ہوں وہ بہت دور ہے
 ہے مرض کی مرے بس یہی اک دوا
 صبح کی سیر میں اور شب گشت میں

یعنی کہ وہ تیس وہ ہنرمند
 لیلیٰ کا بیان شہد اور قند
 کی اس نے تھی اس پر ہی فناعت

ایک عرصہ ہوا کہ خاد میں
 جس کا حکم تھا زیر ک عاقل
 تھا مبر وہ فاضل و عالم
 تھی کوئی ایک منہ داور میں
 جو نہ تھا نظم و نسق سے غافل
 خلق میں تھا وہ نامور حکم

ماہر فنِ حرب تھا سلطان
تلجِ نورد شید تاج تھا اسکا
ایک زاہد بھی تھا مکین وہاں
زہد و تقویٰ کا اسکے شہر ا تھا
وہ کہ تھا ایک عارفِ کامل
تھا مجددِ فقیہ اور حافظ
الغرض نیکوں کا حامل تھا
ایک دن اتفاق ایسا ہوا
جس جگہ تھا نشانِ زاہد کا
جو نہی زاہد کو شاہ نے دیکھا

خاور شاہ

ہے یہ ہستی کون جو ہے اس خرابے میں مکین؟
سر پہ سادا ساعماہ تن پہ اک بلو سِ عام
اور بھی کچھ لوگ ہیں اس وقت اسکے آس پاس
کیا ہماری سلطنت کا مدعی ہی تو نہیں
کوئی سازش کر رہا ہے مابولت کے خلاف؟
یاں ہیں رکھے ہیں سب ایک جیسے پیر میں
لگے ہیں سب باریش کے حلقہ بگوش
کس لئے خاموش ہیں اس نہانے میں سب
جمع ہیں جو حاضرین و ناظرین و سامعین۔

پر تو حق تھا وہ فلک ایوان
انجمن و مہ خراج تھا اس کا
جس سے تھا سر بلند دین وہاں
دور نزدیک اسکا ہر چہ تھا!
اس پہ آسان تھی ہر اک مشکل
تھا محدث خطیب اور واعظ
رب کے احکام پر وہ عامل تھا!
اُس طرف سے گذر ہوا شہ کا
تھا جہاں آستانِ زاہد کا
یوں ہوا خاصگان سے گویا
(د کون ہے یہ شخص؟)

ہے کوئی جاسوس؟ یا کوئی یہ رہزن تو نہیں؟
کون ہے اس غار میں اور کیا ہے اس ہستی کا نام؟
ہیں بھی حالی موالی، بابا شعبدہ و باجو اس
کیا بغاوت پر ہے آمادہ ہمارا ریزہ جین؟
سادگی اس کی ہے کیا چہرہ اسکے اک غلاف؟
کیا کوئی اس نے بنائی ہے یہ خفیہ انجمن؟
کون جاکے کہے انکا انتظام نئے دنوش؟
کہہ رہا ہے کچھ عام پوش سب بادب!
ان کے چہروں سے عیاں ہے، ہیں یہ ساری ذہین

(ایک گوشہ نشین زاہد)

حاجب

حاکم خلق ، قوم کے داور
آپ کے ہیں مطیع ہر وہ ماہ
پر تو رحمت الہی ہیں !
عرض کرتا ہوں جو بھی ہے مقدر
نہ تو فردا ہے جسکا اور نہ دے
دین کی راہ اس نے کی ہے ط
شمع کے گرد جیسے پروانے
مقتدی ہیں سب اور وہ ہے امام !
کوئی دل میں نہ دوسو لائیں

اے خداوند خطہ خاں
اے فلک ربہ اے شہ ذیجاہ
آپ اقبال تخت شاہی ہیں
جو سوال آپ نے کئے ہیں حضور
یہ جو باریش شخص غار میں ہے
ایک گوشہ نشین زاہد ہے
جمع ہیں کچھ یہاں جو دیوانے
ہیں اسی پیر کے مرید تمام
شک ہے جو اس کو دور فرمائیں

خدا و شاہ

شک ہمارا دل میں جو تھے رفع ان کو کر دیا
وہ نہ آپاے تو ان کے پاس خود ہم جائینگے

حاجب تم نے بے شکام تو اچھا کیا
مابدولت پیر دانشور سے ملنا چاہینگے

زاہد

آپ کو ایسی کوئی ضرورت نہیں
چاہتے کیا ہیں اب آپ فرمائیے

حاکم شہر اسکی تو حاجت نہیں
خود ہی حاضر ہوں میں سامنے آپ کے

خدا و شاہ

اس خرابے میں ہیں خوش کس طرح سے فرمائیے
اس جگہ سے بھی کہیں آپ آتے اور جاتے ہیں کیا

اے بڑیدہ ازجہاں ہم کو ذرا بستلایئے
آپ لہتے ہیں یہاں کس طرح اور کھائیں کیا

زاد

اس میں خوش ہے بہت خوش غریب الدیار
قدر سے پانی بھی پی لیتا ہوں گاہ گاہ

جس خرابے میں رہتا ہے یہ خاکسار
ہے غذا اپنی جنگل کی تازہ گسیاہ

[رہبانیت]

حاجب

حاجبِ شہ دکھائے گا اب راہ
آپ اک بے نیاز زاد ہیں !
زہد و طاعت گراں بہا ہے شے
ایک پرہیزگار ہیں لیکن
تنگدستی میں عمر کی ہے بسر
جھکوا آتی نہیں ہے لاف و گرفت
خویش بینی ہے خود پائی ہے
زہد کیا ہے طریقتِ پیشی
زندگی جہد کو ترستی ہے
زہد اپنا ہے آپ ہی پنجہیر
جسکا فردا کوئی نہ کوئی دوش
تاب و تپ سوز و سازاک دشنام
آرزو و دوستجو ہے نجات
زندگی کی خیر میں ہے کوئی چاہ
پیش میں طہی زندگی ساری

زندگی اپنی یوں ہی کی ہے تباہ
آپ اک پاکباز زاد ہیں
آپ ہیں نیک اک حقیقت ہے
آپ اطاعت گزار ہیں لیکن
آپ نے راو زہد - اپنا کر
بات ہے صاف آپ کر دیں معاف
لکھو - زہد گو سفندی ہے
ترک دنیا ہے ناخوش اندیشی
زہد کیا ہے سکون پرستی ہے
زہد خود کے ظلم میں ہے اسیر
زہد خلوت گزین شہرِ خوش
مذہب زہد میں طپش ہے حرام
زہد ہے اک سیاہ اندھی رات
نوش کرتے ہیں آپ آب و گیاہ
آپ ہوتے جوشہ کے درباری

آپ ہوتے اگر انیس شاہ
آپ کو مشورہ ہے اب میرا
دیکھئے کیا مرلے دنیا میں

ہو ہی جلتے جلیس ہر دماہ
آئیے شہ کے ہر کاب ذرا
کیا دھرا ہے تلاشِ عقی میں

زادہ [زہد و معرفت]

تو نے اے حاجت مجھے دکھ دیا
تو ہے کیا چیز ادا تیری ہستی ہے کیا
زہد کے باب میں گلفشانی جو کی

کیا کسی دن، کہیں غور بھی ہے کیا
زندگانی تو ہے ایک شے بے بہا
یادہ گوئی تھی اے حاجت تری
میوہِ جنت کا دوسرا طعم سگ
جو مرغِ غنا تجھ کو دیتا ہے شاہ
فرق (ق) دو نوعِ خداؤں میں ہے بر ملا
کون ہے ریزہ چسپ کون ہے نیاز
ایک صبرِ حسین ایک تادیکِ شام
بے خبر لبِ کشائی ہے تجھ پر حرام
کم نظر زہد ہے روح کی روشنی
ایک ہوں گر تو اسکی کروں میں صفت
شہر میں تیرے خالص سیاسی زہد
راہِ تادیک میں جس سے ہے روشنی
تو نہ ہرگز یہ نکتہ سمجھ پائے گا
عاقبت اپنی کیوں کر دیا ہے خراب

ہے الگ زہد و عبانیت ہے الگ
اب یہ کہنا نہ کھاتا ہوں میں جو گیاہ
اُس میں اور اس میں ہے فرق بے انتہا
کاش اک روز کھل جائے تجھ پر یہ راز
میں ہوں ہر طرح آزاد تو ہے غلام
باوجودیکہ تو بولت ہے مدام
بے بھر زہد معراج ہے روح کی
زہد کا دو نام ہے معرفت
خود پسندی نہیں خود شناسی زہد
زہد ہوش و خرد زہد ہے آگہی
حاصلِ ذیست ہے زادہ اور افتا
تو سمجھتا کیا ہے کارِ ثواب

قبل اس کے کہ ہو دے کوئی لب کشا
اب رہی بات کیلئے یہ دنیا تری
یادہ گوئی میں تو نے گزارا ہے دن
مختصر بات کہنی یہی ہے مجھے
دیا ہے تاب مت ہو جہاں کیلئے
ہے یہ دنیا تری ایک دنیا ہے ہوں
کیا ہے دنیا تری یک دواں خوب

دنیا

خوابوں کا بازار ہے دنیا
اک لمحے کو غور کبھی - کر
پھول کی آس میں جینے والے
کون سنبھالے کیسے سنبھالے
ہم سے کچھ خوش تو نہیں ہے
عیشی اور منصور کہاں ہیں
اپنے خود ہیں گھات میں بیٹھے
کال بڑوں کا ہے اس جگ میں
سچوں کے گایک ہی نہیں ہیں
جس کو چٹھے ہے بس مری جانے
اور دن پر بھی بوجھ بنی ہے

بات کہنے کا سیکھ علیقہ ذرا
بات کو غور سے سن ذرا تو مری
حیف تجھ پر ہی بھاری یہ تیرا ہے دن
عقل نے میرا معبود تھوڑی - تجھے
جیسے میکل ہو سگ استخوان کیلئے
جس کے آگے ہے ابلیس تک سرنگی
اک جہنم ہے دراصل جنت نہیں

سانسوں کا بیو پار ہے دنیا
حاجب کس کی یار ہے دنیا
کانٹوں کا اک ہار ہے دنیا
اک گرتی دیوار ہے دنیا
آپ سے بھی بیزار ہے دنیا
دار لئے تیار ہے دنیا
بچ کے چل مکار ہے دنیا!
چھوٹوں کی سرکار ہے دنیا!
جھوٹوں کا بازار ہے دنیا!
پھول نہیں اک خار ہے دنیا!
خود پر بھی اک بھار ہے دنیا

دن ہے اور سنگھڑ ہے بھاری
 دھیان دھرتو اک ناگن کی
 دل میں ہلاہل ہنستا چہرہ
 روزی کب اور کس کو ملی ہے
 دوزخ ہے اور تو سمجھا ہے
 تیرے جاؤ، ڈوبتے جاؤ
 لگتی ہے سیدھی سی لیکن
 سر پر جو تیار کھڑی ہے
 کاٹ بہت ہی تیز ہے اسکی
 سچ کی کہانی چھوٹی سی ہے
 دور سے یوں لگتا ہے جیسے
 لیکن جب کچھ پاس سے دیکھو (ق)

داستان گو

خاموش ہی سن رہا تھا سلطان
 اور شیخ کی گفتگو و عرفان
 اترامکب سے پس بہ محبت
 درپائے رضا کے زاہد افتاد
 تھی شاہ کی زندگانی برباد
 خرم و ہوا سے چل دیا شاہ

حاجب کے دلائل پر ریشاں
 کچھ دیر کے بعد ہی سخن داں
 اور شیخ کے ہاتھ پر کی بیعت
 لی اسکی دعا تو دل ہوا شاد
 اس طرح ہوا مگر وہ آباد
 زاہد نے سمجھائی دین کی راہ

مجنوں نے یہ جو منافانہ
 کچھ دیر میں ہو گیا رواںہ
 پس ہو گیا شاہ کی ہی مانند
 کچھ دن اسی طرح اُس کے بیٹے
 اک دن اسے یونہی بیٹھے بیٹھے
 یادوں کی برائے۔ جوہنی آئی
 اک سوچ میں گم ہوا وہ معذور
 کس حال میں ہے وہ پیکرِ حور
 پس اس نے پیام ایک بھیجا
 مادرِ قیس

(وہ تو ایک سایہ تھا)

لے مرے بیٹے جوانِ ناقواں
 لے پیرِ میکہ، مرے لختِ جگر
 تو ہوا ہے لے مریِ درجِ رواں
 زندگی میں تھی مری، تجھ سے بہار
 جس گھڑی سے تو نے آنکھیں پھیر لی
 ہر گھڑی رہتی ہے میری چشمِ غم
 زندگانی ہے مری آہ و فغاں
 ہر نفسِ گر ذکر ہے تو تیرا ذکر
 شیخ آسا گھٹل رہی ہوں روز و شب
 بارغ، تی کے مرے سرو رواں
 میرے دن کے نور، راتوں کی سحر
 میری ہی آغوش میں پل کر جوان
 میری حالت سے ہے ہر بات آشکار
 رنج، فرصت مجھے بالکل نہیں
 میری آنکھوں سے رواں ہے بیلِ غم
 صبح سے تا شام ہوں فوجہ کناں
 ہر گھڑی گرفتار ہے تو تیری فکر
 ہے طلبِ دل کو تو بس تیری طلب

ہر نفس ہر سانس سے پیتی ہوں اسم
 مَدّتوں سے ہے یہی اک سلسلہ
 اب نہیں جینے کا مجھ کو حوصلہ
 شام آنے ہی کو ہے چل اپنے گھر
 ایک سایہ سا تھا، تھا وہ اک فصول
 ایک لمحے کو جہاں، دکھلا گئی
 تو رہا لب تشنہ پیا سا ہی رہا
 بے خطر بازی لگادی آن کی
 وہ ترا ارمان تیسری جستجو
 پی گیا، باقی نہیں اسکا حساب
 یعنی اک برقی تپاں تھی بجھ گئی
 ایک کروٹ، گمردش ایام کی!
 کیا ملا؟ تو ہاتھ مل کر رہ گیا!
 دہر کے اس دشت میں تھی وہ سراب
 خواب بے تعبیر اے میرے پسر
 یوں لگا، دراصل وہ اک یاس تھی
 شہر تیرا منتظر ہے میرے لال
 تیرا تن تنکا ہے، رخ ہے زرد زرد
 لوٹ آ۔ آبادیوں میں لوٹ آ

روح میں پیوست ہے خارِ الم
 نالہ و فریاد اور آہ و بکا
 زندگی میں ہے مرے وہ مرحلہ
 اب یہی کہتا ہے اے نورِ نظر
 جس کی خاطر تو نے لی راہِ جنوں
 تھی وہ اک توس قرح سی رنگ کی
 ایک بادل تھا کہ جو بے فیض تھا
 جس پہ تو نے زندگی قسربان کی
 تیری سیلی تیرے دل کی آرزو
 وہ تو شبِ نم تھی کہ جو کو آفتاب
 ایک ساعت کی تھی وہ تابندگی
 لب پہ لالی تھی عروسِ شام کی
 تھا وہ اک شعلہ جو جل کر رہ گیا
 تو نے دی ہے جو چاہت ہے حساب
 خواب تھی اک خوابِ فانی بے خبر
 آرزوں کے نگر میں آس تھی
 تو نے صحرا میں گزارے ماہِ سال
 دیکھتی ہوں آہ اے صحرا نورِ د
 جو بھی گذری جو بھی بستی بھول جا

قیس (زندہ جاوید ہے ہمارا عشق)

اے ستم دیدہ لے مری مادر
 دیکھ کر تجھ کو آنکھ بھر آئی
 دیکھ کر تجھ کو یوں ہوا افسوس
 جیسے جکڑا ہو ایک اژدر نے
 کھسائی تجھ کو زندگی کی نظر
 تو کہ تھی ایک برقی جوالہ
 معتمد تھی تو اپنے شوہر کی
 جب بھی دربار میں تو آتی تھی
 تجھ پہ جو کچھ ہوا مرے ہی سبب
 ماں تو کر دے معاف میرا قصور
 آج آئی ہے تو جہاں اے ماں
 آج سے کچھ ہی پہلے مادرِ پیسہ
 تجھ کو اس پر یقین کم ہوگا
 اس میں کیا شک کہ ریت کا یہ نگر
 زندگی کی نوا سے تھا محروم
 یہ تو اک کارزارِ حسرت تھا
 تھا درشت اور سخت ہل دشت
 ایک خبیطی سڑی طبعیت - کا
 آج تو ہو گئی ہے بے چادر
 زندگانی تجھے کہاں لائی ؟
 دل دکھا میرا بر ملا افسوس
 تجھ کو کیا کر دیا مقتدر نے
 شام تیری نہ کوئی تیری سحر
 تو کہ تھی گلی کدے کا اک لالہ
 اک صنم تھی تو اپنے آذر کی
 آنکھ تجھ پہ ٹھہر نہ پاتی تھی
 مادرِ بے نوا، مرے ہی سبب
 تو سزا جو بھی دے مجھے منظور
 اک عجوبہ ظلم ہے یہ جہاں
 تھی یہ بے رنگ و صوت اک تصویر
 بڑھڑکھایا یہ بے ہنر کمال !!
 جسکے دستے ہیں تبلیح صرصر
 (ق) ساز، صوتِ غنا سے تھا محروم
 یہ تو اک خارزارِ وحشت تھا
 اس میں کرتے تھے اڑدھ شب گشت
 تھا یہ اوجھاگریِ نابینا کا !

تنگ دل، ناگوار، بدخصلت۔
 ست، برمودہ اور نامعقول
 شہنشاہ، خواہ حقیر، کلتے دراز
 سخت بے التفات تھا یہ دشت
 اسکو کہتے تھے دادی غریب
 متفرک تھا اس ہر اک خار
 تھا زیاں کار اور ظاہر دار
 اسکی کنجوسی اس کی جزورسی
 اک قیامت کی نشتہ انگیزی
 گھر میں رسوا تھی در میں رسوا تھی
 وقت گذرا اس پہ اک ایسا
 اس کی وحشت کوگ تھے خائف
 میرے آنے کے بعد حال یہ ہے
 اس کو دیا ہے اک آہنگ
 مجھ کو نگری بہت یہ بھاتی ہے
 گہما گہمی سی ہو گئی ہے یہاں
 خا و زاروں میں پھول کھلنے لگے
 اسکے ماحول میں ہے رونق سی
 پہلے رہتے تھے اس میں جو بھی غزال

ترش رو، بد مزاج، پرخوش !
 تھا بیاباں یہ ایک دشتِ فضول
 اسکا کوئی نہ تھا یہاں دم ساز
 کج ادا بے صفات تھا یہ دشت
 جس میں پلتے تھے نکبت و عسرت
 تھا یہ خونریز، خونچکان، خونخوار
 تھا مہرّت رساں یہ بد اطوار
 برہمی اس کی طرف معجونی۔
 اس کی بدخوئی اس کی کینہ دہی
 (ق) گانوں میں اور نگر میں رسوا تھی
 جب کوئی اس کو پوچھتا بھی تھا !
 مصر کی سرزمین سے تا طائف
 جانتے سب ہیں اب یہ کیا ہے شے
 دے دیا اپنے ہی لہو سے رنگ
 دیکھنے مجھ کو خلق آتی ہے
 جو ادا سی تھی کھو گئی ہے یہاں
 ذرے اک دوسرے سے ملنے لگے !
 ہر جگہ لگ گئی ہے بے سرق سی
 چو کر دی بھول کر تھے بیاباں

کم ہے سم اس میں اور کم غم ہے
 دام دود پھر سے مائلِ رم ہیں
 ختم اسکی ہوئی ہے سنگِ دلی
 اب تک تارِ بیکوں سے اسکو فراغ
 مجھ پہ اب دہر کی نگاہیں ہیں
 جامِ میرا ہے میں ہوں خود ساقی
 اب نہیں ہے یہاں کہیں ماتم
 فتنہ انگیزیاں ہیں حرفِ غلط
 عشق سے زیت نے مزا پایا
 سچ یہ ہے بے مثال ہے اے ماں
 حسنِ والوں پہ مرتے آئے ہیں
 دہر میں مجھکو اور کیا ہلتا؟
 اسکے در پر جو کی جبہ سائی
 اس کا ہو گا ہر اک جگہ شہرا
 اس کا ہو گا ضرور یاد رکھیں
 یہ کہاں ہے بھلائے والی شے
 گیت گائیں گے سب ترانوں میں
 زندہ جاوید ہی ہے گاسدا!
 میں جہاں ہوں وہیں بہت خوش ہوں
 شہر میرا نہ ہے کوئی بستی!

دشت کی اب کر خستگی کم ہے
 اب مفرّتِ رسانیاں کم ہیں
 مٹ گئی ہے اب اسکی تنگ دلی
 اس میں میرے سر تک ہے جس درخ
 ان فضاؤں میں میری آہیں ہیں
 ترش روئی نہیں ہے اب باقی
 اس میں بے التفاتیاں ہیں کم
 اس کی اب تیزیاں ہیں حرفِ غلط
 علم ہے سب کو عشق میں نے کیا
 عشق میرا حال ہے اے ماں
 لوگ یاں عشق کرتے آئے ہیں
 عشق میں نے کیا بُرا نہ کیا
 دل میں محبوب کی جگہ پائی
 تاقیامت ہے گاعشق میرا
 تذکرہ آنے والی نسلوں میں
 لوگ گن گائیں گے یہ ہے ابدط
 بات ہو گی یہی فانوں میں
 عشقِ لیلیٰ کا اور مجنوں کا
 لے مری ماں یہیں بہت خوش ہوں
 آج ہے خواب سی مری ہستی

شہر مجھ کو نہ اس آئیگا
اس لئے تجھ سے اب گذارش ہے
دشت کی تو صوبتیں مت جھیل
اب خدا کیلئے تو واپس جا
جامری ماں ترا خدا حافظ
داستان گو

اک بوجھ سا دل سے ہٹ گیا تھا
اک لمحے میں ہو گیا روانہ
بیٹے نے کیا جو قطع بیوند
واپس ہوئی لے کے چشم پریم
خداوند تھا اسکا خاص محرم
تنہا تھی اک آؤ نار سا تھی
بار اور اٹھا چکی تھی پہلے
تھک ہار گئی تھی دکھ اٹھ کے
اس دہر سے کر گئی وہ رحلت
ہمدرد سلیم عامری تھا
یکچھ عرصے کے بعد کو صحرا
اس دشتِ ستم میں جب پہنچا

میرا ہر خواب ٹوٹ جائے گا
آرزو ہے مری یہ خواہش ہے
اپنی ہستی سے اس طرح مت کھیل
اس بیاباں میں لوٹ کے مت آ
میرے ارماں ترا خدا حافظ

مادر سے وہ مل کے سوئے صحرا
پیچھے نہ ذرا پلٹ کے دیکھا
روتی رہی ماں برائے فرزند
دل میں تھے ہزار طرح کے غم
وہ کر ہی چکی تھی اس کا ماتم
بے روح سا تن تھکے نوا تھی
غم جھیلی ایسے اور کتنے؟
اک روز نہ اٹھ سکی ستر سے
کمرے کو بہشت میں سکونت
ہشیار بہت تھا اور سیانا
رستہ کی خبر لئے سدا ہوا
مجھوں کو الم میں غرق پایا۔

سلیم عامری

(مادر بے چسار)

اے شہر عاشقان سلام علیک
پیش ہے پھر سے احترام سلیم
میں جو لایا ہوں ساتھ اے مضطر
آپ کی چاہ، آپ کی مسادر
آپ کی جس نے پردریش کی تھی
اس جہاں سے گزر گئی بیہیسات
آخری وقت تک بھی آپ کو یاد
داستان گو

جیسے ہی خبر سنی الم ناک
دل میں نہ رہا تھا بیم اور باک
جس طرح سے کوئی مرغ بسمل
آنکھوں سے ٹپک رہا تھا ہڈیاں
آنکھوں ہی سے لگتا تھا پریشاں
اک عرصے تک رہا وہ بے ہوش
مجھوں تو نہ تھا کوئی دانا
امڈے جو سرشک والہا نا
قدرے ہوا پر سکون جب تیس

مجھوں نے کیا، دل و جگر چاک
پس لوٹنے لگ گیا سر خاک
لوٹے سر خاک ہو کے گھائل!
آنکھوں ہی سے بہ رہا تھا طوفاں
آنکھوں ہی کا گلستاں تھا دیراں
ہوش آیا تو ہو گیا وہ خاموش
تھا وہ رہ عشق میں سیانا
سارے ہی گھر تھے دانا دانا!
گویا ہوا اس طرح سے تب تیس

(کیسا فائدہ؟)

قیس

مجھ پہ ہے کیوں ستم ظلم کیوں بے سبب
اس طرح دل دکھانے سے کیا فائدہ؟
کل تک تھا یتیم آج ہوں میں یسیر
مجھ پہ یوں ظلم ڈھانے سے کیا فائدہ؟
جھٹکے برگ جس کے ہوں ایسا ہنال
مجھ کو ایسے ستانے سے کیا فائدہ؟
اب مرے پاس کچھ بھی نہیں ہے رہا
قہر دل میرا ڈھانے سے کیا فائدہ؟
ایک صیاد کا میں گرفتار ہوں
ہوش میں میرے آنے سے کیا فائدہ؟
کیوں ہے اے میرے رب مجھ سے تو دور
اور مجھ کو رُلانے سے کیا فائدہ؟
ایک نوخیز کو پل میں اپنا لیا
اس دینے کو بھلنے سے کیا فائدہ؟
تو ہے واقف کہ ہوں زشت یا خوب
مجھ کو ٹھوکر لگانے سے کیا فائدہ؟
میں ہوں اک عام بند اترے شہر کا
مجھ کو سولی چڑھانے سے کیا فائدہ؟

اے خداوندِ قدوس اے میرے رب
مجھ پہ غصہ یہ کیسا یہ کیسا غضب
کر دیا مجھ کو زندانِ غم میں اسیر
میں ہوں بندہ ترا اک غریب و حقیر
عمرِ پر میری کیوں آگیا ہے زوال
کیوں نگاہِ کرم ہے تری خال خال
زنگ خوردہ سی اک پہاڑ میں بن گیا
سازِ خاموش ہوں بے نوائے صدا
اپنی اس زندگانی سے بیزار ہوں
میں نہ بیدار ہوں اور نہ ہشیار ہوں
کیسے ہے میرا گنہ کیا ہے میرا قصور
رنج و غم سے سرسبز ہوں میں چور چور
اک تیکہ سہمے جب عشق میں نے کیا
ایک طوفاں تھا پھر بھی جلا یا دیا
کیوں نگہ میں تری آج معتب ہوں
تیری دہلیز ہی کی میں جا رہا ہوں
میرے مولا سب کیا ہے اس قہر کا
میں نہیں کوئی حلاج اس دہر کا

عشق میرا ہے صادق یقیں ہے مجھے
 تلخی عشق بھی انگلیں ہے مجھے
 اسکی ہی یاد ہے ہر نفس ہر گھڑی
 اس نے دیکھا تو دنیا مری لٹ گئی
 مجھ کو تیرا ہی درد دل سے بھایا بہت
 مجھ کو تیری ہی چھت اور سایا بہت
 جو بھی مانگو نگا، مانگو نگا در سے ترے
 اپنے ہی ہاتھ سے دے دے داتا مجھے
 آگ نمرود کی کٹی بھلایا مجھے
 ہر طرح میرے رب آزمایا مجھے
 کر دیا مجھ پہ ایک شوخ نے بے فوں
 کہتے ہی مرتبہ بہر چکا میرا خون
 نہ تو ہشیار ہوں اور نہ چالاک ہوں
 مٹ چکا ہوں یہاں تک کہ میں خاک ہوں
 آگ کی گل کدے پر کچھ ایسے خزاں
 بارغ میں ہو گئیں پتیاں پتیاں
 اک طرف تھا زجاج ایک جاتھا سنگ
 میں نے تنہا اکیلے لڑی ہے یہ جنگ
 ہے جگر خون سینے میں قلب تپاں

جھوٹ کہنے کی عادت نہیں ہے مجھے
 مجھ کو حنظل چکھانے سے کیا فائدہ؟
 دو ہی لفظوں میں کہہ دوں حکایت مری
 ایک لمحے فسانے سے کیا فائدہ؟
 میں نے اس در پہ ہی چین پایا بہت!
 اور کسی کے ٹھکانے سے کیا فائدہ؟
 خالی خالی ہے کا سے کو بھر دے مرے
 غیر کے در پہ جانے سے کیا فائدہ؟
 سیل آشفنگی میں بہایا مجھے
 مجھ کو پھر آ زمانے سے کیا فائدہ؟
 ہوں قلیل اور مجھے ان دنوں ہے جنوں
 پھر سے خوں میں نہانے سے کیا فائدہ؟
 ان دنوں حد سے بڑھ کر الم ناک ہوں
 اور مٹنے مٹانے سے کیا فائدہ؟
 مٹ گئی ہر روش لٹ گیا آشیاں
 اب نئے گل کھلانے سے کیا فائدہ؟
 زندگانی سے اب آگیا ہوں میں تنگ
 دل پہ اور تیر کھانے سے کیا فائدہ؟
 نرم و نازک سی پوست دل میں سناں

دامنِ چاک ہے دھجیاں دھجیاں
 میں اگر سو گیا مجھ کو سونے ہی دے
 تخمِ غم اپنی ہستی میں بونے ہی دے
 ہے وہ شعلے سے ٹوٹا ہوا اک شرر
 اس سے ہوگا ملنِ اسطرح سوچ کر
 ایک وہ بھی تھا کل جب تھا آتشِ جواں
 فرشِ کخواب تھی راہ کی سختیاں
 کیا کہوں مجھ پہ گزرے ہیں کیا واقعے
 راکھ مجھ کو کیا آتشِ ہجر نے
 ایک تصویرِ غم ایک رخِ زرد سا
 میرا ہی آئینہ اور چہرہ مرا
 ایک دن میری محبوبِ ملِ جاہلیگی
 آہ وہ شے جوابِ غیر کی ہو چکی
 سوچتا تھا کہ اک روز وہ ماہِ برد
 بے حجاب آئیگی بزمِ میں دو بدو
 آف یہ صحرا اور اس کی یہ برنائیاں
 لوگ چالاک ہیں لوگ ہیں کائیاں
 مطلعِ قلب پر غم کا سورج اُگا
 آگیا دقت اب چھپرے جو گیا

دھجیوں کو اڑانے سے کیا فائدہ؟
 روتا آیا ہوں تو مجھ کو رو دے ہی دے
 میں ہوں بے حس جگانے سے کیا فائدہ؟
 میری منزل الگ راہ اس کی دگر
 دل کی دھڑکن بڑھانے سے کیا فائدہ؟
 ریگِ صحرا تھی میرے لئے پر نیاں
 ویسے طوفاں اٹھانے سے کیا فائدہ؟
 دل نے صدمے اٹھائے ہیں کس طرح کے
 اور مجھ کو جلانے سے کیا فائدہ؟
 ٹوٹا ٹوٹا ہوا بکھرا بکھرا ہوا
 خود مجھ ہی دکھانے سے کیا فائدہ؟
 مجھ کو تھا حوصلہ مجھ کو امید تھی -
 اس کو ایسا بنانے سے کیا فائدہ؟
 لالہ رخسارِ شبنم، گلِ مشکبو
 خواب ایسے سجانے سے کیا فائدہ؟
 راس آنے لگی ہیں یہ تنہائیاں
 ہاتھ ان سے ملانے سے کیا فائدہ؟
 موسمِ درد ہے چھ گیا ابرو
 راگِ درباری گانے سے کیا فائدہ؟

تجھ کو مجھ سے ملا کیا یہاں جزو فنا
 آج ہو سکتی ہے آئے سراپا جفا
 تو کسی اور کی ہو چکی ہے سبب
 دل ترا ہے کہیں اس لئے مجھ کو اب
 چشم پر خم ہے یا غم کا دروازہ ہے
 غم میرا دوست ہے غم ہی میرا زہ ہے
 عشق میں مات کھانے کا ہے دار و بست
 اس میں آغوا زہی سے ہے شہ آشوبت
 ابن مریم کی خاطر یہاں ہے صلیب
 اس پہ بھی گمراہی ہو اے حبیب
 اے شوق سے دل اور ہوتا ہے خوار
 جب یہی رسم دنیا ہے اے غم گسار
 لاکھ تم دل سر راہ رکھ دو مگر
 اس لئے دوست و بات ہے مختصر
 آنکھ سا غم بنے ہاتھ کا سر بنے
 سوچ اے دل ذرا کیا ملیگا تجھے
 میرے ہمراہ ہیں کوہ و دشت و دمن
 جب بھی سنتا ہوں یاروں کا میں سخن
 داستان گو

گو قیس کی زندگی تھی پامال

پائل میں گرچہ تو نے لگائی حنا
 یوں پہلنے بدلنے سے کیا فائدہ؟
 تو نے مجھ پر کیا اک ستم اک غضب
 پاس بٹھانے سے کیا فائدہ؟
 خامشی نے مٹی غم کی آواز ہے
 غم کورہ سے ہٹانے سے کیا فائدہ؟
 حوصلہ عشق بازی میں رہتا ہے میت
 رنگ اپنا جمانے سے کیا فائدہ؟
 دار منصور حلاج کا ہے نصیب
 پھر دار جانے سے کیا فائدہ؟
 اشک پینے سے بھی دل کو ہوتا ہے غار
 اشک پینے پلانے سے کیا فائدہ؟
 وہ ستم گر نہیں آئیگی راہ ہیر
 دام ایسے بچھانے سے کیا فائدہ؟
 باوجود اسکے تجھ کو وہ ٹھکرا پٹے
 خود کو اتنا گرانے سے کیا فائدہ؟
 مجھ کو اتنا ہے غم میرا جلتا ہے من
 قیس جیسے دوانے سے کیا فائدہ؟

لیلیٰ کا بھی غم سے تھا برا حال

اور ڈھہ ہوئے ایک دن وہ اک شال
 وہ سوچ رہی تھی دل میں یکسر
 تھا قیس کا ذکر لحظہ لحظہ
 پھر تا تھا ادھر وہ صحرا صحرا
 وحشت کے نگر میں بس رہی تھی
 لیلیٰ کا تھا جسم جیسے تنکا
 تھا قیس ہی زندگی کا ملبا
 مجنوں لیلیٰ کا تھا کنھیا
 وہ سوچ رہی تھی کوئل جل جائے
 شاید کہ وہ شہر لوٹ آئے
 تھی فکر اسے ہی لگا تار
 اتنے میں ہوا خدا کا کرنا
 گورہ تھی اس کا کوئی گھرنا
 اب راہ سے کر کے ہی اٹھ گئی
 تھا گام زن ایک پیر دانا
 روتی ہوئی خلق کو ہنسانا
 تھا پیر کے بائیں ہاتھ کا کھیل
 لیلیٰ پہنچی وہیں لیک کے
 تھا راز جو کچھ بتایا پہلے
 مجنوں کے وہ خط حوالے ہوئے

آئی سر راہ پہنچے خلخال
 شاید کہ دکھائی دے وہ دلبر
 تھی قیس کی بات لمحہ لمحہ — !
 روتی تھی ادھر یہ دریا دریا
 ہر پل وہ زمین میں دھس رہی تھی !
 یہ بارالم نہ اٹھ رہا تھا
 تھا قیس ہی زندگی کا ماوے
 گویا کہ تھی برف کی وہ میسرا
 جو قیس تک پیسا پہنچائے
 لیلیٰ کی نگہ کی بات سمجھائے
 ہو قلب کا دور کیسے آزار ؟
 کام آگیا اس کا رہ پے دھرنا
 تھا دل میں یہی کہ جینا مرنا
 بھیج گئی وہ خط یا جان دیگی
 دانا تھا بزرگ اور سیانا
 بھولے برے کورہ دکھانا — !
 اک تل سے بھی وہ نکالت تیل
 جس سے وہ جا رہا تھا رہے
 راضی کیا تا وہ بے جا جائے
 پھر جانب شہر لوٹ آئے

نامِ لیلیٰ — بارِ دگر

لٹ گئی میری نوا، ٹوٹ گیا ہر خامہ!!
 دل بے صبر کو کرتی ہوں ہمیشہ تادیب!!
 میرا رب دقت وہ لائیگا کہ تو آئیگا!!
 ہے مگر اسکا یقیں دل کو بھی ہے اسکا پتا
 دشتِ بے نام کب بے سود گرفتاری
 تیرے آجانے سے محفل میں سرو لائیگا
 شہر بھر میں تر آجانے کا چرچا ہوگا
 خود بخود سے شک بہ آغوش گلستاں بکنا
 سازج اٹھسکے، دل نغمے میں کھو جائے گا
 عطر میں ڈوبی ہوئی بادِ صبا گزریگی
 گلکدے قوس کی مانند، دیکھ اٹھیں گے
 لیون کی نواؤں سے فضا چمکے گی!
 اپنے ہمراہ خوشی بارِ دگر لائے گی!
 لوٹ اس طرح سے آدشت کو دوبارہ جانے
 اپنی آنکھوں کے دریچے میں سجاوٹ چھو!
 میں نے کب تیری محبت سے کیا ہے انکار
 جو بھی نکھایا ہے یہاں اس میں نہیں لا دگر

پھر تری بزم میں آئی ہوں لئے اک نامہ
 انجمن میں تری کب ہوگا اسے بارِ نصیب
 جلنے وہ دقت کب آئیگا کہ تو آئیگا
 کیا خبر کس کو پتہ کونسا وہ دن ہوگا
 تو نکل آئیگا اک غرقہ رنگاری سے
 ایک دن تو رہی ہوں میں مزد آئیگا
 تو آئیگا تو ہو جائے گا اک جشنِ بیا
 فصل گل آئیگی تو آئیگا جب مثل بہار
 زلف سر ہوگی تو ہنگامِ خوشی آئیگا
 جب بھی گلزار سے وہ شوخ ادا گزریگی
 گرد آلود سب آئینے چمک اٹھیں گے
 پھول دیکھیں گے تو یکبار ہوا چمکے گی
 مجھ کا امید ہے وہ ساعتِ نیک آئیگی
 ابھی جا دقت کو بیکار نہ کھو، لوٹ بھی آ
 ابھی جاتا کہ میں پلوں میں چھپا لوں چھو
 اے مرے یاد مرے دوست، مرے عاشقِ زار
 غلطی ہو مرے نامے میں تو کرے تو معاف

جواب مجنوں مجنور لیلیٰ

آپ کا نام مل گیا اے یار
 صبح اٹھتے ہی ہے میرا معمول
 آپ کے خط کو دل کی آنکھوں سے^(ن)
 کتنی دلکش ہے آپ کی تحریر
 کیا کہوں کیا ہے خط کی آرائش
 مناسب ہیں لفظ اور جذبے
 جملہ کوئی نہیں محفلِ انظر
 صاف تحریر کی ہے نوک پلک
 ہے عبارت بھی آپ کی عمدا
 ہے لبوں پر یہی دعا میری
 اس قدر کر رہا ہے دل عیش
 کیا لکھوں میں جواب میں اے یار
 اک صدف بے گہر مری تحریر
 ان بیاباں نور دیوں میں عطا
 اک نیا زاد یہ ملا ہے مجھے
 ہو گیا ہے جنوں بہت بے باک

گلِ تمنا کا کھل گیا اے یار
 میرا معمول یعنی میرا اصول
 دیکھ کر چومتا ہوں پلکوں سے
 موتیوں سے گندھی ہوئی ذنجیر
 غلطی کی کہاں ہے گنجائش
 متوازی ہیں آپ کے فقرے
 حرف کوئی نہیں گراں دل پر
 مجھ کو اس میں نہیں ہے کوئی شک
 خط نہایت ہے صاف اور ستھرا
 تو دعا سن لے اے خدا میری!
 آ رہا ہے میرے قلم کو غش
 آپ سے قیل و قال ہے بیکار
 یعنی بے مدعا مری تقدیر
 فیض مجھ کو ہوئے بفضلِ خدا
 سوچ کا، کیا کہوں کہ ہے کیسے!
 اس کے آگے خود خس و خاشاک

عشق پہنچا ہے اک مقام پہ آج
 آپ اب کتھا ہیں لے لیلی
 آپ کی ذمہ داریاں ہیں الگ
 اس سے بڑھ کر بتاؤں اب کیا میں
 دل میں نہ سوچیں نہ آپ سہواً بھی
 ہے کوئی اور آپ کا لیلی
 شیخ ابن السلام ہے یکر
 کفر ہے کفر غیر ہستی کا
 اور کوئی کبھی بھی لے نہ سکے
 یوں تو کہنے کو داستاں ہے بہت
 ختم کرتا ہوں اس حکایت کو
 (عشق کس منزل میں ہے ؟)

لیلیٰ

کس قدر سرعت سے لاکھیں جواب دیا آپ
 مل نہ پائیں گے مناسب لفظ لے پیر جواں
 آپ کو زحمت نہ ہو گر مجھ کو بھی بتلائیے
 کس جگہ ہے ان دنوں مجنوں کے کیا آزار ہیں
 ان دنوں اس سوختہ ساماں کے کیا اطوار ہیں
 (غرض مجنوں کی یہ حالت ہے لیلیٰ)

پیر بزرگ

کہوں کیا تجھ سے میں احوالِ مجنوں
کہوں کیا تجھ سے میں احوالِ مضطر
مری بیٹی کہوں کیا ماجرا میں
لیا جب سے ہے اس نے جگ سے پیراگ
ہے اک اندھے سے گھر میں بے خور و خواب
کہ ہے اک زنگ خوردہ آئینہ سا
لگی ہے تن بدن میں آگ جیسی
پریشاں روزگار، آشفٹ، حیراں
ہر اک سودیتا پھرتا ہے منادی
لبوں پر ہے صدائے لیلیٰ لیلیٰ
نہیں ہے کچھ بھی نیک و بدے آگاہ
ہے اس پر منکشف اسرارِ لیلیٰ
اٹھاتا ہے کبھی اک خارِ صحرا
اسے اک قطرہ شبنم میں اکثر
کبھی ہنستا ہے بس فرطِ طرب سے
کبھی پتھر سے کہتا ہے کہ

کبھی قلعہ، کبھی تو میل فرسنگ
نہاں ہیں تجھ میں ایسے ایسے نیرنگ

قیس لے سنگ
نہیں کوئی یہاں پر تیرا پا سنگ

کبھی تو ہے یعوقِ فتنہ بد سرور
 کبھی لات و ہبل بن کر جو آیا
 کبھی آیا تو شکل بعل لے کر
 کبھی تو ہے یغوث بے مروّت
 کبھی تجھ سے بنا ہے ہیکل الروم
 اگر آذر کے ہاتوں میں چلا آئے
 جو ابراہیم کو ہوتیرا سودا
 کبھی تو ایک سل مضبوط اور سخت
 کبھی تو کوہ کی محکم چٹاں ہے
 کہیں تو سنگِ خارہ، سنگِ مرمر

کبھی ہے نسرِ بے ہنگم سرا سر
 تو تو نے اک نیا طوفاں اٹھایا
 تری آنکھیں تھیں جیسے لعل یکسر
 ازل سے خون پینا تیری فطرت
 زمانے میں ہوئی تھی جس کی اک دھم
 تو پھر تو موم جیسا نرم بن جائے
 عصا سے تجھ کو کر دے پار اپارا
 کبھی تو ہے فقروں کے لئے تخت
 تو اُس صورت میں بے نفع دزیاں ہے
 چٹانوں میں جیل کی ہے ترا گھر

نہایت سخت ہے تیرا ہیولہ
 کبھی لگتا ہے تو ایسی کے دل سا
 تری فطرت میں سختی مستقل ہے
 یہ تیری سنگ جانی، سنگلاخی
 تری اس سنگ خوی کے ہیں چرچے

شرارے تجھ میں پنہاں اور شعلہ
 گذر ہو دے نہ جس میں بے محابا!
 نہایت سنگ رو ہے سنگ دل ہے
 کسی نے تجھ کو پکھلایا تو ہوتا
 کسی نے تجھ کو سمجھایا تو ہوتا

کردوں میں ختم اب تیری کہانی
 کہانی ہے کہ تیری سنگ جانی

پیر بزرگ

غرض مجنوں کی یہ حالت ہے لیلیٰ کہ تنکا بن گیا اس کا بیو لا

لیلیٰ
(ساتھ میں مجنوں کو لے آئیں)

شمع کی صورت گھلتی ہوں میں روز کہاں کب کھلتی ہوں میں ؟
دل کی فراغت حرفِ غلط ہے میری اطاعت حرفِ غلط ہے
دشت میں وہ بھرتا ہے آ، میرے ڈھونڈیں اسکو میری نگاہیں
چاہتی ہوں اب دیکھوں اسکو آنکھوں ہی میں رکھ لوں اسکو
آپ کو بس اک زحمت ہوگی میرے لئے اک رحمت ہوگی
دشت میں جہائیں آپ دوبارا مجنوں ہے گو پیا را پیا را !
ساتھ میں اسکو لے کر آئیے لائیں اک مردے کو جہائیں
آپ سے ہیں مجھکو امیدیں جلد سنائیں مجھکو نوید سے

دستان گو

دانا مے بزرگ دشت و دریں پس کوہ بکوہ تھے سفر سے
اک لمحے کو بھی نہ ٹھہرے گھر میں منزل تھی بس ایک ہی نظر میں
جہاری دکھی تلاش اس کی پوچھا کئے بود و باش اس کی

آخر کو ملافتادہ بر خاک
بریاں تھا جگر تو سینہ تھا چاک
آشفۃ پڑا تھا قیس غناک
پینے کو سرشک کا تھا پانی
خاشاک فقط تھی اس کی خوراک
مسمار تھی اس کی نوجوانی

پیر بزرگ (اک نظر دیکھنا چاہتی ہے تجھے)

اے عرب کے جیالے جری نوجواں
یہ بیا باں نور دی ہے کس واسطے
اس طرح سینہ کو بی ہے کس کے لئے
تو ہے کس وجہ سے ایسا زار و نزار
مجھ کو لیلیٰ نے بھیجا ہے اک بار پھر
تجھ کو بھیجا ہے اُس ماہ رونے سلام
مدتوں سے تجھے اس نے دیکھا نہیں
دلفکاری سے فرصت کہاں ہے اسے
ڈر ہے مجھ کو نہ ہو جائے وہ حور چشم
اک نظر دیکھنا چاہتی ہے تجھے
دو گھڑی کے لئے ہی سہی لوٹ آ
تجھ کو بھی دیکھ کر اس کو ہو گا سکون
رامش انگیزا شعار اس کے لئے
ہے خبر بھی کہ منزل ہے تیری کہاں؟
برہنہ سی یہ وردی ہے کس واسطے؟
اس طرح ظلم خود پر ہے کس واسطے؟
کیوں بنایا الم کو ہے اپنا شعار؟
حشمت اس کی ہوئی ہے گہر بار پھر
مصر کی اک محی سی ہے وہ لالہ فام
اس نے دیکھا نہیں اور نہارا نہیں
آہ و زاری سے فرصت کہاں ہے اسے
ایک دن مثل یعقوب وہ کور چشم
ساتھ میں بیٹھنا چاہتی ہے ترے
بھیجی اس نے ہے انگشتی لوٹ آ
ہو گا کم اس طرح تیرا سوزِ دروں
تو نے عرصے سے شُد نہیں ہیں لکھے

ساتھ چلتے ہوئے نظم تحریر کر نظم تحریر کر ، دایہ شمشیر کر
چند فرسنگ ہے یاں سے اک نخل زار منتظر ہے دہاں پر تری وہ نگار

داستان گو

خوش دل سے تھا سن کے نام لیلیٰ مجنوں کہ تھا اک غلام لیلیٰ
اچھا تھا یہ انتظام لیلیٰ جس باغ میں تھا مقام لیلیٰ
پہنچا دہاں کر کے وہ تگا بہو جس کینچ میں آئی تھی وہ مہر و
دیکھا کہ مقام پر فضا تھا خوش رنگ ہر ایک گل کھلا تھا
اُس باغ میں اک سکون سا تھا اک کینچ میں ایک خوش ادا تھا
خاموش تھی وہ بہت پری رو گویا ہوا قیس بھکے اک ہو

(ایک درخواست)

قیس

حضور ے لیں سلام میرا قبول ہوا احترام میرا
خبر نہیں مجھ کو اس کی مطلق نہیں کہ ہے یاد نام میرا
یہی ہے بس ایک دل کی خواہش ہے ایک بس آپ سے گزارش
قبول درخواست میری کر لیں کہ جس سے ہو ختم دل کی کاہش

(خیر دار)

پیر بزرگ

قبل اس کے کہ کرے حرف سخن تو آواز قبل اس کے کہ زبان کچھ ہو تری اور دراز

تجھ سے کہنا ہے یہی پردہ نہ اٹھنے پائے
 اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا
 بات کھل جائے تو پھر خاک میں مل جائے گا
 اور پھر آنکھ سے ٹپکیں گے ترے دل کا لہو
 تو اگر حد سے گزر جائے تو سرتابی ہے
 وہ سیہ حرف جو مذکور فسانے میں نہیں
 عیب ناک اتنا ہے وہ حرف کوئی کیا بتا
 مذہب عقل میں ہوتی ہے گرفت اسکی ضرور
 جانتا ہوں کہ سیفے کو ہے طوفاں درکار
 علم ہے مجھ کو کہ ہے موج کو ساحل کی تلاش
 مجھ کو معلوم ہے بلبل کو ہے اک گل سے لگاؤ
 ایک پروانہ یہ چاہے ہے کہ صدقے ہو جائے
 چاند کے گرد جو سیار ہے اس طرح چکور
 کوئی صیاد جب آتا ہے یہاں دام بدوش
 مضطرب رہتا ہے کیوں قطرہ نیساں کو صدق
 باغ میں گل کے لئے ادس کے کیا معنی ہیں
 ان سبھی باتوں کے کہنے کی ضرورت کیا ہے
 کچھ بھی حاصل کہی ہو گا نہ خجالت کے سوا

بات مخفی ہی رہے راز نہ کھلنے پائے
 مانگ کر کچھ بھی نہ لے اس سے تو مرنا اچھا
 لے سرا سیمہ کہی دل نہ سکوں پیائے گا
 بات گر جائیگی دل پر نہ رہیگا قاتلو
 چشم گردوں کو ذرا دیکھ کہ عتابی ہے
 ایسا اک حرف جریکے میں دو آنے کے نہیں
 لب یہ لانا بھی جو چاہیں تو نہ لایا جائے
 تو بھی مجبور ادا دھروہ بھی اُدھسے مجبور
 مانتا ہوں کہ نشیمن کو ہے اک برق سے بیار
 مجھ بہ تو ایک زمانہ سے ہی یہ راز ہے فاش
 سینہ عشق میں پوشیدہ نہیں حسن کے گھاؤ
 شمع بر، اس کی یہ خواہش ہے کہ اس میں کھوجا
 اس کے سینے میں امنڈتی ہے گٹا اک گھنگور
 صید کو دیکھ کے جاگ اٹھتا ہے سینے میں غروش
 مجھ کو معلوم ہے ہے تیر کو کیوں شوق ہدف
 علم اس کہنہ حقیقت کا بھی رکھتا ہوں میں
 دل کی تفسیر بیان کرنے کی حاجت کیا ہے
 اس لئے ناطق خاموش رہے بہر خدا

باوجود اس کے کوئی بات جو کہنی ہو تجھے کہہ دے لیلیٰ کو اسے شعر کے پیرائے سے

(بحضرت لیلیٰ)

قیس

اے میرے گلابِ نوشگفتہ
ان تیرہ شبوں کے میرے مہتاب
تو مان لے اک صلاح میری
عیار کو یارِ مت بنا نا
عیار تو خونِ چوسس لیس گے
جس کو نہ ہو ڈرِ خود اپنے خوں سے
یوں تو ہیں بہت غلام تیرے
ہے کوئی کہاں مطیعِ مجھ سے
معروف مری نیازِ مندی
کلبے میں مرے تجھی سے نور
دوروں کو دار پر چڑھا دیں
یک تن ہے دد مغزِ خرے کا پھل (ق)
سکے پہ مرے ہو تیرا ہی نام
میں زیرِ علم ہوں تیرے لے یار
ہوں تیرا غلام لے پر یزاد

اب تک تو کہاں پہ تھا نہفتہ !
کیوں دور ہے مجھ سے کیا ہیں اسباب
ہے اس میں بہت صلاح تیری
سوئی یہ نہ یار کو چڑھانا !
لیں گے ، کبھی کچھ نہ تجھ کو دینگے !
تو خوف کر ایسے کے جنوں سے
ہیں دور تک انتظام تیرے
بے درد نہیں جہاں میں تجھ سا !
آزاد ، مگر ہوں تیرا بندی
سنگرش میں ہے ترا ہی شیپور
آنقشِ ددیٰ مٹا بھی ڈالیں
ہے اس سے ہی مغز و تن کا کس بل
ہو تیرے سبب سے میرا کرام
میں تیرا ہوں ۔ تیرا میرے لے یار
ویسے تو ہوں ایک سرو آزاد

تیرے ہی سبب ہے ہوں میں پابند
 اک دن کبھی اتفاق سے ہی
 گلزار میں ایک میں ہوں تو ہو
 وہ ہوشِ ماہتاب روشن
 وہ ایسا مقام جانفرا ہو
 اک نرم ہوا سی بہ رہی ہو
 اے جانِ جہاں تیری ہی سوگند
 منظور کر آرزو تو میری
 اللہ وہ دن دکھائے مجھ کو
 ہم دونوں ہوں درمیانِ گلشن
 اک روِ حسینِ غزل سرا ہو
 کانوں میں ہمارے کہہ رہا ہوں

بادِ شب (ملن مبارک)

ہو آپ کو یہ لگن مبارک
 باہم گری ملن مبارک
 تن زیب کے پیرہن مبارک
 اے سروچمن ، چمن مبارک
 ترتیبِ دوں فی البدیہ اشعار
 حرفوں سے کروں بنفشہ کاری
 تیرے آتش کردہ رخ کی دہ تابانی ہے
 وہ تیرے طبع شرار کی جولانی ہے
 وہ تیری چشمِ فوں کار کی حیرانی ہے
 اے ضم ہیں یہ تیرے موئے قلم کے جلوے
 دولہا کو ہواک دھن مبارک
 آمیزہٴ جانِ دتن مبارک !
 تزئین کا ہر چلن مبارک
 آہوئے ختن ، ختن مبارک
 جو تیری ہی مدح میں ہوں لے یار
 اشعار میں کہہ دوں بات ساری
 جو دکھتی ہے مہ و مہر کے پیمانوں میں
 جو چھلکتی ہے شفق زار کے میناؤں میں
 جو جھمکتی ہے ستاروں کے پری خانوں میں
 نقشِ ارژنگ ترے شام کے ایوانوں میں

دور کرنے کے لئے شب کی سیاہی کے نقوش
 اے شہنشاہِ بستاں آج ترا جاہ و جلال
 بادہ خانے کی فضا فیض سے تیرے گلزار
 تیری ہستی سے عالم میں بہاروں کو ثبات
 کتنے سرخیل سپہِ قصر کے ہیں تیرے غلام
 تب ہاتھ میں تیرے نامے لے کر
 پھر ایک عدد سرود اٹھا لوں
 اے کاش یہ خواب سچ ہی ہو جائے
 ل میں نہیں مجھ کو بیمِ اغیار
 بہ حال یہ ہو گیا ہے دل کا
 ٹھوٹے ہوئے دل نشیں یہ کیسو
 تو پاس ہی اس کے کیوں نہ بیٹھے

تو جلاتی ہے دیئے رات کے دالانوں میں
 ثبت ہے شہر کے سارے ہی ضم خانوں میں
 سرخ مے ہے ترے عارض ہی کی پیمانوں میں
 ہے خزاں حرفِ غلط دہر کے کاشانوں میں
 میرِ شبنمگیر ترے در کے ہے دربانوں میں
 پھر سے پڑھوں ان کو بوسے دے کر
 نعمات کی ندیاں بہا دو لے
 اے کاش وہ وقت جلدی آئے
 پوشیدہ نہیں ہیں کوئی اسرار
 اس پہ نہیں کچھ حد کا سایا
 چاہے وہ ہو غمخوار کا ہی پہلو!
 مجھ کو نہیں ہو گا غم حد سے

ہے تو بھی خجستہ نال لیلیٰ
 تو مجھ کو پلا دے بادہ ساقی
 ایسے تو پلانہ قطر قطر
 دالانِ گو

قبل اس کے کچھ اس سے کہتی لیلیٰ
 پڑھتے ہوئے شہر قیس اٹھتا

اور چل دیا پھر سے سوئے صحرا
 صحرائیں کھلے تھے سرخ لالے
 ملتی تھی الم سے جب بھی فرصت
 تھی نظمِ غزل پہ اس کو قدرت
 تھی طبع میں اس کی اک روانی
 سورج کبھی رہ سکا ہے ستر
 آخر ہوا شہر شہر مشہور
 تھی اس کے سخن میں تابناکی
 بغدادیں تھا کوئی ہنرمند
 اس شخص کا ایک ہی تھا فرزند
 فرزند کے متعلق تھے کچھ اور
 دل پھینک تھا اور چیت چالاک
 اشعار پسند تھے ہر سناک
 کھائے تھے دل و جگر پہ گھاؤ
 تھا شیخ سلام نام اس کا
 عاشق تھا کسی پہ دردِ بیما
 ابیاتِ غریبِ قیس سن کر
 اس دشتِ سلا کے تابہ بغداد

تھا دل میں وہی بس ایک سودا!
 پھر دشت تھا، پھر وہی تھے نالے
 اشعار سے ہوتی اس کو رغبت
 ندرت تھی کلام میں بغایت
 پتھر سے نکالتا تھا پانی
 کیا چاند بھی ہو سکا ہے بے نور
 محزون کا کلام نرزد اور دور
 اظہار میں شعریت بلا کسے
 از بسکہ تھا بول چال میں قند
 ہر طرح سے تیز چاق چوبند
 والد کو پسند تھے نہ جو طور
 حد درجہ تھا گفتگو میں بے باک
 رہتا تھا بزرگسایہ تاک
 تھا شعر سے بھی بہت لگاؤ
 تھا اس کو بس اک نظر کا سودا
 اندوہ نشین و درد فرسا
 اک تیر لگا تھا اس کے دل پر
 اک دل کی کک تھی جو تھا برباد

آوازہ درد عشق ناشاد
 پہنچا تھا فضا میں ہو کے آزاد
 مجنوں کے تھے شر ایسے پُر درد
 کرتا تھا جنہیں پسند ہر فرس
 جو غمزدہ اس کے شر سنتا
 بس دیر تک اپنے سر کو دھنتا
 چننا ہو جو پھول اُن سے چنتا
 دن ہی میں حسین خواب بُنتا
 نائقے پہ سوار ہر دو آنہ
 ہو جاتا تھا دشت کو روانہ
 اک روز سلام بھد کے اک آہ
 بغداد سے چل پڑا سحر گاہ
 ہمس دشت میں خوب جستجو کی
 نائقے کو دکھا کے دشت کی راہ
 آخر ہوئی قیس تک رسائی

(ہو عطا بصیرت)

سلام بغدادی

السلام شاہ دشت لے نقیب آزادی
 نام میرا لے شرو ہے سلام بغدادی
 دور سے میں آیا ہوں نام آپ کا سن کر
 لے فرشتہ صحرا، خوش خصال خوش گوہر
 آپ کے حسین اشعار مجھ کو کھینچ لائے ہیں
 آتشِ چیناروں کے سرد سرد سائے ہیں
 شاعری کے میدان میں یوں ہے آپ کا دیوان
 آگ اگلے صحرائیں جیسے ایک نخلستان
 مجھ کو آپ کے فن سے بے کراں عقیدت ہے
 حرفِ حرف میں پنہاں ایک سرمدیت ہے
 دست اور بصیرت ہے ندرت اور حکمت ہے
 جدت اور فراست ہے، جرأت اور جبار ہے!
 طبع سے ہوں میں گستاخ، مجھ کو آشنا کر دیں
 آپ نرم خوئی سے، مجھ میں نرمیاں بھر دیں
 ہو عطا بصیرت آج بے بصر ہوں لے آقا
 بے بصر ہوں لے آقا، کم نظر ہوں لے مولا

(ایسے تو نہ سو بر خور دار)

قیس

ناز پروردہ گلزار سخن خواجہ محبوب
آفریں تجھ پہ جو اس دشت میں تو آیا ہے
تیری تحیں تیری تعریف سے دل شاد ہوا
شکریئے کے لئے الفاظ نہیں پاس مرے
سختیاں دشت کی تو جھیل نہیں پائے گا
دام صحرا میں نمودار میں صد کام فریب
میں نے اس دشت میں صدرِ نچ دالم جھیل ہی
ختم ہو کاش مراقصہ بے راہ روی
کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا میری صحبت سے تجھے
جاگتا آیا ہے ایسے تو نہ سو بر خور دار
اے دو آنے جو طلب میری ہے پیلوں کے
اس لئے پھر سے ترے دل کو ہے میری یہ صلاح
داستان گو

خوش بہت خوش ہوں کہ تو آج ہے مجھ کو مجبور
ارمغاں میرے لئے کٹنا حسیں لایا ہے
من کے توصیف تیری، شادیہ ناشاد ہوا
سوچتا ہوں کہ تشکر میں کہہ دیا پھر کیسے
تو ہے نازوں کا پلا شہر کو دایں ہو جا!
اک ظلم، ایک فوں، ایک فساد، اک آیت
بات پیچیدہ ہے کس طرح سے سمجھاؤں یہی
ایک میخ اور سہی ایک صلیب اور سہی
لوگ کتنے ہی گریزاں ہیں مرے سائے
وقت بیکار نہ اس طرح سے کھو بر خور دار
ہے صراحی یہ تھی جام شکستہ ہیں مرے
لوٹ جا شہر کو ہیں قہر سے پر گرد و نواح

اک نخل کے پاس اسے جٹھایا
حلو او قلیچہ آگے رکھا!
مجنوں کے قریں جگہ جو پائی

مجنوں نے سلام کو نوازا
تھا پاس سلام کے جو صغرا
کچھ اس کی خوشی کی حد نہیں تھی

سلام بغدادی (کھائیے ماحضر)

کھائیے ماحضر اے شرِ با صفا حاجتِ آب و ناں جسم کو ہے روا
 نان ہی میں نہفتے ہے نیروئے تن۔ نان ہی سے ڈھلا تیشہ کو بہن۔ نان ہی کا چلن شہر ہو یا کہ بن
 کھائیے ماحضر اے شرِ با صفا حاجتِ آب و ناں جسم کو ہے روا
 آب اور نان سے جسم انساں بنا۔ ان سے روشن ہے اس زندگی کا دیا۔ نان اور آب ہیں زندگی کی غذا
 کھائیے ماحضر اے شرِ با صفا حاجتِ آب و ناں جسم کو ہے روا
 (شکم نہیں ہے سب کچھ)

قیس

افسوس تری نظر ہے محدود جب آگ نہیں کہاں سے ہو دود
 برہ ہو کہ بڑک مرغ و ما، ہی میوہ ہو کہ دودھ یا کہ سبزی
 انسان ہی کو نہیں ہیں بھاتے حیوان سبھی غذا ہیں کھاتے !
 ہوتے ہیں لحم جسم اور جہاں کھاتے ہیں غذا سب انس و حیواں
 دستور جہاں کا ہے پرانا کھانا پینا مرے اڑانا !
 رغبت جھیں نائے و نوش سے ہے منزل تن و توش کی کریں طے !
 ایوں کو فقط ہے ایک سودا بس اپنے وجود کی ہے پردہ
 پختہ ہے بہت یقینِ راقم خود ان کا شکم ہے ان کا حاکم
 بریانی، کباب اور قلیچہ شیرینی، شیر اور شیرہ

صرف ان سے نہیں ہے تن کو قوت
 پہنا ہے اسی جہاں میں یک
 پلتا ہے جہاں خرد کا غنجہ
 ہوتی ہے عطا جہاں بصیرت
داستان گو

مجنوں و سلام چند ہفتے
 ممکن ہی نہیں تھا اور آگے
 بیچارہ سدھار اسوئے بغداد
 بغداد سلام جو نہی پہونچا
 یاروں نے اسے پس آن گھیرا
 پہلے تو رہا وہ چپ غم انگیز
 ہدم رہے ایک دوسرے کے
 کچھ اور دہاں وہ ساتھ رہتے !
 کرتا ہوا خامشی سے فریاد
 ماں باپ کو اک قرار آیا
 اور قیس کا حال اس سے پوچھا
 اس طرح سے پھر ہوا وہ گل ریز

سلام بغدادی (قیس کا حال کیا پوچھتے ہو؟)

قیس کا حال کیا پوچھتے ہو؟
 جو جھبتا ہے دہاں آندھیوں سے
 اس میں ہے اثر آفرینی
 شمع کا ایک پردانہ شیدا
 ایک دن قیس نے اس حزیں کو
 وہ تو اک ہڈیوں کا ہے ڈھا پنخہ
 روز کھاتا ہے غم کا طپا پنخہ
 کیا کہیں اس کا رنگ تغزل
 عندلیب ایک دارفتہ گل
 اپنے محبوب کا اک سرا پایا

اس کے حسن اور پیکر کا نقشہ چند اشعار ہی میں سنایا

سراپا از قیس

مدتوں مجھ کو لے مری غم خوار
لکھ سکو نگا ترا سراپا کیا
جس کے دم سے ہے آبروئے ختن
اپنے خونِ جگر سے آخر کار
اور جلالی ہے تیرہ راہوں میں
مدح میں تیری شرگو خاموش
دور سے اس طرح جھمکتی ہے
تیرہ و تار رات میں چمکے
بیچ در بیچ وہ حسین گیسو
آفتاب و قمر کو رشک ہوا
ایک افسوں ہے آب و تابِ جبین
دیکھ کر وہ خجل سے ہیں گویا
ایک عالم ہے نقش بردیوار
جو ڈھلے ماہِ نو کے سانچے میں
وہ کہ جن کی ذرا سی جنبش پر
ایک ہی فکر نے کیا پا مال !
کیا بیاں کر سکو نگا تیرا جمال
کیا دہی مجھ کو مل سیکنگا غزال ؟
میں نے کھینچا ہے نقشِ پامے ازل
میں نے تیرے جمال کی مشعل
تو کہ خود ایک دلنواز غزل
مانگ میں تیرے سیم کی افشاں
سیر افلاک جیسے کاہکشاں
جن سے وابستگی ہے جی کا زیاں
جب سے دیکھی ہے تیری پیشانی
ان کی حیرت کی ہے فرادانی
تجھ پر انوار کی یہ ارزانی
تیرے ان دونوں ابروؤں کے حضور
جو ہیں اک دوسرے سے پاس نہ دور
شہر یاروں کا ٹوٹ جائے غرور

آنکھیں جن میں ہیں صد ہزار انہوں
 شوخیاں بھی ہیں ان میں گونا گوں
 وجد میں آتا ہے دلِ مجنوں
 شعلہ آگیں بھی ہیں ترے رخسار
 سلگی سلگی سی جیسے شاخِ چنار
 دل میں زرتشت کو بھی ہے اقرار
 فصلِ گل کی تمام رعنائی
 شہرہ آفاق ہے مسجانی
 جیسے ٹوٹیں شرارِ سینائی
 کرتے رہتے ہیں تیرے رخ کا لوان
 یوں جھکتی ہے گردنِ شفاف
 تیری زلفِ دوتا کے وہ موباف
 تو نے پائے ہیں وہ حسیں شانے
 کتنے دیوانے کتنے فرزانے
 کتنے سجدے کئے خدا جانے !
 تو نے طوفاں اٹھائے ہیں کیا کیا
 جسم میں گرم گرم ہیجاں سا
 بالغِ جرم بھی ہے تیری حیا !

صف بہ صف وہ سیہ گھنی پلکیں
 اک مقدس حجاب بھی ان میرے
 ان کے ادنیٰ سے اک اشارے پر
 ان میں شبنم کی بھی طراوت ہے
 آہ ان میں دھیمی دھیمی سی
 اُس تقدس کا جو اس آہ میں ہے
 ختم ہے تیرے اک تبسم پر
 لب تجھے وہ عطا ہوئے جن کی
 حُسنِ الفاظ یوں بوقتِ کلام
 گوشتارے حسین کا نون کے
 آنکھ جس پر ذرا ٹھہر نہ سکے
 بادلہ اور زری میں گو ندھے ہوئے
 جن کو آذر نے خود تراشا ہو
 ہو گئے جن کے بانگین کے نثار
 جن کے معبود پہ تیری زلفوں نے
 اپنے سینے میں زیرِ وبم کو لئے
 قلب میں نرم نرم دھڑکن سی
 جرم کا شوق بھی نہاں دل میں

متناسب ہیں سر میں یا زو
 اور ہتھیلی پہ وہ حس کی غزل
 سرخی گل سے بھی ہوئی تزیین
 تیری ٹھوکر میں ہیں سر پر دکلاہ
 قد جو سردہ سی کو شہر مائے
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 دیکھنا تو صبا کی شوخ سے کو
 شہر ذہ صحرائے کوہ و دادی تک
 اتنی سرخوش ہے اتنی شاداں ہے
 کیا صفت اس کی ہو بیاں جس نے
 تیرے ہدم مظاہر فطرت
 تیری شائستگی تو تھی مشہور
 تیرے حسن خیال کے آگے
 ایک نیرنگ صفت بہزاد
 تیری صورت گری کا رنگ کمال
 ہے نسیم سحر بھی دستِ نگر
 نکبت و نور تیرے در کے غلام
 حسن تیرا ہے عکسِ حسنِ از لے

تیری دونوں کلاسیاں بھی سبیل
 دیکھ کر جس کو ہو شفق بھی خجیل
 رنگِ صہبا بھی جس میں ہے شامل
 تیرے قدموں میں تاجدارِ دولہا
 "چال جیسے کڑی کمان کا تیر"
 خود ہی بول اٹھے خالقِ تقدیر
 لے اڑی تیری بوئے پیرا ہن
 دادی و کوہ سے چین بہ چین
 ذرے ذرے کا چومتی ہے بدن
 تجھ کو بخشی ہے مریخی تقدیس
 ماہِ داغِ تیرے انیس و جلیس
 اور اس پر ترا یہ ذوقِ نفیس
 بیچ ہے عالمِ مردِ پرویں
 اک فائدہ نگارِ خاندانِ پھیں
 چودھویں کو عروجِ ماہِ مبین
 تیرے در پر بہارِ سر بسجود !
 تیرے ہی دم سے رنگ و بو کی نمود
 تیری ہستی سے دلیری کا وجود

استاد

(قیس کی تقدیر میں کیوں ہے شکست؟)

اے میرے شاگرد اے میرے سلام زندہ باد اے قاصدِ عالی مقام
اب مجھے اک بات سے آگاہ کر اے سلام اے ہوش رفتہ اے پسر
قیس نا فرجام ہے اس دشت میں کس لئے ناکام ہے اس دشت میں؟
قیس کی تقدیر میں کیوں ہے شکست جب کہ وہ لیلیٰ کی منزل میں ہے سست!

سلام بغدادی

(کیا ہوئے وہ اہلِ ایماں؟)

اے مرے استاد ہے یاں آپ کا دم مغنم آپ نے جو بات پوچھی ہے جناب محترم
امتحان لیتے ہیں میرا آپ بے درسی کتاب سیدھا سادہ سوال اور سیدھا سادہ جواب
جانتے ہیں ہم کہ ہے قیس آج اک صحرانورد اور اس کے دل میں ہے پیوست اک میٹھا سادرد
پڑا اثر بے لاگ درد قیس کی ہے طول موج نشر ہوتی ہے نواخزنی اسے ملتا ہے اوج
جا پہنچتی ہے سفر کرتی ہوئی وہ مستقل اس جگہ تک جس جگہ پر نغمہ لیلیٰ کا دل
پھر دل لیلیٰ کو چھو لیتی ہے یوں وہ نرم گام اس طرح جیسے کر شبنم گل پہ آئے بے نیام
ساتھ مل کر تب دھڑکنے لگتے ہیں دونوں کیل مرقش ہو کر محبت کی صدا سے متصل!
ایک ہیں دل ایک منزل لیکن اس کا باوجود ذہن پر ہے قیس اور لیلیٰ کے طاری کجاوہ
کر نہیں سکتے ہیں دونوں ساتھ مل کر راہ طے ہے پرانی شے وہ شاید آپ کو معلوم ہے
درمیاں دیواران کے ہے بدستور آج بھی راہ میں ہے ان کے حائلِ چشمہ شور آج بھی

توڑ بھی دیں پھر بلند ہو جائیگی دیوار کوڑ
علم ہے سب کو ہے لیلیٰ پاکدامن آج بھی
اپنے شوہر سے نہیں کی بے وفائی آج تک
کیا ہی عدا ان کی خاطر ہو گیا ہے نظام
زندگی کا اک مثلث زاویے ہیں جس کے تین
اس طرف لیلیٰ، ادھر مجنوں، ادھر ابنِ اسلام
ہے بہت خوش اور اک ہستی جس کو کہتے ہیں سماج
یکسی ان بے ربط باتوں میں یہاں میں کھو گیا
ہے یہی لوگوں کا کہنا جو ہوا اچھا ہوا
اُف یہ دنیا جسکو کہتے مار و کثر دم کا دیار
اس کے آگے اور پیچھے رقص میں دجال ہیں
یہاں یہ وہ دلال جن سے پٹ پڑے بازار ہیں
اس کی بانہی میں جنم لیتے ہیں جانے کتنے مار
راستوں پر مل ہی جاتے ہیں یہ آدم زاد ناگ
اینٹھتے، چھنکار تے، چنگھاڑتے ہیں اڑدھ
ایک لمحے میں نکل جاتے ہیں جو ہر جاندار
کیا ہوئے وہ اہل ایماں جن میں تھا جوش و غروش
وہ جو بحرِ پُر خطر میں نور کے مینار تھے

قیس و لیلیٰ کر نہیں پائے گئے چشمے کو عبور
شوہر و زوجہ ہیں دو نوبے نشیم آج بھی!
اور روارکھی نہیں اسنے رکھائی آج تک!
آپ اے استاد اس جذبے کا کیجئے احترام!
اک طرف عاشق، ادھر شوہر ادھر اک مہربین
"خوش" ہے شوہر "خوش" ہے عاشق "خوش" ہے حورِ نیک نام
جو بزرگوں نے بنایا تقا وہ قائم ہے رواج
جاگتا ہوں نیند کے ساحل پہ یا میں سو گیا
قیس فرزا نہ تھا جو صحرای کی جانب چل دیا
ایک قحبہ جو کہ ہے بیمار یوں کا اشتہار
کچھ تو بائعِ مشتری کے بیچ میں دلال ہیں
جن کی دلائی سے دجالوں کے بیڑے پار ہیں
ناگ اور افعی ہزاروں اور سپنوں بے شمار
زہر آگیاں پھین دکھاتے ہیں یہ آدم زاد ناگ
کاٹتے، ڈستے، گر جتے، بھاڑتے ہیں اڑدھ
جو چبا جانے کے فن میں ہیں بہت ہی پختہ کار
تاجرِ گندم کہاں ہیں اب فقط ہیں جو فروش؟
جو کہ سچائی کھدو جوں کے سپہ سالار تھے

وہ مجاہد جو ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے سر
مکر اور تزویر سے جو کرتے رہتے تھے جہاد
کیا ہوئے وہ لوگ تھی جن کے مقدر میں صلیب
کیا ہوئی وہ بوڑھی عورت جس کا یہ دستور تھا
جو سیر رہ لاکے روشن کر دیا کرتی تھی روز
اب نہ ہیں وہ نا خدا باقی نہ ہیں وہ رہ نما
حکایت
اک جوان تھا کہیں زید تھا اس کا نام
تھی وہیں اک حسیں نسبت خوب رو
نازک اندام، شیریں دہن، دار با
شوخ، سادہ زنج، زہرہ و ش، سیم تن
تھی وہ شعلہ بدن زید کی بنتِ عم
وہ حسینہ بھی تھی اس پہ دل سے فدا
اس پہ عاشق تھی وہ اس کی سودائی تھی
دل پہ اس نو جوان کے تھا کوہِ گراں
زید کے پاس کچھ بھی اثاثہ نہ تھا
عیب اگر تھا کوئی اس میں تھا بس یہی
باوجودیکہ کوشش بہت اس نے کی
ایک دن اپنے عم سے بھی درخواست کی

آگ میں بھی کو در پڑتے تھے جو اکثر بے خطر
آج بھی کرتے ہیں جن کو لوگ سب عزت یاد!
ہنستے ہنستے دار پر جو چڑھ گئے وہ خوش نصیب
جھبٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا،
نور انگیروں کی رہ میں بھر دیا کرتی تھی روز
جھولے بھٹکوں کو دکھاتے تھے سدا جو راستا
اس سے واقف تھے بستی کے سب خاص دعاء
نیک طینت نہایت تھی وہ نیک خو۔!
ماہ سیما، مئے مشک بو، مر لقا!
ارغواں قد، دل آرام، شکر شکن
زید کی آرزو تھی وہ کافر صمن!
مدعا تھا وہی اور وہی آسرا
ہجر محبوب میں ناشکیبا سی تھی
ایک آرا مسل تھا تن پر رواں
ایک دیوان اور شاعری کے سوا
بے متاع جہاں اس کی تھی زندگی
کچھ رقم ہاتھ آجائے کچھ ہی سہی
بات لیکن وہاں بھی نہیں بن سکی

مل گیا عم سے اسکوٹکا سا جواب جانتے تھے سبھی عم تھا صاحب نصاب
 کوششیں زید کی رائیگاں ہو گئیں اشک بہنے لگے ندیاں ہو گئیں !
 دل کو مضبوط کر کے گیا عم کے پاس پھر سے بارِ درگ، اسکو تھی ایک آس
 (چپائیے ہیں کچھ درم)

زید

اے بزرگ محترم، اے میرے عم آپ کے آگے جوانی میری خم !
 آگیا ہوں پھر سے اے عزت مآب عرض ہے مجھ سے نہ برتیں اجتناب
 آپ کا مرہونِ منتِ عمر بھروسہ میں رہوں گا دل سے لے والا گھروسہ
 پھر وہی ہے میری اک چھوٹی سی عرض اے مرے عم مجھ کو ہے درکار قرض
 چاہیے ہیں کچھ درم دینا رچند اس جہاں میں اور ہوں آپ ارجمند
 قرض جو کچھ بھی مجھے دینے حضور وہ ادا کر دوں گا اک دن میں ضرور
 (تو ہے فقط ہرجائی)

عم زید

اے شہر کے آوارہ، اے دامِ تمنائی الفاظ کے کاریگر اے شاعر سودائی
 تو میرے برادر کی پس ماندہ نشانی ہے وہ شخص تھا باغِ غرت اور تو ہے اک ہرجائی !
 اس ہاتھ کو پھیلا کر کیا شرم نہیں آتی اس درجہ ہے کیوں بے حس لے خارہ صواری
 (آپ سے درخواست ہے میرے چچا)

زید

شکر یہ اے میرے عم محترم مجھ کو اس کا تو نہیں ہے کوئی غم

دستگیری کر مہ پائے آپ اگر
 در کس جو مجھ کو دیا ہے آپ نے
 آج سے محنت کرونگا سرسبر
 لے چیا اتنی گذارش ہے مری
 ہے مری درخواست اور مری صلاح
 کر دیا قسمت نے مجھ کو در بدر
 میں ہمیشہ یاد رکھونگا ا سے
 اب اٹھا رکھونگا نہ میں کوئی کسر
 اور فقط اتنی سی خواہش ہے میری
 آپ کی دختر سے ہو عقد نکاح
 (یہاں سے دفع ہو جا)

عزم زید

اے او بے حیا، گستاخ، بے باک
 بتا تو نے یہ جرات کیسے کی ہے
 ارے بد بخت، منہ پھٹ، شعبہ باز
 کبھی دیکھا ہے آئینے میں خود کو
 پیری ہے میری بیٹی تو نہیں جن
 کہ اس کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دوں
 کہاں تو بے درم، مفلوک، نادار
 کہاں تو اک ہتی دست اور کنکال
 جیسے لکھ کر مٹا دیں تو ہے وہ حرف
 تو قطرہ اوس کا ہے جو کہ ارزاں
 مری دختر ہے مثل مہر تا بالے
 ارے او بے زرے قلاش، غم ناک
 بتا ایسی جرات کیسے کی ہے ؟
 ارے کم ظرف، خود سر، دخل انداز
 ذرا دیکھو تماشا آؤ لوگو — !
 نہ ہو گا وہ کہ جو ہے غیر ممکن — !
 میں سستے میں تباہی مول لے لوں —
 کہاں وہ با حش، شاداب، گلزار
 کہاں وہ ایک منعم، نیک اعمال
 بد خشاں کا کہاں وہ لعل شنگرف !
 بگردم بر سر خارِ بیاباں - !
 کہاں تو اور کہاں مہر درخشا لے،

وہ ہے اک چودھویں کا چاند جس کا
 کہاں تو اک سیہ، تیرہ مقدر
 کہاں وہ نور کا اک برّ اعظم
 کہاں وہ گل جو ہے گلشن کا سراج
 کہاں وہ سر کشا دہ نافہ، مشک
 کہاں تو اک دیا بجھتا ہوا سا
 کہاں آندھیوں کا ایک پنخیر
 تقابلِ حسد بڑھکے ہے لہذا
 اسے کر دے تو اب یکسر فراموشی (ق)
داستان گو

عاجز ہوا زید آخر کار
 اس شہر سے ہو گیا وہ سیار
 تھی قلب میں آرزوئے جاناں
 لیلیٰ کو کسی نے جاسنایا
 اس میں جو مماثلت تھی اس کا
 پس عم پہ تو اس نے بھی لعنت
 اس سوختہ کو پیام بھیجا
 سنتے ہی پیام زید پہونچا
 طے کر کے نکل گیا وہ یکبار
 سیارہ صفت جہاں سے بزار
 پھرتا تھا بشکلِ نا تو اناں
 اسے زید شکستہ دل کا قصہ
 لیلیٰ نے کیا سبھی سے چرچا
 اس سوختگی کی سن حکایت
 ایوانِ سلام میں بلایا
 اس جہاں تھا اس کو آنا

دو قصوں کے پست و اوج تھے ایک درنوہی کے طول موج تھے ایک
 پوچھا کہ ہوا تھا ماجرا کیا مظلوم نے قصہ کہہ سنا یا
 بہ نکلا اک آنسوؤں کا دریا دریا کہ تھے اشک ہائے لیلیٰ
 تب زید کے ہاتھ قیس کے نام محبوبہ قیس نے یہ پیغام
 بھیجا یا اشتاب ہو کے بیتاب پیغام تھا اس کے دل کا تیراب
 مٹی اس میں گھلی شراب مہتاب لکھے تھے شروع میں کچھ القاب
 اس نامے کو لے کے زید پہنچا مجنوں کے حضور بے محابا !

پیام لیلیٰ برائے مجنوں

ایک مدت ہوئی دیکھے ہوئے تجھ کو ایسا جیسے پہلے تھا اسی طرح ہے تو سینہ نگار
 دل میں کم تیری محبت تو نہ ہوگی زہار آج بھی میری محبت کا وہی عالم ہے!
 تیرے ملنے کی مجھے آس ہے پر کم ہے

کیا ہوا کیسے ہوا اسکی حکایت ہے طویل۔ تو نہیں تھا تو زمانے نے کیا مجھ کو ذلیل۔ میرے اطراف اٹھادی ہے تھارکی
 یہ تو اک سنگ گرا بنا رہے ہیں پیرے تھکے ٹھکرا رہے، نفرین ہے جینے پر مرے
 چاہہاں میں گرفتار ہوں میں غصے سے۔ چاٹ کر لوگ زباں در دیوار کے۔ میں نے ہر روز کئی اس پر لے، ہیں دھاک
 لیکن اس بے حس و خود سر پہ نہیں کچھ بل اثر ہے یہ اک ظلم سراسر کہ نہیں جس سے مضر
 چیختی پھرتی ہے صحرائی ترے باد صبا۔ گونجتی رہتی ہے ہر سورتی بے باک لڑا۔ سستی رہتی ہوں ترے نادر کش کی صدا
 جز مرے شہر کے سب لوگ ہیں شاید ہرے یا تو پھر ب کی سماعت پہ لگے ہیں ہرے

جب بھی تو چاک اُدھر کرتا ہے اپنا دامن۔ مجھ کو دیتی ہے خبر چاند کی کسٹوخ کرن۔ اور بڑھ جاتی ہے کچھ اذیت لہجہ
میری حالت بھی وہی ہوتی ہے تسلے جانا چاندنی رات میں ہو جاتا ہے جو حال کتاں

اب تنگ تو نہ ملا شوئی قسمت ہے مری۔ تو مرا ہونہ سکا ایک ہر سیت ہے مری۔ زندگی آج ثنات سے عبارت ہے مری
آئینہ آئینہ بکھر ہے مرا حسن و جمال تو اُدھر دشتِ ستم میں ہے حزن اور پامال

تو خود آتا بھی نہیں مجھ کو بلاتا بھی نہیں۔ طور و آداب جنوں مجھ کو سکھاتا بھی نہیں۔ وہ جو دیوارِ ستم ہے اسے ڈھاتا بھی نہیں
کیا کروں کیا نہ کروں ایک دورِ آہ ہے آج زندگی مجھ سے لیا کرتی ہے ہر لمحہ خراج

ابھی لے لیا کہ سب رات چلی جائے۔ تیرے بنِ راحت جاں نیند کہاں آئے۔ اک تلام ہے پیادل مرا گھر لے ہے
مجھ سے ہر دم کوئی تاراواں لیا کرتا ہے روزی ایک نیا زخم دیا کرتا ہے

حالِ زارا پنا تھیجے کیے بتایا جئے۔ زخم اس دل کا تھیجے کیے دکھایا جئے۔ کیا کروں آہ تھیجے کیے بلایا جئے
مال مہنگا ہے چیکا نا بھی نہیں ہے ممکن دور ہوں پاس میں آنا بھی نہیں ہے ممکن

دور نقشِ کعبہ پاکوئی کتنی ہوں ترے۔ قلب میں گھاؤ سجا رکھے ہیں کیے کیے۔ ہے متناہی تو بھی انہیں آکر دیکھے
شر بھی تو ہے مرا اور تو عزاں مرا قافیہ تو ہے مرا اور تو دیوان مرا

مجھ سے مت کہہ کر تیرے عشق میں کیا رکھا ہے۔ میں نے اس دل کو اک آئینہ بنا رکھا ہے۔ درِ تیرا ہے جسے میں میں سجا رکھا ہے
ابھی جاتا کہ کروں اپنی میں جاں تھ پہ نثار زندگی گانی ہے مرے واسطے کالا آزار

ایک محبس میں مقید ہے جوانی کی امگ۔ ایک زنداں میں گرفتار ہے ستمی کی ترنگ۔ بطنِ تیرے صوت و صدا، ساز و نوا ^{مجھے} انگ
سیرِ طیاں پاؤں میں ہیں تھکڑیاں ہاتھوں میں ہیں یہ آہوں کی مرے پلچھڑیاں راتوں میں

دل مرا یا اس کا مجوس ہے زندانی ہے۔ آتشِ درد کی اس وقت فراوانی ہے۔ ان دنوں شہر میں جل مرنے کی آسانی
المہ دیا رکھ شکل مری آساں ہو جائے تجھ پہ قربان مری جان مری جاں ہو جائے!

دیکھ تو آکے ذرا میرا یہ دیوانہ پن۔ فصل گل آئی کھلا ہے مرے زخموں کا پن۔ کس طرح خون تر ہے یہ مرا پیرا پن
راہ میں گرے ترے کوئی عشاں گیر نہ دیکھ ”رقص کر لے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ!“

جواب محزون بحضورِ لیلیٰ

نامہ تر لے دل متاں۔ لے دل رہا لے جانِ جاں۔ لے روشنی کے آسماں۔ مجنوں کی لے روح رواں
لے میرے گنج شائگاں۔ مجھ کو ملا لے نہرِ باں۔ ہے چشم از حدِ خوئیگاں!
تو نے نکھا ہے حالِ دل۔ مجھ سے کہا ہے آکے دل۔ دل ہے مرا پتھر کی سل۔ غم کے ہیں دھواں
روتی ہیں آنکھیں متصل۔ یہ کائناتِ آب و گل۔ ہے ظلم سے اپنے فجل
مرا جواب ارسال ہے۔ لے جاں یہ میرا حال ہے۔ نکت سے مالا مال ہے۔ ویسے یہاں کس حال
اسکی نرالی چال ہے۔ صرا بڑا دجال ہے۔ تیر کا اک جال ہے

داستان گو

اک روز بہ نوحہ گاہ مجنوں تھا زید بھی جیسے دُرِ مکنو لے
اُس دن مجنوں بہت تھا خزدوں حالت تھی غریب کی دگر گولے
کچھ دیر رہی یو نہی خوشی پھر زید نے یوں زبان واک

(پیرا پن ہم نے بھی چاک)

زید

اے شہنشاہِ جنوں اے مہتی و الا صفات رزم میں ہیں آپ طوفاںِ بزم میں تند و نبات
جاودال ہے آپ ہی کی وجہ سے آشفگی دیتے رہتے ہیں جنوں کو آپ درسِ زندگی

ہم بھی کل تھے عشق کے اضواء صحرایں ایر
 ٹوٹ کر ہم پڑھی آئی تھی جوانی سر بسر
 اے فتنہ دشت ہم یر باد ایسے تو نہ تھے (ق)
 قیس
 اے شاعر د پیغام برد عاشقِ دیروز
 کل تلک تو رہا جس کے تصور سے ہم آغوش
 سمجھا ہے کہیں عشق کو کیا تو نے حلاوت
 عاشق ہے تو پھر دار کے سائے کے تلے بیٹھ
 عاشق ہے تو کہا رکوجا کو کہنی کر
 عاشق ہے تو چیل دھار پہ تلوار کی تنہا
 عاشق ہے تو پھر آتشِ نمرود ہے شبنم
 ہے عشق مجازی تو فقط وصل کا سودا
 عاشق ہے تو پی ہنستے ہوئے زہر کا پیلا
 عاشق ہے تو پھر جھک نہ ہر اک بام کے آگے
 عاشق ہے تو ہستی ہے تری ان سے عبارت
 رستے میں ملینگے تجھے دشنام کے کوچے
 اگر عیش کی خواہش ہے تو خاموشی سے گھر جا
 عاشق ہے تو کر جنگ کہیں سب تجھے غازی
 صادق ہے ترا عشق تو منجد ہار سے ڈر کیا

تھے تھی کیسہ مگر خود کو سمجھتے تھے امیر !
 ہم نے بھی اس دشت کی کل خاک چھانی تھی مگر
 تھے مگر ہم مائل فریاد ایسے تو نہ تھے
 مجھ کو تری تعلیم نہیں ہے سبق آموز
 کس طرح کیا تو نے اسے آج فراموش ؟
 آرام طلب ، عشق کا پیشہ ہے مشق
 ورنہ کسی دیوار کے سائے کے تلے بیٹھ - !
 عاشق ہے تو رکھ جان کو نیزے کی انی پر - !
 کر سیر زرا وادی پر خوار کی تنہا - !
 عاشق ہے تو پھر تن کی صدا سے نہ ہو برہم
 ہے عشق حقیقی تو خطر، بحر سے کیسا ،
 عاشق ہے تو کھا شوق سے حنظل کا نوالہ
 کر رقص سیر دار دل آرام کے آگے !
 برسیں سر بازار اگر سنگِ ملامت
 عاشق ہے تو پھر سہل ہیں آلام کے کوچے
 عاشق ہے تو پھر آگ کے دریا سے گزر جا
 ہر آن لگاشان سے تو جان کی بازی !
 دریا کے کسی فتنہ خو غوار سے ڈر کیا !

اس دہریں ہر راہ پہ ملتے ہیں سراسر
 اک صف ہے کلمہ پوشوں کی شکوہ ہوں کی
 کیسے رکھے دل اپنا کوئی ان سے سلامت
 ان شوخ حسینوں کے تو ہتھیار کئی ہیں
 محبوب نہ مل پائے تو فرزانے کدھر جائیں
 پیغام تو لایا ہے مرے یار کا اے زید
 ان باتوں سے مقصود یہی ہے اے پیامی
 بہتر ہے یہی امر اسی میں ہے فراست
 گر عشق تجھے راس نہ آیا تو مجھے کیا
 بھکو نہیں درکار ترے قول و نصیحت
 جس طرح سے جلتا ہے پسند آگ کے اندر
 دلبر کو مرے رب نظر بد سے بچائے
 اس بزم میں جل جانا ہے پر دانے کی قیمت
 دنیوانے کی تقدیر بھی ہے مرگِ معاجات
 اس دشت سے بھکو تو نہیں کچھ بھی شکایت
 اک نظم ہے اک ضبط ہے اس دشت کے اندر
 کھلتا ہے سلیقے سے ہر اک لالہ صحرا
 جب حبس سا ہوتا ہے کسی شخص کو محسوس

ہر گام پہ ہر موڑ پہ خوبانِ فنوں گر
 ششادِ قدوں، ماہِ رخوں، گلبدنوں کی
 کس طرح سے محفوظ رکھے عزت و عصمت
 طر آروں کے دار ایک نہیں دار کئی ہیں
 دیوانے نہ ہو جائیں اگر لوگ تو مرجائیں
 رخ مجھ کو دکھایا ہے مرے یار کا لے زید
 واضح ہو ذرا تجھ پہ ترے عشق کی خامی
 دہرائے نہ تو اپنی حماقت کی حکایت
 اور عشق مجھے راس جو آیا تو تجھے کیا
 کیا تجھ کو نہیں علم نصیحت ہے نصیحت
 جلتا ہوں یونہی میں بھی اک آتش میں سراسر
 جل جائے کوئی اس پہ مگر آہن نہ ہے
 بس شمع میں ڈھل جانا ہے پر دانے کی قیمت
 ہے ایک یہی چارہٴ ناسازیِ حالات
 آبادی سے بہتر ہے یہ سنان و لایت
 ترتیب ہے آئین ہے موجود نہیں نشر
 ہوتا ہے قرینے ہی سے اس دشت میں سودا
 جل اٹھتا ہے تب ٹوکا بیا بان میں فانوس

سر پھوڑا چا ہو تو یہاں سنگ ہے موجود
 مقصود ہو یاری تو یہاں یاد بہت ہیں
 اے ابلہ پا خوش ہو یہاں خار ہیں بسیار
 لے تشنہ لبو ہے یہ فراتِ غم احباب
 جس وقت کہ خورشید سوا نیزے پہ آجائے
 لنگتی ہو بہت دھوپ اگر دشت میں تھکے
 جس وقت کہ بالو کے بہت تیز ہوں جھکے
 منزل ہے کڑی اور نہاں گرجوں فرنگ
 جب صبح کو جل اٹھتی ہے سورج کی انگٹھی
 آتی ہے دیے پاؤں بیا بان میں جب شام
 اک مدو جزر دشت کی زنبیل سے اٹھے
 ان چاندنی راتوں میں یہی ہم نے دیکھا
 صحرائے فنا بے درد دیوار ہے اک گھر
 چھت سر پہ ستاروں کی ہے قندیل قمر کی
 مجنوں ہوں ازل کے گھجوں ہے میرا پیشہ
 ظاہر میں تو اے یار میں نادار بہت ہوں
 پر اپنے ہی پیشے سے وفادار بہت ہوں

داستان گو

سشار ہاکھو لے اپنے دو گوش
 باقی نہ رہا غروش اور جوش

اب زید زیادہ گوشت خاموش
 لوحِ ادب اس نے اپنی تہ کھسے
 رکتی نہیں گردشِ زمانہ
 اگتا ہے نیا ہی شاخسانہ
 القصہ یہ قصہ یوں ہے آگے
 لیلیٰ کہ چراغِ دلبراں تھی
 اس ارض پہ جو کہ آسماں تھی
 لیکن وہ دیا بجھا بجھا
 تھا ابنِ اسلام بھی پریشاں
 اک ہے یہ نشانِ درمنداں
 تھا حد سے زیادہ دل شکستہ
 تھا اس کا بھی عہدِ پاک بیشک
 تقدیر تھی شست گیر کی زک
 آگھیرا اسے کسی بہانے
 قارورہ شناس سامنے آئے
 تھی کس کی بجال رنج کو ڈھائے
 آغوش میں اس کو نے کے اٹھی
 مجنوں کو خبر نہ تھی الم کسے
 ساکت ہوئی جستجو کی آغوش
 رخصت ہوا ہمارا کہ وہ باز سے
 لکھتا ہے قلم اک اور فسانہ
 گیتی کے چمن سے داہانہ
 ٹوٹینگے کچھ اور کچھ دھاکے
 جو باعثِ رشکِ مددشاں تھی
 مجنوں کے جنوں کی قدر داں تھی
 چھایا تھا ہر ایک سواندھیرا
 بیوی کے لئے وہ رہتا گریاں
 ہو جائیں مثالِ عود سوزاں
 وہ شیفہ تھا نفس گستہ
 خاموش رہا وہ مدتوں تک
 اک روز بخار نے اچانک
 پاس آئے حکیم اور بیانے
 قارورے کو دیکھ کر وہ پھپھٹائے
 پس موت نے اپنے ہاتھ پھیلانے
 صدمہ وہ سبھی کو دے کے اٹھی
 لیلیٰ یہ جو کچھ گذر رہی تھی

آخر اسے کس طرح بتاتی
 لیکن نے تلاش و جستجو کی
 لیکن نے پیام دے کے بھیجا
 سب حرف بحرف کہہ دیا
 اس نے کیا نعرہٴ شبِ ناک
 رہ گیا ہے ^{قیس} بوٹ کر اے دل نواز
 میں بھی ہوں غمگین اور بے حد اس
 زندگی کا اس کی محو رہا ہے
 ہے اثر اس کا بھی مجھ پر ہا ہے

(آفرین)

زید

اس میں کیا شک ہے کہ آقا آپ ہیں بے حد شریف
 آج کی ہے آپ نے جس طرح سے لوحِ گری
 مہکتے کے دمن سارے آپ پر ہی فاش ہیں
 قیس عامر آپ میں طرفین سے یکسر غیب
 چشم کی تراکی خاطر آپ کا جو تھا حریف
 موت پر دشمن کے ہے اس میں نشانِ سروری
 آپ اک خورشید ہیں باقی بھی خفاش ہیں
 آپ میں عالی گہر اور آپ ہیں یکسر حبیب
 اتنا کہنے کی عزت تبت ہوئی ٹھک ضرور
 آپ سے نسبت قدیمی ہے لہذا اے حضور

(آرزو ، درد)

قیس

کتنا اچھا دیا ہے تم نے جواب
 قبل اس کے بھی تم طے تھے مجھے
 کتابِ ثلثہ کتابِ آداب
 بات کرنے کی کتاب تھی

جب سے تم ہو گئے مرے ہزار
 تم مرے ساتھ اب رہو کچھ دن
 میری مشکل کو تم نے سمجھا ہے
 جی رہا ہوں میں نوکِ خنجر پر
 ایک طوفاں میں بہ رہا ہوں میں
 ایک بھونچال ڈھار رہا ہے مجھے
 زخم اگتے ہیں میرے سینے پر
 کتنا آہستہ جل رہا ہوں میں
 آرزو، درد، حسرتیں، آلام
 خواہشیں ہیں ہزار دل میں مگر

ساز کو میسر مل گئی آواز
 دشت کھاتے کو آئیگا تم بنے
 تم نے حالات کو بھی دیکھا ہے
 تیغ کے سامنے ہوں سینہ پر
 بحر کی آگ سے رہا ہوں میں
 دردِ امان کھا رہا ہے مجھے
 جوٹ لگتی ہے آبیگئے پر۔ !
 شمع جیسے نگھل رہا ہوں میں
 زندگانی کا اک حسین انجام
 زندگی کا نہیں کوئی محور

(راوی)

زید

آسمان پر قمر کتنے تاباں ہوئے
 واقعات ایسے لیکن کسی کے نہیں
 دہر میں آپ کی ذات ہی اور ہے
 آپ کی شخصیت، مرتبہ، الگ
 آپ کے غم میں دنیا کی ہے آنکھ نم
 تجربے کی بنا پر کہو نگاہ میرے

کتنے تاریک راتوں میں قرباں ہوئے
 اتفاقات ایسے کسی کے نہیں !
 یہ کہوں آپ کی بات ہی اور ہے
 آپ کی مملکت، دیدہ ہے الگ
 آپ جیسے تو عالم میں ہوتے ہیں کم
 بندہ پرور یہاں آپ وہ شیخ ہیں

صرصر غم میں بھی جس کی روشن ہے لو کیا ہی ایجاد کی عشق کی طرح نوا!
 راستہ آپ نے وہ تراش لیا کوہن بھی جسے دیکھ شرما گیا۔!
 آفریں آپ کو اے شہرِ یار غم ہو مبارک یہ دکھ، درد، غم اور الم!
 (داگر روح کی آغوش)

قیس

شکریہ اے جوانِ اعرابی
 تم نے اس دشتِ درد میں آکر
 زخم پر میرے رکھ دیا مرہم
 جس گھڑی سے یہاں میں آیا ہوں
 حال جو کچھ بھی ہے وہ ظاہر ہے
 باوجودیکہ آج ہوں بے آس
 سن سکو کر تو تم سنس کو سنوائیں
 جو دھما کر سا ہے خموشی سے
 بے زباں، بے صدا، سکوتِ بدوش
 فی المثل ساریں نہاں غم
 جب کسی آنکھ میں ڈھلیں آنسو
 جب دھماکے ساتھ گلشن میں
 گل نیا آسماں کھلاتا ہے (قا)

شکریہ نغمہ خوانِ اعرابی
 مجھ کو اپنا بنا لیا یکر
 میرے نغمے کو دے دیا سرگم
 جو گزرتی ہے آہ کس سے کہوں
 دل یہ آپے سے اپنے باہر ہے
 سامعہ تیز ہے، بہت حساس
 کیا سنی ہیں کبھی یہ آوازیں
 ہے جو آہنگ پائے بوسی میں
 گنگ آہنگ، ناطقہ خاموش
 جیسے آنکھوں میں اک نہاں شکوہ
 گل سے رخسار پر بہیں آنسو
 گلزاروں کے اس نشیمن میں
 برگِ گل، گل سے ٹوٹ جاتا ہے!

سن کے بلبلی کی ایک آہ خوش
 قلب شاعر میں جب خیال آئے
 جب کہ آنکھیں پلک جھپکتی ہیں
 ٹیس اٹھتی ہے جب کہ سینے میں
 مثلاً گل پہ بارشِ شبنم
 زمزمے چاند اور ستاروں کے
 اٹھتی ہے جب کوئی ننگ یک دم
 جب کہ آتی ہے پھول پر زنبور
 ہاتھ آتا ہے اسکے زر گل کا (ق)
 جب چٹک کر کلی گلستاں میں
 پھول بنتی ہے اک تر و تازہ (ق)
 جب ہیجہ گزار ہر شب کو
 بوئے گل کا سفر بدشیں صبا
 اوس کا سحر و خمیہ سیمابی
 مہر کا صبح دم طلوعِ خوش
 صبح صادق کی وہ زرافشانی
 سہ پہر بعد شام کی آمد
 بر بلبل دل کی وہ نوائے خوش
 پھول کرتا ہے اپنی داغوش
 جب کہ شیشے میں کوئی بال آئے
 آنکھیں آنکھوں کی راہ تکتی ہیں
 ٹیس لگتی ہے آبیگنے سے
 خوب صورت نگار شِ شبنم
 اشک خاموش غم کے ماروں کے
 وہ نگہ جو نگاہ سے ہو کم
 سعی ہوتی ہے اسکی تب مشکور
 ٹوٹ جاتا ہے ضبطِ بلبل کا
 یعنی اک رنگِ دبو کے ایواں میں
 ہے اس آواز کا بھی اندازہ ؟
 یاد کرتے ہیں ذکر میں رب کو
 وہ صبا کا خدائے بے پروا
 اور مرے نزدیک وہ عناں تابانی
 اور شفق کا خوش جوش و غروش
 دن کی وہ داستانِ طولانی - !
 شام کے بعد رات کی ایجاد
 ایک آہنگ جو اڑا دے ہوش

مسکراہٹ فضا میں بالاکھے
 جب گلے آبلے سے خسار ملے
 گفتگو شام ڈھلتے سایوں میں
 چپ چپاتے شباب کی تشکیل
 ہے نہ ہنگامہ اور نہ صوت و صدا
 جب بھی جیتی ہے ماہ شب کے حضور
 جاگ اٹھتا ہے جو کہ میسٹور (ق)
 یزید دہقان جب کہ بوتاہے
 جب نکلتا ہے لے کے اک سودا
 جب طلوع جمال ہوتا ہے
 صبح پر دازا ایک تتلی کی
 اڑتی پھرتی ہے دشت میں قندیل
 مورے پر کا اک خموش سفر
 حاصل ہو گیا تھا نہ بہتر
 لیکن کا بھی حال تھا نہ بہتر
 نچر رہی تھی وہ رات
 القصبہ یونہی وہ جی رہی تھی
 اک شب مٹی بہت ادا اس تنہا
 صرف ایک چراغ جل رہا تھا
 جھنجھٹا ہٹ رہا باب صحر اکھے !
 دشت میں تب لہو کا پھول کھلے
 بس اشاروں میں اور کنا یوں
 صرف آنکھوں سے رمز کی ترسیل
 خاموشی کی خموش بانگ درا
 کہکشاں کی وہ بے صدا شیوہ
 محشر نور بے ندائے صور
 اپنی ہستی کو یزید کھوتا ہے
 سینہ ارض سے کوئی پودا
 دل دہقان نہال ہوتا ہے
 اڑ رہی ہے خموش ایک پری
 دیکھے جگمگ کی کوئی شکل جمیل
 آب میں برگ کے سفینے پر !
 جب سے کہ بچہ مل گیا تھا شوہر
 اک سوچ میں غرق رہتی اکثر
 ہر سانس سے زہر پی رہی تھی
 تھا کون اسے دیتا جو دلاسا
 ایوان میں اس کے بے محابا !

کچھ دیر رہی وہ یوں ہی گم سم چاہا کرے اس سے ہی تبکلم

لیلیٰ (خطاب بہ چراغ خانہ)

اے چراغ خانہ تو دما ز تنہائی ہے آج
جانتا ہے کہ برسوں سے یوں ہی بیتا ہے
نور کا تو ہے خزمینہ میں ہوں تاریکی تنگ
المدد لے ہدم دیرینہ امشب المدد
کب تنگ اک ساعت بے رنگ میں کوئی جیوے
اے میحائے معالج، اے تجلی اے چراغ
اس طرح کی زندگی نکوین کی تکذیب ہے
جرم وہ کیا ہے کہ جس کی مل رہی ہے سزا
علم ہے تجھ کو کہ میری زندگی تاراج ہے
زندگانی ہے تری روشن، منور، تابناک
نور ہے، تصویر ہے تو اور تو روشن ضمیر
تو نہیں ہے چاند جو سورج سے ماہر و تاب
مگر عطا مجھ کو بھی ہلکی سی تجلی اے چراغ
میں بھٹکتی آئی ہوں تاریکیوں کی راہ میں
ایک نابینا ہوں میرا باصرہ معدوم ہے
کر مدد تو ہی علاج آبلہ پائی ہے آج
تجھ کو ہے معلوم کب سے ماہی بے آب ہوں
ایک مدت سے میں کرتی آرہی ہوں خودے جنگ
ختم ہی کر دوں حکایت آگئی ہے اب وہ
اک زمانہ ہو گیا ہے اپنے ہونٹوں کو سینے
تو ہی بتلا دے کہ مجھ کو غم سے کب ہو گا فرار
اک سزائے تلخ ہے اک طرح کی تادیب ہے
تو مجھے للہ بتلا دے ذرا میری خطا
راہ میں خار، خاروں ہی کا سر پر تاج ہے
روشنی ہے تو اندھیروں سے نہیں ہے تجھ کو پاک
کرتہ پائی ظلمت شب آج تک تجھ کو اسیر
صبح کی مانند ہی بے داغ ہے تیرا شباب
روشنی کی مے سے پر کر دے ذرا میرا مایا غ
مثل یوسف ہوں مقید ایک اندھے چاہ میں
اور بصیرت سے بھی میری زندگی محروم ہے

لے چراغِ نور تو ہے ایک شمسِ بازغہ
 ہے یہ اک اندھیر نگری لے چراغِ یرضیا
 باوجود اس کے یہاں ہے اک مسلسل ہائے وہو
 العجب لیکن کہوں کیا تجھ سے دستورِ جہاں
 بھیک کا کشکول ہاتوں میں لئے پھرتے ہیں گو
 نورِ حق سینے میں ہے لیکن نہیں یہ رازِ فاش
 لتے سوداگر ہیں کاذب جھوٹے کا بازار ہے
 سیم و زر کے نور سے چندھیائی ہے انکی آنکھ
 ان کی راتوں میں ہے الماس و گہر کی چاندنی
 اک فقط مہتابِ خوش ہے بھیک کے انوار میں
 اس جہاں کی تیرگی میں نور کی گر ہو تلاش
 یہ کہ کر سکتا ہے وہ خود سیم و زر کے نور سے (ق)
 سینہٴ انسان کے اندر ہی ہواں وہ طور ہے
 دل کے اندر ہی تو ملتا ہے سراغِ زندگی
 تن سے اوپر اٹھ کے جب انسان میں ڈوب جا
 سہل ہے پھر آگہی کا مرحلہ آسان ہے
 ہے ہمیشہ ہی سے قائم اک وہ نورِ لایزال
 نور کے اسی بحر میں ہے روحِ انسان ایک موج
 ظلمتوں پر فاش تیرا طنطنہ اور بدبہ !
 آدمِ خاکی پہ واضح ہو چکا ہے بارِ ہا
 نور ہی کی ہے جہاں کیف و کم کو جستجو
 مطمین ہیں لوگ مانگے کے اجالے سے یہاں
 اک چراغِ تیرہ راتوں میں لئے پھرتے ہیں لوگ
 حیف اک ماہی کو دریا میں ہے پانی کی تلاش
 نام اُن کا نین سکھ ہے آنکھ کا آزار ہے
 فصلِ گل آئی مگر کجلا گئی ہے ان کی آنکھ
 جس نے ان کی زندگی کو گھن لگایا کھا گئی
 پھول کھل سکتے نہیں ہرگز کبھی انگاریں
 چاہیے انسان کو کر دے اس بھرم کو پاش پاش
 اس جہاں سے ظلمتوں کو درجب سورج ڈھلے
 وا ہو چشمِ دل تو پیدا معرفت کا نور ہے
 اس نہا نخانے میں جلتا ہے چراغِ زندگی
 غیر ممکن ہے کہ بھر وہ اپنی ہستی کو نہ پائے
 ورنہ انسانِ خاک کا اک ڈھیر ہے بے جان ہے
 جو ہمیشہ ہی رہیگا بے مثال و لا زوال
 بحرِ نورِ میکران میں ہی یہ موجیں فوج فوج

دل مسخر ہو تو ملتا ہے شورِ زندگے ایک گہرائی میں پوشیدہ ہے نورِ زندگی
نور ہو جائے اگر حاصل تو بس پھر کائنات ایک ساعت ہی میں آجاتی ہے تب انسان کج بات
تو اندھیرے کا ہے فائدے درخندہ چراغ ہے اجالوں کا بیمبر تو ہی اے روشن دماغ
رات ہے تاریک غم کی اور ہے بے حد دراز شادمانی سے طبیعت ہو چسکی ہے بے نیاز
آہ وہ دل - کرتی آتی تھی ہمیشہ جس پہ ناز اب ہے بے چارہ نہیں اس کا کوئی بھی چارہ ساز
کیوں شبِ غم کی سحر ہوتی نہیں پروردگار کیوں یہ ہستی مختصر ہوتی نہیں اے کردگار
وہ مرا موسیٰ، مرا ہدم وہ میرا غم گسار جس پہ میرے دل کی کیفیت ہوئی تھی آشکار
کس جہاں میں کھو گیا وہ پیکرِ الٰہی صفت میرے مولا ہے کہاں نوبتِ زینِ صبحِ نجات
کیا قیامت ہے بھری دنیا میں تنہا ہے یہ دل دوائے قسمت بن گیا ہے دل مرا پتھر کی رسل
چپ رہوں تو قلبِ سینے میں قیامت ٹھکے اور کچھ بولوں تو دمِ زیرِ کلوٹ جائے!

دائے انگو

بھتا قیس بھی بے سکون و ناشاد ناشاد، تباہ حال، بر باد
بر باد، لئے تھا دل میں نسرِ یاد فریاد، نہاں تھی جس میں اک یاد
اس دشتِ الم میں رقصِ فرما مجنوں تھا کہ بھتا کوئی بگولا
در اصل اک اتفاق ہی تھا اُس صبح کو زیدِ سرکشِ باد
پہنچا کہ جدھر تھا ایک حجرِ ا تھا قیس جہاں ادا اس بیٹھا!
کچھ دیر کے بعد بے محابا تھا زید سے اس طرح سے گویا

(اس کی طلب ہے)

قیس

اس کی طلب ہے دل کو سراسر
 حن ہے جس کا ایک سمندر
 ہے دل میں بیوست اک چاقو
 خونِ جگر سے گرم ہے پہلو
 خن کو ہے شعلے کی تمنا
 باڑھ کی رہ دیکھے ہے دریا
 دل میں صدف کے ہے اک ارماں
 ضم ہو اس میں قطرہ نیناں
 حسرت دکھتا ہے یہ سمندر
 ساحل کو طوفاں کی طلب ہے
 کوئی جیسا آئے شنادور
 کشتی کو اصرار یہی ہے
 کھل کے کہیں تو سوئے ادب ہے
 آنے اک طوفان بلا کا (ق)
 لب پر اک تکرار یہی ہے !
 جس میں اس کا غرق ہو بیڑا !
 رات کہے ہے اپنے رب سے
 دور کرے جو اس کا اندھیرا (ق)
 باغ کو فصل گل کی تمنا
 فصل کے دل میں ہے اک ارماں
 دیدہ نگس کا ہے تقاضا
 کوئی اسے پلکوں میں سجائے (ق)
 متوقع ہے دیدہ آہو
 اتنی سی کلفت ہے ہدف کی
 ایک کسک ہے قلبِ ختن میں
 آئے اور آکر رم جائے (ق)
 جلدی آئے موسمِ باراں
 اس کے دل میں ہے ارادا
 کوئی اسے نظروں میں بسالے
 ہو جائے اک دل میں ترازو
 تیرا سے اک کر دے چھلنی !
 کوئی غزال اسکے آنجن میں
 آئے کوئی اور یا کہ نہ آئے !

غنچے کو درکار صبا ہے
 لب پر بس اتنی سی دعا ہے
 ایک تلاطم ایسا آئے (ق)
 غنچے سے وہ گل بن جائے !
 کیا کہئے اندوہ نہاں کسے
 دل میں حسرت ہے یہ کتاں کی
 لائے چاند کرن کا خنجر (ق)
 خواہیدہ ہے نے میں نغمہ
 کوئی اس نغمے کو جگا دے (ق)
 کتنے ریخ بر بستہ دہن، ایسے
 جن کو ہے درکار تمازت (ق)
 جن کھڑا ہے بانہہ پسا رہے
 عشق کی خاطر حسن کے جلوے
 خواہاں ہیں نظارے کتنے
 جنسِ بزاکت بس یہی چاہے
 ہے فقط اتنی خواہش مینا
 سا غرمے بس اتنا چاہے
 صوٹ و صدا کے لب پہ ندا ہے
 دشتِ خموشی بس یہی چاہے
 چشم بہ رہ ہے شہرِ فیض ۳۔
 کوئی جنونی عاشق آئے (ق)
 لب پر بس اتنی سی دعا ہے
 غنچے سے وہ گل بن جائے !
 دل میں حسرت ہے یہ کتاں کی
 کر دے اس کو پارا یکسر
 نے کی خواہش ہے یہ ہویدا
 کوئی اس کی لئے پرگادے
 کتنے ہی برفاب بدن، ہی سے
 گرم لبوں کی گرم حرارت
 آئے عشق اور اس کو ہمارے
 عالم میں ہیں بکھرے بکھرے
 کوئی ننگ ان پر بھی اٹھے !
 کوئی خریدار اس کو خریدے
 اس کو جلا دے شعلہٴ صہبا
 کوئی اس کو لب سے لگالے !
 سامع کوئی اس کی سننے لے !
 کوئی نوا اس میں ر م جائے
 اتنا ہی چاہے کوئے ملامت
 آئے اس میں، محشر ڈھائے

دارورسن کی ہے یہی حسرت
 واہے کب سے خلوتِ زنداں
 قلبِ نشیمن کی ہے تمنا
 آئے اسکو بھونک کے رکھ دے^(ق)
 دل کو ہے بس ایک تمنا
 سر کو ہے بس ایک ہی سودا
 صید کی خواہش ہے یہ دمِ رم
 آکے بنا لے اس کو بند ی
 دامن چاہے موسمِ گل سے
 شبنم کو درکار کر ن ہے
 شہرِ بدخشاں کی ہے تمنا
 آب ہے مانگے تیغ کا سینہ
 ہے یہ دعا اتنی سی شفق کو
 کہتے ہیں بس زلف کے عقد سے
 قفلِ فقط اتنا ہی چاہے
 میخانے کی ہے یہ تلک و دو
 آکے پی لے ساری صہب^(ق)
 واہے دریچہ حسن کا کب سے
 کوئی تو پائے اس پہ شہادت
 کوئی تو آئے چاک گریباں !
 اسکو ہے اک برق کا سودا
 رہ تکتا ہے وہ مدت سے
 درد ہو اس میں میٹھا میٹھا - !
 مل جائے کوئی دل آرا - !
 کوئی شکاری آئے گجر دم
 ختم ہو بس آوارہ گردی^(ق)
 کر دے اسکو پُر زے پُر زے
 عرصے سے دل میں یہ لگن ہے !
 لعل کوئی ہو جائے اس کا !
 خاتم کو درکار نگیں — !
 بھر دے سورج اس میں سرخی
 آئے کوئی اور ہم کو سوارے
 کوئی کلید اسے مل جائے
 روزی آئے میخوار نو — !
 ساعرے کو چھلکا چھلکا — !
 ناظر اک مانگے ہے رب سے

سن فقط اتنا ہی چلے ہے
دیوانے کو بڑ کی طلب ہے
آئے جو ہلچل سی مچا دے (ق)
دیوانہ بس اتنا چاہے
دشت کی اک خواہش ہے دگرگوں
داستان گو

آئے عشق اور اسکو سرا ہے
صحرا کو جھکڑ کی طلب ہے
سنائے کو دور بھکا دے
کوئی اسے زنجیر پھا دے
کاش اسے مل جائے مجھوں

بہتی رہی یوہنی جوئے مجھوں
صحرا میں بجھا تھا دام افسوں
مجھوں کا سخن وہ سن رہا تھا
عرفان کے پھول چن رہا تھا

الفاظ تھے اس کے درمیکوں
تھا زید کا حال بھی دگرگوں
عرفان کے پھول چن رہا تھا

(آج ہے روزِ وصال)

قیس

خوش بہت خوش ہوں تجھ سے آج آؤ
تو جو پھر یہاں یہ آیا ہے
کس خرابے میں آہ بستا ہوں
آگ سی اک دبی ہے سینے میں
ہر طرف ایک ہو کا عالم ہے
ہم نفس ہے یہاں کہیں کوئی
گو بجتی ہے سکوت کی آواز

چھوڑ کر اپنے کام کاج اے زید
جانے کیا ارمغان لایا ہے - !
اک تبسم کو بھی ترستا ہوں
لطف باقی نہیں ہے جینے میں
دل ہے غمگین چشم پر غم ہے
ایک آواز بھی نہیں کوئی - !
بج رہا ہے فقط یہی اک ساز

ایسے جینے سے فائدہ کیا ہے زہر پینے سے فائدہ کیا ہے
 کس قدر بے قرار ہیں جو ہر دل کے اس آئینے میں سرتا سر
آواز ختم ہو روز انتظار ہوا انتظامِ دصالِ یار ہوا
قیس آج کا دن ہے مغنم لے زید ایسا لگتا ہے وہ صنم لے زید
 پھر سے آئیگا اس خرابے میں (ق) غم داندوہ کے دو آہے میں
 دلِ خانہ خراب کہتا ہے کوئی آتا ہے کر کے منزل طے
 آج تک حالِ دل یہی ہے رہا دل نے مجھ سے نہیں ہے جھوٹا کہا
 اسلئے اک یقین سا ہے مجھے دل کو جھٹلاؤں میں بھلائی کے
 (ق) اس سے پہلے کہ وہ یہاں آئے یعنی وہ رشکِ پر نیاں آئے
 جاؤ عیسیٰ شبابِ جاؤ ذرا لاؤ اک آفتابِ لاؤ ذرا
 تاکہ ہو رہ میں اس کے دور ہی نور دے اٹھے کوز میں مثالی طور
 ایک کیا سب چراغ لے آؤ جا کے گلہائے باغ لے آؤ
 جگمگائیں چراغِ راہوں میں جب وہ آجائے میری باہوں میں
 آؤ قالین گل بچھاؤ ذرا گاؤ تیکے سمن کے لاؤ ذرا
 گل سے لے آؤ عطر کی مہکار طاہروں کی بلند ہو چہکار !
 آب لے آؤ آبگینے سے تاب لے آؤ ہر رنگینے سے !
 لاؤ لالہ بنفشہ اور سمن آج لے آؤ تم چین کا چین
 ہو رواں جو مبارک سنگیت آنے والا ہے آج من کا میت

پھینک دو دور خروءِ سالوس جاؤ لے آؤ عشق کے فانیوس
 ساعتِ ہجرتِ یہ ہو پھٹکار مار تجھ پر خدا کی اور سنوار
 آج روزِ وصال آیا ہے (ق) دور اب ہم سے تیرا سایا ہے
 چرخِ نیلوفری سے لاؤ نذیر لاؤ طاؤسِ زہرہ ونا ہید! ارض پر آسماں کو لے آؤ
 فصلِ گل سے کہو کہ جلد آئے اپنے ہمراہ بوئے خوش لائے
 جا کے تم نہ ہوئے ختن سے کہو اس شمانے کی انجن سے کہو
 نافہ مشک ساتھ لے آئے (ق) دلِ صحر اکو آکے برمائے!
 کہو ساقی سے سن تو دل آرام تجھ پہ قربان میکدے کی شام
 آئے اور میکدہ ہی لے آئے بیٹے والوں کو یوں نہ ترسائے
 شبنم اپنا نہ یوں دکھائیگاؤ آکے جلدی یہاں کرے چھڑکاؤ
 قوس کی شاہراہ بچھ جائے رنگ کی کھکشاں سمٹے آئے
 رنگ کے سونگار خانے کھلیں جکے اندر ہزار رنگ کھلیں
 واہورہ میں صحیفہ وارڈ رنگ جو ہے اک ارمغانِ رنگِ رنگ
 رنگ ہی رنگ ہوں جدھر آئے رنگ ہی رنگ ہوں جدھر جائے
 راہ میں اسکی ہوں یہ سارے رنگ دلکش، شوخ پیار پیار رنگ!

رنگ ہا رنگ

شام کے رنگ اور شفق کے رنگ راہ میں اسکی ہوں انق کے رنگ

سرخ اک رنگ جیسے رنگِ گلاب دن کا وہ رنگ جو ہے لالے سما
 رات کا رنگ جو ہے کالے کا ! سبز اک رنگ جیسے رنگِ گیاہ
 سبز پوشوں کے سر پہ سبز کلاہ چمبی رنگ جو کہ ہے نایاب
 بس رخِ یار پر ہے جس کی آب رنگ کیسر کا زعفرانی رنگ
 چرخ کا رنگ آسمانی رنگ رنگ دھانی سا اک دوپٹے کا
 رنگ وہ زرد زرد ہلکا سا عارضِ درخ کا وہ شہابی رنگ
 یا یہ کہے کہ آفتابی رنگ چشمِ دلدار کے وہ کام کا رنگ
 سرمئی رنگ یعنی شام کا رنگ صبح کے وقت جیسے نیل کا رنگ
 شام کے وقت جیسے جھیل کا رنگ جامنی رنگ ایک جامے کا
 رنگ جس طرح سے شامے کا ! رنگ گہرا سا ارغوانی رنگ
 دہنوں کا یہ جانِ جانی رنگ چشمِ عاشق کا خونچکانی رنگ
 یار کے رخ پہ قدردانی رنگ کوئی دیکھے اک اور رنگِ چمن
 کاسنی کاسنی سا پیراہن !

شب کی تارکیوں کا ظلمت رنگ
 رنگ جیسے کسی فرشتے کا
 ماہستانی کہ نیم خوابی رنگ
 جلد ہو جلد تیرا خانہ خراب
 ابلے آج تجھ سے ہیں بیزار
 ایسا چنگھڑا نہیں اچھا !
 دھول اڑانا ہے یوں نہیں اچھا
 انوں سے گو نہ برساؤ
 تو بچھا ہے تمام اپنے شرار
 پارہ پارہ تجھے نہ اکر دے
 نامناسب ہے اب ترا ہڈیاں
 کہہ میں ایسا نہ ہو بنے درگت !
 اپنی بانی میں جسا کے سو جاؤ
 جاؤ خود اپنی نسل کو نکلو !
 اک خنک آستان بن جاؤ
 کہہ چکا اور کیا کہوں اے زید
 ہے جگر خون آنکھ ہے پر غم
 کب تلک ایسے خامنیاں برباد

صبح صادق کا وہ صباحت رنگ
 رنگ تقدیس کا سپید و صفا
 رنگ جیسے کہ ماہستانی رنگی
 دشتِ قاہر کے اے طلسم سراب
 اس بیجا بال کے اے نکیلے خار
 جھگڑو قہر مت کرو برپا
 اے غبارِ فضول ہے بے جا
 اے عناصر جہاں ہو رک جاؤ
 اے طیش، التہاب ہے بیکار
 سنگ خارہ تجھے خدا سمجھے
 پھیر رخ گرد و باد کے طوفان
 مار کتر دم ذرا کرو عجلہ
 اسلئے نہ ہر اپنا خود دکھاؤ (ق)
 اڑدھو اپنے منہ کو بند کرو
 ریگ زار و کرم یہ فسراؤ
 قصہ کو تاہ اب کروں اے زید
 دل کو اس طرح کے ہیں لاکھ بھرم
 اس طرح کب تلک رہوں ناشاد

دل کی تفسیر کو میں سو غایتیں
میں نے خود کی ہے تربیت اُن کی
ایسی ممکن نہیں کوئی صورت
ایسی گھاتوں سے کچھ نہیں حاصل
زندگی میری ہے فضول اک شے
اس طرح مجھ پہ اک کرم ہے کیا
مجھ کو دے دی ہے تو نے تابِ بیاں
میرے دل میں جگہ بنائی ہے
شکریہ میں ادا کروں کیسے؟
پارچے کچھ اٹھا کے رکھے تھے
تجھ کو دیتا ہوں اس کا میں تحفہ!
کر لے تو زیب تن اسے پھر بھی
دور قدرے تو ہو گی بے چینی

کچھ دیر ہوا دہاں سے مستور
واپس ہوا، دی خبر کہ منظور
تقدیر ہوا ہے چاکِ سلنا
صورت تھی نشاط کی یہ نکلی

میں نے ایجا دکھی ہیں جو باتیں
جانتا ہوں میں ماہیت ان کی
ان میں کچھ بھی نہیں ہے اصلیت^(ق)
صرف باتوں سے کچھ نہیں حاصل
اسلئے اب یہ تجھ سے کہنا ہے
خیر تو نے جو ساتھ میرا دیا
بار بار اس طرح سے آکے یہاں
تو نے اک روشنی دکھائی ہے
مجھ پہ احسان جو کیا تو نے
اپنے حجرے میں ایک عرصے سے
ہے یہ دیبا کا جامہ زیب
دلیسے ہے ایک شے یہ معمولی
تو پہن لے مجھے خوشی ہوگی
داستان گو

تحفہ جو ملا تو زیدِ مشکور
دل اس کا تھا اس کرم سے معمور
سیلی نے کیا ہے اس سے ملنا
مجنوں کی خوشی کی اب نہ حد تھی

ظاہر تھی نلک پہ ایک سرخی
 شیطاں سا ایک جلو داں تھا
 وہ زید کے ساتھ ہوا روا نا
 حیرت سے عجب تھا حال اس کا
 ہے عشق بھی کیا عجیب سی شے
 ہمرہ ہوئے امد شکر نشا ناں
 مشکل تھا بہت حصولِ جاناں
 آساں نہیں راہ گلرخوں کی
 اور قافلہ پہنچا پائے کے آزار
 واقفیت نے کی زبانِ گفتار
 جذبے تھے سبھی بلند قامت!

تھی دل میں ہنوز بات دل کی
 ہر سمت سکوت کامراں تھا
 اک سجدہ شکر کمرے پہ پورا —
 فی الحال وہی تو ہم سفر تھا
 جاتا تھا وہ منزلوں کو کر طے
 ساتھ آئے کچھ امد بیتِ خواناں
 اور کچھ جو تھے اس کے قدر داناں
 منزل نہیں سہل دلبروں کی
 طے ہو ہی گئی وہ راہِ دشوار
 لیلا کے جلو میں آخر کار
 تھی اس کے بیان میں فصاحت

قیس

جس پہ مدت سے ہے اے جان جہاں تیرا عتاب
 حال تو دیکھ ذرا
 ہے جگر خون مراد کا گریبان ہے چاک
 سر بزا نو ہے وفا!
 کہنا چاہوں تو ہے اک قفلِ زباں پر میری
 یا بجو لاں ہے صدا

پھر سے آیا ہے ترے در پہ وہی خانہ خراب
 بن گئی خاک مری اب تری دہلیز کی خاک
 مجھ کو اپنانے میں لے جاؤ اب کیوں دیری

کتے بے تاب ہیں سجدے مری پیشانی میں

منعکس ہیں کئی جلوے مری حیرانی میں

دور ہی سے ترے درپر میں بجلاؤں سجود

کہہ رہی ہے یہ رندا
میں نہ زندانی طاعت نہ تو یا بسندِ قعود

نہ تو میں ہرزہ سرا

دل مرا ایک زمانے سے ہے محسوسم بہار

ایک عرصے سے مرا جسم ہے یوں زار و نزار

میری حالت پہ نہ جا

اک زمانے سے یہ دل تیرا تمنائے ہے

ایک عرصے سے ہی سودائے تجہیں سائل ہے

مجھ کو تو راہ دکھا

کیا کہوں میں نے سہے رنج و الم ہیں کیا کیا

کیا بتاؤں کہ اٹھائے بھی تم ہیں کیا کیا

گھٹ گئی میری نوا

دل مرا تیرا طلب گار وہی ہے کہ جو تھا

راستہ اب بھی ہے دشوار وہی ہے کہ جو تھا

آہ اے میرے خدا

آج بھی دور ہیں مجھ سے یہ نگاہیں تیری

آج بھی دیسے ہی بے نور ہیں راہیں تیری

دھونڈتا ہوں میں ضیاء

آج بھی مجھ پہ ہیں الزام تری آنکھوں کے

آج بھی دور نہیں دام تری آنکھوں کے

ہوں گرفتار ترا

اک ہنسی ایک تبسم کو ترستا ہوں میں

ایک بادل ہوں کہ بے فیض برستا ہوں میں

کیا ہوا حال مرا

ند دے ظلم جو ڈھائے ہیں تجھے کیا معلوم کتنے تاریک یہ سائے ہیں تجھے کیا معلوم
 آج بھی ہے یہ سفینہ میرا طوفاں بکھناو آہ یہ تیسری جفا
 دستگیری تو کرے مگر تو بنے کام مرا منہ کو پھاڑے ہوئے تیار ہنگ خوار
 قافلہ گم ہے نہیں قافلہ سارا کوئی اُن یہ سیلابِ بلا
 سنگ اور خشت ہی تقدیر ہے دیوانہ کی در نہ معلوم ہے مجھ کو تو اب انجام مرا
 اے صنم آج ذرا تو ہی مجھے مبتلا دے مجھ کو ملنی ہے سزا
 میں ہوں اک مستی گم گشتہ مرا کوئی نہیں دشت میں راہ دکھانے نہیں تیار کوئی
 راز کچھ ایسے تھے جو ہم سے چھپائے نہ گئے چُپ ہے آوازِ دردا
 ہم سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے ہوتی آئی ہے تواضع یونہی نرزانے کی
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے یہ مدارات بجا
 تو سنے گا بھی بھلا حال تجھ سے نہ کہوں مگر تو کہوں پھر کس سے
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے مجھ کو مبتلا دے ذرا
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے آہ اس دہر میں میرا بھی نہیں کوئی کہیں
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے میں ہوں یوسفِ آسا
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے دل میں وہ زخم نہیں تھے کہ دکھائے نہ گئے
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے ہم یہ جیتی ہے یہ کیا
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے سل منے تیرے کر میں تیری شکایت کیسے
 ہم نے سنا کیں تجھے خود تیری حکایت کیسے تو سنے گا بھی بھلا

کس طرح کھولیں دہن نطق پہ ہے اک پہرا
بند ہے صوت و صدا

ہے میسر و سامان مگر بے طبعان
آہ یہ کر سب - بلا
تیرے دیوانے کو مل جائے ترے در سے صلا
ہے ہی اس کی دعا

ہم دکھائیں تو مگر زخم بہت ہے گہرا

آٹ میبے بال و پیر، گھر گئی، تشنہ لبی

رحم لے خسر و شکر دہناں بہر خدا

داستان انگو

پہلے تو ہوئی اسے مسرت
کب سے تھی حیات، اسکی غارت
ہر لمحہ وہ زہریلی رہی تھی
جس طرح سے ہو کوئی غارت
اک شخص کے ہاتھوں بے ضرورت
پھر خاک ہو خانہ بے کم و کاست
کہتے ہیں لوگ شعر ویسے
خیمے سے وہ نکلی جیسے تیسے
اک ابر سے جیسے نکلے ہتھاب
بچوں سبزہ زیر پائے شمشاد

لیٹی کو سلی جو یہ بشارت
کچھ دیر کے بعد اک ندامت
بروز تھا جہاں وہ جی رہی تھی
اس طرح سے تھی کچھ اس کی حالت
بے وجہ شکار، بربریت
پہلے تو ہو اک ستون برخاست
بچوں نے سناے بیت، ایسے
برباد ہوئے ہیں کیسے کیسے
وہ آئی، رونِ خانہ بیتاب
ورپائے مافز خود افتاد

تھی اس کے لبوں پہ ایک فسرِ یاد
 ساحل سے ملے ہوئے موج جیسے
 جس طرح سے بھادوں اور سادوں
 جس طرح سے چاک اور دامن۔
 دونوں کے دلوں کو بھاگتی تھی
 دونوں کا الم بہت تھا بھاری
 روتے تھے وہ دونوں باری باری
 کرنے دو نہال تازہ کو تر
 آیا، تو ہوئے وہ دونوں خاموش
 لیکن رہی دانظر کی آغوش
 آمدِ برآں غریبِ خاکی،
 لیلیٰ اسے لائی خیمے میں سات
 تھی قیس کے واسطے یہ سوغات
 پھر اسکو بوسلِ جاں نوازا
 تھا جس پہ دوانگی کا عالم
 اسکی، مگر اسکو تھا ہی غم
 تب ہجر میں جی میکس گئے کیسے
 جب دونوں گلے ملے بغایت

نچھیر تھی خود سماجِ جلا د
 دونوں کی نظر ملی کچھ ایسے
 جس طرح بہار اور گلشن۔
 جس طرح سے برق اور نشیمن
 فرخندہ گھڑی وہ آگئی تھی
 پس لے لے دیر تک تھا جاری
 تھے زخمِ نہایت ان کے کاری
 زید آیا لئے گلاب و عنبر
 کچھ دیر کے بعد جب انھیں ہوش
 دونوں کے بڑھال تھے تن دوش
 دلیلی ہزار شرمناکی
 تب قیس کالے کے ہاتھ میں ہات
 دونوں ہی کی نرم نرم تھی گات
 پہلے کیا عہدِ عشق تازا
 تھا زید وہاں اک اُن کا محرم
 اس ساعتِ خوش میں آنکھ تھی نم
 جب ہوں گے جدا یہ دونوں پھر سے
 تھی ایک بہت ہی نیک ساعت

رسوائی، فسراق اور شہادت
 دونوں کو خوشی تھی بے تحاشا
 ہوتا نہ وہاں گند کسی کا
 ہرگز نہ وہ قیس کو صہاتا
 اور اس کو ٹھکانے سے لگاتی
 تھی ایک کو دوسرے زینت
 تھی عشق میں ان کے ایک شدت
 جذبے میں مگر تھی نشتریت
 موجود تھی معرفت کی گرمی
 تابندہ تھا جذب اندرونی
 مابین خلوص بے ریا تھا!
 آلاش دھڑ سے اسے کیا
 قصہ یہ نہیں نہیں تماش!
 ہوتا ہے حصول آہگی کا
 کیا عشق سوالیہ نشان ہے؟
 دراصل جمالِ قدسیاں ہے
 اور اس کا عروج اسکی رفعت
 ہے عشقِ سدا سے پاکِ امن۔!

دونوں نے اٹھائی تھی صعوبت
 اک عرصے کے بعد تھے وہ یکجا
 خیمے میں تھا انتظام ایسا
 اُس جا اگر اک نگہ بھی آتا
 لیلیٰ اسے چیر بھاڑ دیتی
 القصہ گزر رہی تھی ساعت
 عصمت سے بہت تھی دورِ شہوت
 فطرت میں تھی ان کے سرطیت
 دونوں ہی کا عشق تھا حقیقی
 آپس میں ہو دہم کیا ضروری
 تھا مگر سے پاک عشق ان کا
 ہے عشقِ جہان سے زالا
 ہے اس کا پلن بغایت ادنیٰ
 انسان نے عشق ہی سے جانا
 کیا عشق سوالِ امتحان ہے؟
 انسان کے دل کی کہکشاں ہے
 پاکیزہ اس کی امدِ طہارت
 واضح ہے مثالِ روزِ روشن (ق)

تقدیس ہے اس پہ سایہ انگن
 اک تحفہ کردگار ہے عشق
 ہے عشق کی تابن اک شمشیر
 ہے جن کے دل و زباں پہ زنجیر
 زنجیر ہو قطع ایک پل میں
 پھر بھی نگہ میں اس کا چہر چا
 اُس جا ہوا اک ہجوم اکٹھا
 خاموشی سے ان کو دیکھتے تھے
 بھولی تھی خروش و جوش لیلیٰ!
 اور اپنے ہی پشہ و گوش لیلیٰ
 اس طرح سے وہ ہوئی سخن گو

ہر قسم کی معصیت سے ایمین
 عشاق کا ہی شعار ہے عشق
 آوازہ عشق ہے جہاں گیر
 زندانِ ستم کے جوہیں پنجہ گیر
 مگر عشق کو حرزِ جاں وہ کر لیں
 گو بات تھی ہر طرح سے خفیہ
 یکجا ہیں خوشی سے قیس و لیلیٰ
 سب شہر کے لوگ آگئے تھے
 کچھ دیر رہی خموش لیلیٰ
 اور ساتھ ہی اپنا ہوش لیلیٰ
 اک ہوش ذرا جو آیا اس کو

لیلیٰ

[وہ سنگ بر سائے کہ بس]

اس گھڑی کا تھا بچانے مجھ کو کب سے انتظار
 آئیگا تو اس دل ہنگامہ جو کو تھا یقین
 صفحہ تاریخِ الفت میں رہے گی بے مثال
 داستانِ اسکی کہے کون اور ہو کیسے دم
 گفتگو میں تیری اک تہذیب تک اک ربط ہے

اے مرے محبوب اے میرے حبیبِ دلِ فگار
 راہ نکتی تھی بچانے کب سے تیری ہم نشین
 اس میں کیا شک ہے کہ ہے تیری اطا لا زوال
 تو نے جس شائستگی سے عاشق کو اے صنم
 آرزو میں تیری اک ٹھہرا ہے اک ضبط ہے

آئیگا وہ دن بھی مستقبل میں جب اے باصفا
 لیکن اسکے ساتھ ہی آتے کہوگی میں ضرور
 ہوتا آیا ہے یہی ہوگا اذل سے تا ابد
 دل مرا کہتا تھا اک دن تو فردا آجائے گا
 یہ کہ تیری چشم دل ہے آج بھی میرے لیے
 آج جب اے جانِ لیلیٰ میرے پاس آیا ہے تو
 دیکھتی ہوں کس قدر تو ہے پریشاں روزگار
 دل شکستہ، ہوش رفتہ، غمزہ، خوار و ذبون
 سرگراں داناں دیدہ تیرہ قسمت سر بکف
 پر کہوں لیکن بہت ہی اسکی ہے مجھ کو خوشی
 پاس آکر میرے خیر کچھ جو تو نے بر ملا
 مجھ کو ہے اسکی خوشی بے حد سحر سے تابش
 ہے پریشاں آج بھی یہ دل تیرا میرے لئے
 علم ہے مجھ کو کہ ہے تیرا سر تسلیم خم
 تو یہ کہتا ہے کوئی تیرا نہیں میرے سوا
 جانتی ہوں تجھ پہ جو جیتی ہے اے میرے حبیب
 کچھتی ہوں تجھ پہ لاکھوں طرح کے الزام ہیں
 ہے خبر مجھ کو کہ سب الزام بے بنیاد ہیں

نام تیرا اہل دل کے حرزِ جاں ہو جیگا۔!
 تو سمجھ سکتا ہے اس نکتے کو تو ہے باشعور
 عشقِ اول در دل معشوق پیدا می شود
 آئیگا اور ساتھ اپنے ایک مشردہ لائیگا
 یہ کہ تو آبِ بقا ہے آج بھی میرے لئے
 حیف تو ہے کس قدر آشفتمہ سر آشفتمہ ہو
 بے نوا، بے چارہ، گرے برگِ سماں، بے دیار
 تن پہ تنکا بھی نہیں ہے صرف ملبوسِ جنوں
 ایک ایسا تیر جو ہو بے نشان، بے ہدف
 بڑھ گئی ہے اس کے کچھ دن ابد میری زندگی
 جس جہاز سے ہر اک جذبے کو ظاہر کر دیا
 آج بھی ہے تیرے ان ہونٹوں میں اس کھلکا نام
 اب بھی ہے سوداں تیرا تیری دنیا میرے لئے
 ہے مرے ہی واسطے ویسے ہی تیری چشمِ غم
 آہ لیکن حال اپنا تو نے یہ کیوں کر لیا
 میری خاطر ہی ہوا ہے میں ہی ہوں بد نصیب
 ادد یہ الزام تجھ پر صبح سے تا شام ہیں
 آہ اس دنیا کے باشندے بڑے جلا وطن ہیں

دیکھتی ہوں میں کہ تجھ کو پہلے اب بھی طلب
 تجھ پہ جو گزری مجھے اچھی طرح معلوم ہے
 ایک مدت تک رہا جس دشت میں تیرا قیام
 ہر باں صحر کہ جس نے دی تجھے دل میں پناہ
 جس بیاباں کا ہے آئینِ عدالتِ صلح کل
 دشتِ بے پایاں کہ جو ہے بے حدود و بے حصار
 جس میں ہے تفریق کوئی اند نہ کوئی امتیاز
 گرد ہے جس کی سدا گلو نہ رخسارِ قمیس
 ہے یہ صحر اگر اسود کا سوادِ بسیکراں
 اس جہاں میں جانے کتنے ذہن کے پیار ہیں
 اس بیاباں کو سمجھ سکتے نہیں وہ کم سواد
 دور ہوں میں دشت سے لیکن کیل ہے انتظام
 جس بیاباں نے تجھے گودی میں دی اپنی جگہ
 اے مرے محبوب ہے جس دشت میں تیرا قیام
 لو کہ جھونکوں نے بھی تجھ کو ہر گھڑی سی دی
 ہے یہ وہ صحر کہ جس کے خار بھی ہیں تیرے دست
 تیرا حجاز اس جہاں کا ایک غلستان ہے
 اس سمندر دشت میں ملتا ہے اک ایسا سکون

میں اگر خوش ہوں خوشی میری نہیں بے سبب
 عشق کی یہ راہ شکلِ کس طرح کی تو نے ط
 اس بیاباں کیلئے ہے وقف میرا احترام
 میرے دل میں پانگیا ہے اک زمانے سے وہ راہ
 اند جہاں پر ساتھ خادوں کے کھلا کرتے ہیں گ
 جس کے ماتھے سے ہے اخلاص و مدارِ آشکار
 جو فسادِ آدمیت سے ہے یکسر بے نیاز
 جو رِہادتِ تلکِ پابوس اور غمخوارِ قمیس
 تیرے پیوں کے لئے ہے ریگ اسکی پر نیاں
 زندگی کی جن کی یکسر کھوکھلی اقدار ہیں
 عقل و دانش کے نہیں ہیں دائرے جن کے زیاد
 پیش کرتی ہوں یہیں سے میں اسے اپنا سلام
 فیضِ بے پایاں سے ہے بھر لو جس کی ہر نگ
 تیری خاطر اس نے کچھ ایسا کیا ہے انتظام
 آندھیوں میں بھی تجھے شبِ بنم کی امیر شملی
 جس پاتا اک توانائی ہے تر اگر گوشتِ پوست
 دشت میں تیرے لئے ایک قصرِ عالی شان ہے
 ریح می لگتی ہے جس کے سامنے دیا کئے دون

آدی کو دہریہ میں بس اسی شے کی تلاش
 ہے محیط اس بحر صحرا پر سکوت بے کراں
 خامشی ہے دشت کی اس انجن میں محترم
 اس بیابان کی خموشی میں ہے یہاں معرفت
 پردہ صحرا میں آواز خموشی ہے نہاں
 آگہی کو سب سے پہلے خلش درکار ہے
 اس نگر نے تو کیا تھا انتظا خست و سنگ
 میری خاطر ہی تو ساری کلفتیں تو نے پس
 اس نگر ہی میں تو دسوا تو سر بازار تھا
 اس نگر ہی کی سید راتوں میں تو دوا گیا
 تیری الفت کا گلا گھونٹا گیا اس شہر میں
 کون سا تھا ظلم اے دلبر نہ جو تو نے سہا
 آج اگر اک زہر اک سم ہے مرے الفاظ میں
 میں بھی تو عرصے ملک اک زہر ہی مٹی نہی
 قبل اسکے ہڈیاں تک میری مثل آتش ہو
 بنہیں میں چپ رہو گی اب تو میں چلاؤ گی
 میں رہتی آئی ہوں میں ہے وہ اک شہر خموش
 تہ ہے کہ جس میں ظلم کے آدے چلیں

وہ سکون جو شر کو کر دیتا ہے کسیر پاش پاش
 یعنی سناٹا ہے اس صحرا کا اک سیل رواں
 ہے نصیل خامشی پیرا من ملک عدم
 کیا بیاں ہوا سکی، خوبی اسکا حسن اسکی صفت
 اسکو مننا ہر کس و نا کس کے بس میں ہے کہاں
 شور و شر و روح طرقت کیلئے آزاد ہے!
 اے مرے محبوب تیرے واسطے ہی بے درنگ
 دہر کی آسائشیں سب دھو ہی تجھ سے ملیں
 اس کے کوچوں میں نکلتا بھی تیرا دشوار تھا
 اس خرابے میں تجھے لوٹا گیا مارا گیا
 ویسے الفت کا صلہ کھوکھلا کس شہر میں
 تھی شرافت ہی تری تو نے نہ کچھ منہ سے کہا
 اس نگر کے لہنے والے اب کچھ منہ سے کہیں!
 اپنے لب سیتی رہی، خاں اعلیٰ یہ میں جیتی رہی
 وقت آیا ہے کہ میرے غم کے پردے فاش ہو
 کھا چکی دھوکے، پر اب دھوکے کھاؤ گی
 یہ وہ قاتل ہے کہ جس کا کوئی فردا نہ دوش
 پیا رکھنے والے جس کی آگ میں کسیر چلیں

بھول تک جس میں نہ کھل پائیں یہ ہے وہ شہر
ایک اندھا، ایک گونگا، ایک ہر شہر
اس نگر پر اب کبھی چپکے نہ کوئی آفتاب
ان کو جو کچھ بھی ملے اس پر ہی سب خزند ہیں
آسمان بھی اس پہ ٹوٹے پر نہ ہواک آنکھ نہ
اس نگر میں رہنے والوں پر خدا کا قہر ہے
ہے یہی اس میں ہی خوش ہے بے شر رہے التاب
ہاں یہاں والوں کے ذہنوں کے درتچے بند ہیں

کون جانے آہ کس گلی سے بنے ہیں یاں کے گوگ
سوختہ سامان ہر اسال، مضطرب خونیں جگر
کوئی ہلچل ہی نہیں اس میں یہ ہے کیسا نگر
کوہ غم ٹوٹے کوئی آواز اٹھاتا ہی نہیں
آہ کیسی تنگ بینی سے عبارت ہے یہ شہر
اس خرابے میں کبھی آئی نہیں تازہ ہوا
اس نگر سے اک عفو ت سی اٹھے ہے رات دن
آہ اس بستی میں کتنے خونچکاں ادھام ہیں
شہر کہنے کو ہے لیکن کس قدر ویران ہے
ایک عاجز پر کوئی ڈھائے قیامت ان کو کیا
کوئی بیٹی کو اٹھائے جائے گھر سے ان کو کیا
قتل بھی ہو جائے ان کے سامنے کوئی بشر
ہر قدم پر مل ہی جاتے ہیں یہاں دار و درسن
شہر میں ہر طرح کے دکھ درد ہیں آلام ہیں
واہ اس کو واہ جس گلی سے بنے ہیں یاں کے لوگ
بے مروت، بے نصیحت، بے ملامت، فتنہ گر
کیسی مٹی سے بنے ہیں اس نگر کے بام و در
میں شکستہ تار کوئی ساز اٹھاتا ہی نہیں
اپنے ماتھے پر ہی اک داغِ خجالت ہے یہ شہر
یاں قدم رکھتے ہوئے ڈرتی جھبکتی ہے صبا
اس نگر میں اک علالت سی آگے ہے رات دن
کتنے فرسودہ عطاء کے مریض اصنام ہیں
کیا جو یہ شہری ہیں ان میں ایک بھی نہاں ہے؟
گھر میں بیٹی کی اگر ہو زندہ تربت ان کو کیا
یہ ہیں بے حس اپنے گھر اپنے نگر سے ان کو کیا!
شہر دالے سادھ لینے چپ ہی اکثر بیشتر
روز ہوتے ہیں یہاں قربان کتنے جان و تن
آہ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ با آرام ہم سے !

کس قدر مردہ ہیں اور بے حس ہیں اس بستی کے لوگ
 مرد جو کہتے ہیں خود کو ان کے دعوے خام ہیں
 آدمی کے روپ میں یہ مار و کٹر دم کا تنگ
 جو شرافت کے بناءے شہر نے معیار ہیں
 جب سب بازار اس کی بیٹیاں بکتی ہیں یاں
 بے پیالوں میں چھلکتی ہے نگر میں رات بھر
 یہ نگر دیتا ہے فرزانے کو دیوانے کا نام
 اس نگر کے رہنے والے ہیں نہایت تنگ دل
 پتھروں کی ہر عمارت پتھروں کے بام و در
 برق بھی ٹوٹے تو ان پر کچھ اثر ہوتا نہیں
 اژدھے چنگھاڑتے ہیں اس نگر میں دن تمام
 مرد مہری، کج ادائی، بے نیازی، بے حس
 یہ ہے اک اندھیر نگر جس کو کہ ہے محرم نور
 اے حبیب اے یار اے دیوانے اے مجنوں کے
 آہ جو کچھ تجھ پہ بتی یہ نگر ہے جانتا
 میری خاطر ہی گیا جب شہر سے تو ہوئے تنگ
 کر دیا اس شہر نے ہی تیرا جامہ تار تار
 تو نے جس دن کر دیا بستی کی اس دنیا کو عاق
 کیا محبت کرنے والوں کا مقدر ہے فراق
 اس میں بسے آگئے ہیں جانے کس بستی کے لوگ
 اس نگر کے مرد سب نامرد ہیں گلفام ہی سے
 اک کڑی سی دھوپ میں ہیں اس کھسار بام و در
 شہر کے معیار کیا ہیں قبر کے مینار، سیسے - !
 اس نگر کے لب پہ کب آتی ہے کوئی بھی نغاں
 بادِ نسیم آگیاں سنکتی ہے نگر میں رات بھر
 اور پھر لیتا ہے دیوانے سے بھر پور انتقام
 ترش رو، بے اعتنا، کم ظرف، حاسد، نگدل
 پتھروں کے ان کے سینے پتھروں کے دل جگر
 چاہے کچھ ہو دل کا تابندہ شرر ہوتا نہیں
 اک قوس میں مبتلا ہیں اس نگر کے خاص دعاء
 ان عناصر سے بنی ہے اس نگر کی زندگی
 کون بتلائے کسے بتلائے کس کا ہے قصور
 اب سے گا کون آخر چاک دامان کو ترس
 میری خاطر ہی تو خاکِ دشت تو ہے چھانا
 جھجھ کر دوں نے شہر کے برساتا تجھ پر خستہ و رنگ
 تیرا جامہ تھا بلا شک بیش قیمت، زر نگار
 تیرا جھوٹوں اور بڑوں سب نے اڑایا تھا مذاق
 کیا دلِ عشاق کی تقدیر ہے دیراں اُطاق

آج تک میری سمجھ میں کیوں یہ بات آئی نہیں
 کون سی شے کی کمی تھی آہ تیری ذات میں
 اس میں شک ہے محبت ہے جہاں میں پاکشہ
 دو مقدس دل جو ملتے ہیں کہیں دینا سے دور
 جب بھی ملتے ہیں کہیں عشاق دوزیر فلک
 دیکھتے ہیں چھپ کے اکثر چاند تارے بھی انہیں
 کس قدر منظر یہ پاکیزہ ہے کوئی کیا کہے
 وجہ تب کیا ہے کہ نفرت ان سے کرتا ہے سماج
 اس طریقے سے کہ بودیتا ہے وہ نفرت کی بیج
 ساتھ مل کر ہی دھڑکنے کی جگہ بھر دو دل
 لے نگر والو ذرا یہ بھی تماشا دیکھ لو
 یاد اُمس دن کی دلائیں آج ہم تم کو اگر
 کہے اس کے دوش پر ہی اس کی اپنی زندہ لاش
 شرم سے ہوگی تمہیں خواہش نہیں کچھ شک میں

ابیات

بشر والو آؤ تم سب قس عاقر سے ملو
 شہر سے اس کو نکالا جانے کیا دے کر زینہ
 میں تمہارے سامنے سرخیل عشاقان دہر
 کتنا کثیرہ دن تھا جس دن اس کا سپکھونڈا
 جس پہ تم نے متصل وہ سنگ برسا کہ بس
 تم نے اس کو باغ ایسے سبز دکھلائے کہ بس
 دے دیئے دشنام اس کو جو بھی یاد آئے کہ بس
 اس کے سورج آہ اُمس دن ایسے گہنائے کہ بس

دے کے جبل چمک پھیریاں دھوکے دغا، عتوڑ پ
 تم نے مارا آہ اسکو کن گذرگا ہوں کے بیچ
 برہنہ اسکو کیا پھر کھال اس کی کھینچ لے
 فصل گل میں تم نے کیا اچھا کیا یہ اہتمام
 پھیر دی تیغ جفا معصوم کے حلقوم پیر
 کون سا بدلہ لیا تھا اس سے اس دن اہل شہر
 آج تک بھی اس کے ہونٹوں پر تبسم ہے حرام
 اس کی آنکھوں کا رداں ہے اک مثل جوئے خوں
 خوب کی خاطر تواضع تم نے اک مجبور کھے
 بحر کا حنظل تھا اُن میں بے بسی کا زہر تھا
 دار پر گر رقص کر داتے تو کوئی بات تھی ،
 تم بھی کیا تھے بھائی یوسف کے ، کر اپنے بھائی کو
 اس قدر اذراں نہ تھا خونِ دنا بازار میں

جو برستے ہیں نہ کھلتے ہیں عجب ہے ماجرا
 تیغ کرنے ہی کو تھا جلا د اپنی بے نیام
 ن کے رخ کے گل کدے پر چھا گئی ہے اک خزاں
 تھا تمہارا اور کچھ میرے بزرگوں کا قصور
 شمع ، پروانے کے تن کے بال و پر کا ذکر کیا
 آسمانِ دل پہ اس کے ابروہ چھائے کہ بس
 تم اُدھر جا کر مے اک حکم دے آئے کہ بس
 اس کے رخساروں کے گل اس طرح کھلائے کہ بس
 خون کے آنسو مجھے بھی ایسے پلوائے کہ بس !
 آہ خاکستر بھی اس کی ایسے جل جائے کہ بس

مکتی اٹھان ایسی کہ جیسے صبح دم سورج ولے ایک کھرے میں سمٹ کر ایسے دھندلائے کہ بس

آج تک سائے میں تھے تم کتنے اطمینان سے
تھی یہ کب امید لیکن آخر کار آگئے
داد کے قابل نہیں انعام کے قابل ہے کام
آنکھ میں قابل کی جب بیکسر اتر آیا ہونوں
لوٹ کر بھولے ہوئے آتو گئے زندہ ضرور
جسم پر اس بے نوا کے ایک بھی چھوڑا تار
اے نگر والو اسے دیکھو جو کچھ تم نے کیا
اس کی قسمت میں صعوبت کے سوا اب کچھ نہیں
جس گھڑی گردن پہ اس کی تھی روایتِ ستم
ایک بھی تم میں سے کر سکتا کوئی اگر احتجاج
سی لیے لب اپنے اس سبتی کی عزتِ بیخ دی
کل بھی تھی اور آج بھی ہے تم میں جرات کی کمی
خیر ماضی کی طرف جانے سے اب کیا فائدہ
چاہنے والے ہمارے نذر صحرایہ ہو گئے
قصہ دل کی جو کل تفسیر لکھی جائے گی
اُس حکایت میں گھلا ہو گا ہمارا ہی لہو (ن)

دھوپ میں چہرے تمہارے ایسے سنولائے کہ بس
انجن میں آ کے تم کچھ ایسے شرمائے کہ بس
اپنے ہی ہاتھوں نشیمن ایسے پھونکے کہ بس
جا کے قتل میں اُسے تب کون کہہ پائے کہ بس
سرگراں، نوحہ کنناں وہ ایسے گھر آئے کہ بس،
اس کو محض سا بنا کے ایسے تم لائے کہ بس!
جرم کیا تھا اس کا جو اس طرح سے بدلایا۔!
دہر کی لعنت ملاحت کے سوا اب کچھ نہیں
ایک بھی تم میں سے کرتا کر کوئی ابرو کو خم
اس کی قسمت میں شامت اس طرح ہوتی نہ آج
تم نے اُس دن بے جھجک اپنی حمیتِ بیخ دی
صاف کہتی ہوں کہ ہے تم میں حمیت کی کمی
کیا نگلے اس کا کریں ہونا تھا جو کچھ ہو گیا
اور ہم بیکس سر بازار رسوا ہو گئے
کل جب اپنے خواب کی تعبیر لکھی جائیگی!
اس کو پڑھ کر توڑ دینگے اہل دل جامِ دسوا!

دونوں ہی سرے سے جل رہی تھیں
 سانچے میں فنا کے ڈھل رہی تھیں
 چھپنے ہی کو تھا ستارہ بخت
 اک نور تھا شہر تابا با لے
 اک زخم تھا دوسرا نمکدالے
 ہستی کو کئے ہوئے فراموش
 دونوں تھے دورا ہے پر نمودار
 مانند دو نقش برد و دیوار
 دو دل تھے مگر تھی ایک آواز!
 دنیا کی ہے آنکھ اب بھی پُرِ نم
 سولی ہی پہ اس کا نکلا تھا دم
 سولی پہ بھی خون بولتا ہے
 لیلیٰ تھی نڈھال قیس پا مال
 باقی تھا بس ایک جی کا جہاں
 تھا سلسلہ طناب و زنجیر
 تقدیر تھی آبدار شمشیر
 نجیر ہوئے جوان اور پیر
 تھی شہر کے رخ پہ اک ندامت

دو شمعیں کہ جو پگھل رہی تھیں
 دونوں ہی مدام گل رہی تھیں
 ہونے ہی کو تھا طلوع کا وقت
 تھے طشت میں دو چراغ تابا لے
 تھا ایک جسد تو دوسرا جاں
 کشکول صفت تھے دونوں خاموش
 خاموش تھے عشق کے دو شہکار
 حیران تھے دونوں نقش اس پار
 دو دن تھے مگر تھا ایک انداز
 مصلوب ہوئے تھے ابن مریم
 حلاج کا بھی جہاں کو ہے غم
 آوازہ حق کا مرتبا ہے
 کچھ دیر رہے وہ دونوں بے حال
 افسانہ ہوا تھا جاہ و اقبال
 آوازہ عشق تھا جہانگیر
 لیلیٰ نے وہاں جو کی تھی تقریر
 شمشیر کے تھے ہزار نجیر
 استادہ تھے سب پُر از خجال

سلی کا سخن تھا تند اور تیز
 مجنوں کے لئے تھا ایک ہمیز
 الفاظ میں اس کے تھی تمازت
 جذبات میں اس کے تھی حرارت

قیس (مرحبا، مرحبا!)

مرحبا! مرے محبوب مرے دل کے قرار
 جو کیا مرے لئے اس کا شکر بسیار
 مجھ کو اک چاہ کی ظلمت سے نکالو
 مرحبا تو نے صداقت کے دکھائے جو ہر
 بد سگالوں کے کلیجے میں اتارا خنجر
 جذبات تو نے عطا ان کو جو کی اک خلعت
 ہر ریا کار کے چہرے پر تھا اور اک چہرا
 اس نگر والوں کے زخموں اٹھایا پر دا
 ان کے زخموں کی قسم تیرے نمک دان کی قسم
 جو بھی کالوں نے سنا آنکھ نے جو کچھ دیکھا
 واقعی میں نے تو ایسا کبھی دیکھا نہ سنا
 شہر کے مردوں کو معلوم ہوا دیر سویر
 دست بستہ ترے آگے ہیں جو انانِ عرب
 آج کی ساعتِ نایاب میں لے جان بہار
 مٹ گیا ہے مرے پہلو کا پرانا آزار
 میرے جذبات کو الفاظ میں ڈھالا تو نے
 کاٹ کر رکھ دیئے دجالوں کے تو نے لشکر
 ہرستم کیش کو رسوا کیا چورا ہے پر!
 یاد رکھینے کے سدا آج کا دن بد طینت
 رخ جو اصلی تھا کبھی سامنے آتا ہی نہ تھا
 تو نے، اور پھر وہ عفو نہ تھی، نخل تھے کیا
 اب تسلی ہی سے جائینگے تری بزم سے ہم
 اس کو میں یوں بھی کہوں سامنے جو کچھ بھی ہوا
 دوس جو تو نے دیا وہ نہ کبھی بھولے گا
 زن بھی ہو سکتی ہے اک شیر کی مانند دیر
 مر تسلیم کے خم میں شجاعانِ عرب

تیرے اعزاز کو داہیں دردا دیوانِ عرب
 غلغلہ دہریں ہے تیری صف آرائی کا
 مجھ کو بھی علم ہے اس بات کا لے میر حبیب
 اس علاقے میں نہ تھا تیرے سوا کوئی طبیب
 آہ کیا کیا ستم و جور ہے ہیں میں نے
 تجھ کو بھی علم ہے تھے تیرے بدلے الطاف
 اپنی بیٹی ہی سے اے کاش وہ کرتے انصاف
 اپنے ہی خون پہ وہ ظلم کیا سید نے
 اور اب حال یہ ہے غم کے گھٹے گھٹے ہیں
 ہم بہت دور بہت دور نکل آئے ہیں
 ہم تو آزار کے باد صاف پریشان نہیں
 کتنے ہی نقش ہیں اس تن پہ ستم گاری کے
 زخم ہیں کتنے ہی آلام کے اور خواری کے
 اک نئی طرح تو اضع کی ہے ڈالی ہم نے
 تو نے اے سیم بدن خود کے جو حالات کہے
 میرے بارے میں جو کچھ خیر کے کلمات کہے
 اور گرتی یہ سوغات نہیں تو کیا ہے

تو کہ ہے جانِ عرب آں عربِ شانِ عرب
 سرگردوں بھی ہے چرچا تری دارائی کا
 تو مقدر میں نہ تھی میرے نہ تھی میرا نصیب!
 میری بیماری کا جو میرے لئے تھی تادیب
 دل کا جو رنگ ہوا تجھ پہ عیاں ہے کب سے
 اپنے الحاق کے تھے حد سے زیادہ خلاف
 ان کو آج اپنی محبت نہیں کر سکتی معاف
 آئشیاں بھونک دیے ان کی غلط اک صف
 اپنی ہستی پہ زمانے نے ستم ڈھائے ہیں
 ہم کو دیرانے کے آرام بہت بھائے ہیں
 جو بھی کچھ ہم نے کیا اس پہ پشیمان نہیں!
 گھاؤ کتنے ہیں عیاں دہری عیاری کے
 ہم بہر حال ہیں پابند ردا داری کے
 یعنی ہر شخص سے کی خیر سگالی ہم نے
 کچھ نگاہوں سے کہا اور کچھ ابیات کہے
 دل کو اصرار ہے ان کو تری سوغات کہے
 حسن کی تیرے یہ خیرات نہیں تو کیا ہے!

شکوئے کے لئے الفاظ نہیں پاس کرے
 متوقع ہوں قریب آئیگی کچھ تو دل کے
 آقریب آکر نگاہوں میں بسا لوں تجھ کو
 ابھی جا توڑ کے بے سود روایات کے جال
 یوں تو میں کام بہت تجھ کو بہت میں شغال
 عاشقوں کے لئے لے جان جہاں اچھا ہے
 رات کے بعد یہ سیارے رہیں یا نہ رہیں
 غم کے مارے ہوئے بیچارے رہیں یا نہ رہیں
 ابھی جا اب بھی ان آنکھوں میں ضیاء باقی ہے
 میری دلبر مری دلدار مرے دل آرام
 زندگی قصہ پارینہ رہی میری دمدام
 نہ مرے پر تھی تو اکیونکہ فضا تھی مسموم
 فتنہ دہرنے ہر طرح کیا خانہ خراب
 ایک زنداں میں نظر بند رہا میرا شباب
 آہ کیا کیا نہ ستم مجھ پر زمانے نے کئے
 تن پہ اک تار بھی لے جان کہاں ہے باقی
 اب بھی ہے وقت کہ اب بھی یہ جہاں ہے باقی
 اس لئے کیوں نہ ملیں ابر کے سائے کے تلے

مسجد میں مرے جذبات بتاؤں کیسے
 جز نگہ اور کوئی حاصل نہ رہینگے پردے
 اپنی پلکوں کے کناروں پہ سبجالوں تجھ کو
 ان کو قدموں کے تلے روند دے کر دے پامال
 ہند کے ایک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال
 کل تلک تھا جو نہاں اب وہ عیاں اچھا
 کیا خبر ہے کہ یہ نظارے رہیں یا نہ رہیں
 کچھ رہیں بھی جو اگر سارے رہیں یا نہ رہیں
 آج بھی تیرے لئے ان میں ادا باقی ہے
 تجھ کو ہے علم زمانے نے دیے جو الزام
 آہ اس دل نے اٹھائے ہیں ہزاروں آلام
 لے تھی غمیگن مری کیونکہ نوا تھی معنوم
 اس جگر خوں پہ دہا ہر کس دن کس کا عذاب
 روشنی مل نہ سکی بڑھ نہ سکا دل کی کتاب
 میں نے وہ ظلم خموشی سے ہے تیرے لئے
 لیکن اس لیے یہ مرے ایک نغماں ہے باقی
 یعنی اک سلسلہ سود و دنیاں ہے باقی ہے
 رات کو چرخ پہ جب چاند کی قندیل جلے

ختم جب ہو ہی چکا ہے یہ ہمارا بن باس
 سستے آئے ہیں ہر اک طرح کی اب تک بچاؤں
 کس میں ہمت ہے ہیں اب کوئی رد کے تو سہی
 ہم ملینگے کہیں لالے کے شفق زاروں میں
 شام کستوری سے مہکے ہوئے گلزاروں میں
 شام جاتی ہے تو پھر رات جواں ہوتی ہے
 ہم ملینگے کبھی اک کچھ جن میں اے یار
 یا کبھی ہونگے کسی وادی گل میں سرشار
 دودھ دھڑکتے ہوئے دل ملتے رہینگے میم
 ہم ملینگے کبھی آذر کے صنم خانوں میں
 یا تو رنگین سی اک قوس کے ایوانوں میں
 ہر ملاقات کی ہر رات ہنساری ہوگی
 ہم ملینگے کبھی اک انجن زیاہ میں
 غوطہ زن یا تو کبھی شوق کے اک دریا میں
 بس اسی طرح ملاقات چلی جائیگی
 ہم ملینگے کبھی گلشن کی خنک خلوت میں
 اور کبھی صبح کو سورج کی حسین ساعت میں
 ایک جب ہونگے تو مٹ جائیگا یہ نقشِ دلی

اس لئے کیوں نہ ملیں کیوں نہ بھالیں ہم پیاس
 ہم ملینگے سر بازار بلا خوف دہرا س
 روکنا دور رہا اب کوئی ٹوٹ کے تو سہی !
 یا تو پھر بادِ سحر گاہ کے طیاروں میں
 یا کبھی رات چمکتے ہوئے ستاروں میں
 جو خلش دل کی ہے وہ سیر کہاں ہوتی ہے
 یا تو ہو جائینگے بادل کی سواری کے سوار
 ہم ملاقات مسلسل سے نہ ہونگے سبزار
 ایک نے ہوگی تو پھر ایک ہی ہوگا سرگم !
 یا کبھی حافظ شیراز کے دیوانوں میں !
 ہم لگانے ہیں ملینگے کبھی بیگانوں میں
 اک خوشی اپنے شبستان پہ طاری ہوگی !
 یا کبھی عشق کے تپتے ہوئے اک صحرا میں
 ہم ہیں انساں ہمیں ملنا ہے اسی دنیا میں
 وجہ ناسازی حالات چلی جائیگی
 یعنی انساں کی بنائی ہوئی اس جنت میں
 بے حجابانہ کبھی شوق کی کیفیت میں
 ساعت وصل میں باقی نہ رہیگی دوری

ہم ملینگے کبھی ساحل پر کسی دریا کے
 ہم فرشتے نہیں انسان ہیں اس دنیا کے
 تم جب آؤ گی تو اک سحر میں کھو جائی گے
 آؤ اس بار ذرا کوئے سلامت میں ملیں
 اب نہیں ڈر کسی داروغہ کا جلوت میں ملیں
 دقت اپنا ہے تو یہ شام و سحر اپنے ہیے
 آج اس شہر کے بدنام خیاباں میں ملیں
 یا تو پھر ہم کسی معتبوب بیاباں میں ملیں
 مینہ جو برسنا تو ہوا ختم تمازت کا ستم
 آؤ اک چشمہ ظلمات کا ہم پائیں سراغ
 نافہر مشک کے ایوان میں مہکائیں دماغ
 زندگی بھر نہ جدا ہونے کی کھائیں سو گند
 آؤ محفل میں کریں حرفِ غزل کا آغاز
 کھٹکھٹائیں گل و بلبل کا دراز و نیاز
 دیر تک عشق کی بس سلسلہ جنباں ہو
 آؤ دیوانے کی زنجیر ہلا کر دیکھیں
 جلد صبح میں شبیم کو جگا کر دیکھیں
 قمری رنگ سے دہکائیں شفق کی محراب
 یا کبھی کوہ کے ٹیلے پر کسی صحرا کے
 اس لئے بھول کے کچھ دیر کو غم عقبی کے
 ہم جو تھک جائیں گے کچھ دیر کو سو جائیں گے
 یا چلو کوچہ و بازارِ نصیحت میں ملیں —
 دقت اپنا ہے تو کس وجہ سے عجلت میں ملیں
 صرف اک ارض نہیں شمس و قمر اپنے ہیں
 فضلِ گل آئی ہے اس بار گستاں میں ملیں
 یا چلو در در کہیں شہرِ غزالاں میں ملیں
 ابر چھایا تو ہوئے وصل کے سامان ہم
 تیرگی دور ہو اور راہ میں جل جائیں چراغ
 مست آنکھوں کے خرابات میں چھلکائیں ایارغ
 آؤ اس پاک محبت کی اٹھائیں سو گند
 آؤ مل جل کے کریں عیش و طرب کا دربار
 سیکھ لیں ان سے محبت کا نرالا انداز
 اب کبھی وصل سے ہم کو نہ پشیمانی ہو
 اک نیا گل گل محراب میں کھلا کر دیکھیں
 ناز و انداز کے طوفان اٹھا کر دیکھیں
 منتشر کر دیں فضاؤں میں فقط رنگِ گلاب

ساز پر رقص کریں موم دل سنگ کریں
 آداب اپنی محبت کے لئے جنگ کریں
 کاٹ کر پھینک دیں جو راہ میں خاناکا آئیں
 آؤ ہر زہر بھرا جام اٹھا کر پی لیں
 لب نہ لب سینہ نہ سینہ سر مقل جی لیں
 جھمنے ہم کو سر بازار کیا تھا رسوا
 ضرب گرفتہ ایام کی کاری ہے تو کیا
 تشنگی آج بھی تقدیر ہماری ہے تو کیا
 گر ہیں مضبوط - محبت کے یہ عہد و پیمان
 ہم جیسے جائینگے جینا رکن و دار سہمی
 سم پیسے جائینگے رسوا سر بازار سہمی
 گریو نہی ساتھ ہو تیرے زرخ روشن کا چراغ

دانش ان گو

نکلے پس ہزار اشک مجنوں
 حالت تھی غریب کی دگر گوں
 آنسو نہ ہو گناہ سحر
 تھا دشت ہی اس کا پھر ٹھکانا

فطرت گل سے اسے آؤ ہم آہنگ کر دیے
 طے اسی طرح رہ عشق کے فرہنگ کریں
 تیغ پر تو لیں اگر دشمن ناپاک آئیں
 جتنے بھی چاک قبا میں ہیں انہیں ہم سی لیں
 انتقام آؤ ہر اس مجروح و مفسد سے لیں
 جس نے مشہور کیا تھا کہ ہمیں ہے سودا
 غم رنگ دپے میں اگر جاری دساری ہے تو کیا
 ہم یہ الزام کوئی آج بھی بھاری ہے تو کیا
 ہم بڑھے جائینگے ٹھکرا کے ہر اک سنگ گراں
 لب سے جائینگے تقدیر میں آزار سہمی
 سر کئے جائینگے اے جاں بہ دوار سہمی
 اک نہ اک دن ہمیں مل جائیگا منزل کا سراپا

تھے اشک ہزار دُرِ مکنون
 دل زار دُزار اور جگر خوں
 لی اسنے تھی اس کو چاہ صبرا
 ہمراہ تھی گردِ شمس زما نا

جاتا تھا جدھر بھی وہ دوانا
 لیلیٰ ہی کا نام تھا لبوں پر
 تھا وقفِ غرام ہی مسلسل
 باراں میں ہو جس طرح سے بادل
 پھرتا تھا وہ آسیا کی مانند
 کچھ دن یونہی اس کے اور گزرے
 بے فیض تھے زندگی کے لمحے
 اک روز یونہی زراہِ صحرا
 اک وقت جو تھی بہارِ خنداں
 گوشِ حیات تھی فروزاں
 الزام تھی خود پہ اس کی ہستی
 صادق تھا طلب جو پھر سے یکبار
 تھا محوِ تاشا سا بازار
 تھا عشق جو پاکبازان کا
 شہوت ہے حریمِ عشق سے دور
 اک صاعقہ، اک ستارہٴ نور
 دونوں اسی عشق کے تھے پنجیر
 عاشق کو غرض سے کام کب ہے
 لب پر تھا فقط وہی ترانا
 تھا اس کے سوانہ کچھ بھی ازہر
 رکتا ہی نہ تھا کہیں بھی اک پل
 دل اور دماغ دونوں تھے شل
 ہر سمت تھا وہ ضیا کی مانند
 بے نیلِ حرام ہنستے روتے !
 تھے دل پہ دباؤ ہر طرح کے !
 لیلیٰ کے نگر وہ پھر سے پہونچا
 دیکھا کہ تھی وہ بھی چاک داماں
 بچنے کو مگر تھی شاہِ خواہاں !
 آلام سے وہ درق درق تھے
 دونوں ہی گٹھے ملے پدیدار !
 مدہوش تھے دونوں، دونوں ہشیار
 یہ وصل کا تھا جواز ان کا
 ہے عشق حضورِ فیضِ کنجور
 وہ جس کی جھلک تھی برسرِ طور
 تھا ایک ہدف تو دوسرا تیر
 جزِ عشق اُسے دوام کب ہے

پردائے نمود و نام کب ہے عاشق کو یہ اہتمام کب ہے
 جس دم ہو غرض ہو کس ہی در آئے جب آئے ہو کس تو عشق اٹھ جائے
 ہے عشق کی راہ صدق کسے راہ جس میں ہے فقط جیب کی چاہ
 جس طرح سے کہ چودھویں کو ہواہ جس میں نہیں کوئی جبر و اکراہ
 گاتا ہوا اک غزلِ روانہ

پھر سے ہوا دشت کو روانہ

دنیا کے محیط جا وداں ہیں اس میں تو نہنگِ جاں ستاں ہیں
 اس کے تو حصار بے کراں ہیں اس میں تو گماں کے کارواں ہیں
 دنیا کو کوئی سمجھ نہ پایا ہے دھوپ کبھی، کبھی تو سایا
 لیلیٰ تھی شکستہ دل بچاری بس ٹوٹ گئی تھی غم کی ماری
 سینے پہ لگا تھا زخمِ کاری یوں عمر گزر گئی تھی ساری
 آخر کو وہ ایک دن بھی آیا لیلیٰ کو جب آگیا بلا ودا
 تب مجھ گئی اس کی شمع ہستی مدت سے جو شمع جل رہی تھی
 باقی ہی رہی نہ اس میں باقی رخ پر تھی عیاں تکان ساری
 لیلیٰ ہوئی اُس جہاں کو عازم جانا ہے جہاں سبھی کو لازم
 دراصل یہ امر واقعہ تھا لیلیٰ کی وفاتِ سانحہ تھا
 یا فکر کو ایک زاویہ تھا یا ایک عظیم المیہ تھا
 ہر آنکھ ہوئی تھی جس سے پُرِ غم ہر گھر میں تھا اُس پری کا ماتم

اٹھے کئی شاہ اس جہاں سے
 چھوٹے وہ جہاں کے امتحاں سے
 خسرو ہو کہ کیقتباد یا جسم
 اربابِ خرد نے کتنا چاہا
 اس باب میں سب نے مل کے سوچا
 ہے آج بھی موت اک پھیلی
 تھے شہر کے لوگ کھوئے کھوئے
 آزرده تھے تلخ تلخ روئے
 اُس رات کی چاندنی سیہ تھی
 اوڑھے ہوئے اک بسیاہ کلی
 شبنم بھی تو آنسوؤں سے تر تھی
 اک شہرِ رنگارنگ رہا تھکا
 اُس صبح جو زید اُدھر سے گزرا
 خاموش ہوا چراغِ لیلی
 پہنچا وہ سبک قدم بیاباں
 خاموش کبھی کبھی ہراساں
 تھا قیس ادا اس سر بزا نو
 گریاں گریاں ہی زید پہونچا
 جانا ہی پڑا انہیں یہاں سے
 یعنی کہ فسادِ ایں دآں سے
 دنیا سے اُٹھے مثالِ شبنم !
 واہو کسی طرح سے یہ عقد
 حل کوئی مگر نکل نہ پایا
 انسان یہ دسترس ہے اس کی
 اُس رات وہ ایک پل نہ سوئے
 اشکوں سے دلوں کے داغ دھوئے
 روتی رہی غم سے کہکشاں بھی
 تھی رات بھی سوگ ہی میں ڈوبی
 وہ رات سبھی کی غم میں گزری
 کیا زار و قطارِ رورہا تھا
 ہر شخص نے تب کیا یہ چہر چا
 لی اُس نے شتاب راہِ صحرا
 جو دل کے ہمو سے تھا فروزاں
 از دیدہ چو خوں سر شک ریزاں
 سینے میں سناں، جگو میں چاقو
 اور قیس کے پاس آن بیٹھا

رخسار کا رنگ اڑ گیا تھا چہرے کا چمن تھا پیلا پیلا
غناک دغوش تھا بچارا اصرار سے قیس نے یہ پوچھا

(کیا سبب ہے)

قیس

زید یہ حال کیا بنا یا ہے بعد مدت کے تو جو آیا ہے
کچھ تو کہہ لچھ تو بول کچھ تو بتا حال تیرا یہ کس طرح سے ہوا
تجھ کو کیوں اس قدر ہے پائا ادب جاننا چاہتا ہوں اُس کا سبب
کس لئے آج چشم تر ہے تری آج خوننا ب کیوں نظر ہے تری
کیوں جگر خوں ہوا ہے یوں تیرا تیرگی نے ہے کیوں تجھے گھیرا !
اس طرح پاش پاش کیوں دل ہے اس طرح قاش قاش کیوں دل ہے؟
کس لئے ہے یہ گریہ و زاری دل پہ کیسی یہ ضرب ہے کاری
ترے رخسار آج کیوں ہیں تباہ اس طرح کیوں ہے تیرا حال سیاہ
ساز آواز سے ہے کیوں محروم بال پرداز سے ہے کیوں محروم
تیغ سی دل میں اک ترا ند ہے پارا پارا آج کیوں تو ہے؟
دامن چاک چاک ہے کیا در بدر سرخاک ہے کیسا !
دل پریشاں ہے لب پہ آہیں ہیں کتنی غناک سی نگاہیں ہیرے
عشق میں پھسکر مبتلا تو نہیں پھر اُسی غم کا سلسلہ تو نہیں؟
زخم مجھ کو دکھا دے بر خور دار جو بھی بیٹی بتا دے بر خور دار

(آہ کس منہ سے کہوں)

زید

پوچھتے ہیں آپ مجھ سے کس لئے روتا ہوں
 یہ نوازش کیا اسی صبا مے مرد افکن کی ہے
 جسکو اس دنیا مے فانی نے دیا ہے نام عشق
 کیوں لبوں پر اک تبسم کی کرن تک بھی نہیں
 دیکھ کر اس حال میں مجھ کو جو سوچا آپ نے
 ہے بہت افسوس اس کا مجھ کو لے عالی جنا
 جب سینکے آپ کیا کچھ پہ گیا سیلاب میں
 آپ کو معلوم جب ہو گا کہ محشر تھا عظیم
 آہ جلا دلفک کے ایک کاری دار میں
 ایک پل میں کیا ہوا، کیسے ہوا کیونکر ہوا؟
 کس سے کہہ دیں کس طرح کہہ دیں شہ در دل
 جب سینکے آپ وہ افسانہ خونیں حضور
 آپ کی آنکھوں سے اک دریا رواں ہو جا گا
 تھام لیں اب آپ اپنے دل کو دڑو ہات سے
 جو خبر میں آج کی ساعت میں لایا ہو یہاں
 زلیت کا عنوان یکسر کا عدم ہو جائیگا

آنسوؤں کے گوہر نایاب کیوں کھوتا ہوں
 یہ عنایت کیا اس ہنگامہ جو دھڑکن کی ہے
 کیا کہیں پھر ہو گیا ہوں میں اسیرِ ام عشق؟
 مبتلا مے عشق پھر سے ہو گیا ہوں کیا کہیں؟
 بات کو جس زاویے سے آج دیکھا آپ نے!
 دشت میں جو کچھ بھی دیکھا آپ نے ہے وہ سربا
 آپ نے وہ حشر دیکھا بھی نہ ہو گا خواب میں
 اور اُس طوفاں میں کیسے ہو گیا کوئی دہن!
 سہل کیسے ہو گئیں اک بے نوا کی فطیل۔!
 کیا سناؤں آپ کو وہ روح فرسا ماجرا!
 دل کہاں باقی ہے بس باقی ہے اک تھکر کی ریل
 آپ کے دل پر لگیگی ضرب اک کاری ضرور
 زندگانی کا ہر اک پل خونچکاں ہو جائیگا
 ہے خطر کوئی تو ہے وہ آپ کے جذبات سے
 آپ ہوں گے اس خبر کا سن کے پیسم نوحہ خواں
 اک صنم خانہ سرا سر بے صنم ہو جائیگا!

بخت ہے برگشتہ ہے آشفۃ سر دنیاے دد
 ایک جھڑنا پھوٹ نکلا ہے ذیل سے بے درنگ
 کوکھ سے اس کے نکل آئی ہے مرگ ناگہاں
 جس کی ٹھوکر میں سریر و تاج و دستار دکلاہ
 خواہ کوئی خوش ادا ہو یا کہ کوئی خوش نوا
 اس جہاں کے روز و شب پر آہ حادثی و حاتم
 عام انساں ہو کوئی یا ہو کوئی عالی جناب
 موت کے نزدیک کب تخصیص خاص و عام ہے
 موت کرتی ہی نہیں ہے امتیاز رنگ و خوں
 موت کی دستک تو ہے ہر گاہ و گمیش شہر میں
 زندگی کی کشمکش کا موت ہی انجام ہے
 الغرض میں نے یہ سب کہنے کی گستاخی جو کی
 برسرِ مطلب میں اب آؤں ذرا تھا میں جگر
 مدتوں تک آپ نے اس دشت کی چھائی چاک
 جو خبر لایا ہوں میں وہ ہے نہایت پر ملال
 وہ خبر سنکر یہاں اک زلزلہ آجائے گا
 بجلیاں کرکے کینگی ، طوفان آئے گا برسیں گے سنگ
 وہ خبر سنکر اٹھیکگی ایک آندھی ہولناک

آج کے دن آسماں کا بھی ہے کاسہ واژگوں
 آب ہے جس کا یہ شیرنگ جیسے رنگ رنگ
 زندگی ہے جس کے آگے سرگراں ، نوحہ کنان
 جس کی زد میں اس زمین کے خوبصورت مہر و ما
 ہو کوئی مہتاب آسایا کوئی زریں قبا
 دام میں اس کے ہے اس دنیا کا ہر اک ذی حیات
 ہے حائل ہر نگلے میں موت کی ابدی طناب
 زندگی آغاز ہے تو موت اک انجام ہے
 اس کے آگے ایک ہیں اہل خرد اہل جنوں
 رستگاری اس سے ہو سکتی نہیں ہے دہر میں
 خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
 ہے نہاں اس امر میں دراصل سرِ زندگی
 کر رہا ہوں اب جناب من یہ قصہ مختصر
 اپنے قدموں ہی سے کرتے آئے ہیں آپ کو پاکی
 جس کو سنکر آپ ہو جائیگے از حد پائمال
 ابرِ ظلمت ہر طرف اس دشت پر چھا جائیگا
 ذرے ذرے سے لہو ٹپکیگا بے بیم و درنگ
 اس بیاباں کی قبا ہو جائیگی پس چاک چاک

دن میں ہو گا وہ اندھیرا مہر گنا جائیگا
 آج اس خطے پہ اک بھاری تباہی آئیگی
 خارِ صحرا پر لگیگی آج ایسی روک ٹوک
 دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں بچوں لے آئیں گے
 ذرے ذرے پر یہاں کے آج چھا جاکا تھر
 دھول اڑیگی، لوجھیلی، ہر نشان مٹ جائیگا
 حال کیا اپنا کریگی دیکھنا بادِ سحر
 قطرہ قطرہ لالہِ صحرا سے ٹپکیگا لبو
 سنگ خارہ کو لگیگی آندھیوں کی ٹھو کریں
 رنج در آئیگا یکسر آپ کے ایوان میں
 غولِ صحرائی کرینگے راج آزادی کے ساتھ
 محو، گردِ دشت میں ہر کا زواں ہو جائیگا
 شورِ مصر صری میں ضم ہو جائیگی بانگِ درا
 دشت میں بے راہ بھٹکیگا ہر اک صحرا نورد
 قافلے والوں کی بڑھ جائیگی بھوک اور تشنگی
 ٹوٹ کر گر جائیگی صحرا کی ہر شاخ نہال
 آبلے روئیں گے مل کر خار سے یکسر لگے
 مستقل اڑتی رہیگی ہر طرف صحرا میں ریت

تاجِ زریں اس سے تب ہرگز نہ پہنا جائیگا
 اوس تشنہ بادِیے سے بے صدا ٹھ جائیگی
 تیز کرنی بھول جائیگا وہ یکسر اپنی نوک
 اپنا سر پٹکیں گے کوہستان سے ٹکرائیں گے
 ان عناصر سے یہاں رگ رگ میں بھر جاکا زہر
 آج ہر اندیشہ سود و زیاں مٹ جائیگا
 اپنے ہی عارض پہ ماریگی طپانچے بے خطر!
 میکدے میں توڑ دینگے مہیجے جامِ دسو
 موت لینے خار اپنی تیغ اپنے ہاتھ میں
 سردِ ہینکا آپ کے حجرے کے نخلستان میں
 خون سے پھولوں کے وہ رنگیں کرینگے اپنے ہاتھ
 راہ گم ہو جائیگی ہر راستہ کھوج جائیگا
 قافلے والوں کی گونجیگی مگر آہ دُکا
 خواہشِ منزل ہر اک سینے میں ہو جائیگی سرد
 قافلہ لار کر لیگا کہیں پر خود کشی
 ہر شجر ہو جائے گا اس دشت میں غم سے نہال
 جب سینے میں خبر کو دشت میں وہ دن دھلا
 درد ہی کو بس اگا ئیگا سیہ صحرا کا کھیت

زید تجھ سے مجھے امید نہیں تھی ایسی
 کیا حقیقت ہے کہ لیلیٰ مری دنیا میں نہیں
 کیا یہ سچ ہے کہ اجل نے اسے چھینا مجھ سے
 تو نے لائی جو خبر ٹھیک ہی لائی ہو گے
 اس کو اس دہر کا دستور نہ بھایا ہو گا
 کیا قیامت ہے خموشی کو نوا کہتے ہیں
 اک عجب چیز ہے انسان کی فطرت کا تضاد
 اس میں کیا شک ہے کہ ہم ہار گئے ہیں باز
 ہم کو افسوس ہے اس آہیں پائی دنیا
 آج جو میری حکایت میں ملنی ایسی
 ایک بھی یار نہیں ایک بھی دلدار نہیں
 میرے دل کا وہ کماندہ بہت درد گیا
 بجھ گیا قلب مگر ایک دھواں باقی ہے
 قافلہ جا بھی چکا بس نظر آتا ہے غبار
 انجمن میں وہ مرا انجمن آرا نہ رہا
 دل کی آشفۃ سری کا تو وہی عالم ہے
 اک عجب موڑ پہ آئی ہے ہمیں لے کے حیات
 اتنا آساں تو نہیں سُم کوئی پی کر دیکھے
 اک خبر لائیگا تو لایا ہے اس دم جیسی
 تجھ کو دھوکا نہ دیا ہو کسی دشمن نے کہیں
 یہ حقیقت ہے تو اب اور کہوں کیا تجھ سے
 اُس نے جنت کہیں اب اور بسائی ہو گی
 اس لئے اُس نے نگر اور بسایا ہو گا
 ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
 اس کو دیتا ہے گلا جو ہے مجسم جلا د
 نہ شہادت ہی ملی اور نہ بنے ہم غازی
 اس آنے کے لئے ویسے یہاں کچھ بھی نہ تھا
 جانتا ہے کہ ادھر بیت رہی ہے کیسی
 ہاں یہی سچ ہے کہ مجھ کو کوئی آزار نہیں
 میرا وہ قافلہ سالار بہت درد گیا
 شمع کے بجھنے کا اتنا ہی نشان باقی ہے
 اور پس ماندوں کا بھی رختِ سفر ہے تیار
 بات اب کس سے کروں بات کا یار نہ رہا
 شرر و شعلہ بھی اس دل کے لئے شبنم ہے
 بجھ گئی آتش دل سرد ہوئے ہیں جذبات
 جیسے ہم جیتے ہیں ویسے کوئی جی کر دیکھے

اس طرح سے کوئی جی لے تو جگر خوں ہوگا نہ ہر غم پیتے ہوئے حال دگر گوں ہوگا
 جب رگ دپے میں اتر آئی گنا زرا برا الم لذت کام و دہن شکوہ کی یگی اُس دم
 راستہ خود ہی بنا لیتی ہے برق اپنے لئے تیرہ راتوں میں جلا لیتی ہے خود اپنے دیئے
 جب وہ گرتی ہے تو خود آپ بھی مٹ جاتی ہے اپنے مولد کی طرف لوٹ کہاں پاتی ہے !
 میں بھی تو برق کی مانند ہی اک عنصر ہوں برق آہمی تو ہے میری صفت گونا گوں
 حیف اک برق کا شانہ چٹنا میرا ہی دیکھتے دیکھتے گھر بھر تک دیا میرا ہی
 دل کو لینا ہو تو بس ایک نظر کافی ہے مور بے پر کے لئے ایک شرر کافی ہے
 طرف کو دیکھ کے خوننا بہ دیا جاتا ہے کہیں کمزور سے تا دان لیا جاتا ہے ؟
 تیز ہے گردش در داں تو میں ہم مست رہا لاکھ لوفان ہو ساحل ہے ہمارا پایا یا ب
 ایک ادنیٰ سے پتنگ کو جلانے کے لئے اہتمام اثنا بڑا اسکو مٹانے کے لئے !
 ایک آہوئے بیک سیر کے کرنے کو ہلاک تھانہ لازم کہ در آتا کوئی چیتا چالاک
 گل تو ہو جاتا تھا گلزار میں خود ہی پامال کیا ضروری تھا کہ تکلیف اٹھاتا بھونچال
 چند لمحات تھے جب قطرۂ شبنم کا نصیب کس لئے مہرنے کی آن کے اس کی تادیب
 عنکبوت سبک اندام کے دینے کو سزا کیا ضروری تھا کہ تکلیف اٹھاتی پروا
 ایک تتلی پہ ستم ڈھانے کو کرنے کو اسیر کب ضروری تھا کہ آتا کوئی صیاد شریر
 ہو نہیں سکتی تھی خرگوش کی ایسی ہمت اپنے صیاد کے منہ آنے کی کرتا نیست
 آتش شمع کو زحمت ہی ہوئی روزانہ اپنی ہی آگ میں جل جاتا تھا خود پروا نہ
 آتش گل کو بجھانے کی نہیں تھی حاجت کیوں خزاں نے یہ دیکھا اس میں اٹھو اٹھو

زلزلے تو نے تو تکلیف اٹھائی بیکار
 خود ہی جاتا تھا معدوم مرا گھر اس بار
 یہ نہیں پاتے بھلا اپنی یہ جرات کب تھی
 ایسے یلنار کی طوفاں کو ضرورت کب تھی
 لے فلک کیوں سن و دار ہمیں بھجوائے
 کچے دھاگے سے بندھے آتے تھے ہم خود ہی چلے
 بہ چرخ بے وجہ کیا شور صنم خانوں میں
 بجھ ہی جاتی تھی شفق شام کے ایوانوں میں
 ایک جھونکا ہی بکھا سکتا تھا ہم تھے وہ چراغ
 ہم کو معلوم تھا جو بھی تھا ہمارا نقشہ
 تیر، تلوار، تبر، گرز کی حاجت کیا تھی
 ایک ہی چٹکی سے تو ہم کو مہل سکتا تھا
 لے فلک سچ ہے کہ ہم تجھ کو گوارا تو نہ تھے
 پر ترے سامنے ہم مڑ کر آرا تو نہ تھے !

’ قتلِ عا عشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
 پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا ‘

داستان گو

تھا دیدنی قیس کا نظارہ
 تن خستہ تھا جامہ پارہ پارہ
 ماما تھا ستم کا وہ بچارہ
 ٹوٹا ہوا جیسے کوئی تارہ
 اک غم تھا کہ اس کو کھارہا تھا
 خاموش اسے چبا رہا تھا
 گرتا تھا کبھی، کبھی وہ اٹھتا
 مدد کے سبب وہ غم کا مارا
 تصویرِ ملال بن گیا تھا
 تھا اس کی روشِ سراب آسا
 کچھ دیر کے بعد پھر سے سنبھلا
 لیٹا تھا، اٹھا، ہوا روانا

حالت تھی بہت تباہ اسکی
 معدوم ہوئی تھی راہ اس کی
 تھا اس کا جگر الم سے چھلنی
 تھے یار کے اس لب پہ چر پتے
 تربت کے نشان اس کے پوچھے
 جو کچھ اسے زید نے بتایا
 رفتار میں آگئی تھی تیسری
 پہونچے بہ سزا یار فورے
 پہونچا بہ دیار یار دلبر
 منزل پہ پہونچ کے چیں نکلی
 تربت ہی پہ گر پڑا جنونی
 بے آب ہر جس طرح سے ماہی
 بے ہوش ہوا دہاں پہنچ کر
 تقدیر کا تھا ستم سرا سدا
 مجنوں کی طرح ہی غم کے مارے
 سنا تھا دشت و در پہ طاری
 یہ گھاؤ تھا حد سے بڑھ کے کاری
 غم نے وہ کیا تھا حال اس کا

دنیا تھی بہت سیاہ اس کی
 محروم ہوئی تھی چاہ اس کی
 اندوہ فقط تھا اس کا ساتھی
 پس قیس نے زید پر الم سے
 حجرے سے نکل کے چلتے چلتے
 مجنوں نے اسے گرہ میں باندھا
 مجنوں کو بہت تھی اس کی جلدی
 تھی دل کو لگن بس ایک اس کی
 غم دل میں لئے ہوئے نگوں سر
 حالت ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی
 کیا ذکر ہو جو بھی دل پہ گذرے
 کچھ ایسی ہی کیفیت تھی اس کی
 سینے میں اتر چکا تھا خنجر
 یہ خاک پہ خاک کے وہ اندر
 تارے بھی تھے اشک ریز سارے
 اندوہ کی تھی چٹان بھاری
 آنکھوں سے بہہ تھا دل کا جاری
 تصویرِ فغاں ہی بن گیا تھا !

اک روز کے بعد ہوش آیا کچھ غور سے آس پاس دیکھا
 ہر سمت الم ہی حکمراں تھا سناٹے کا ہر طرف تھا بہرا
 قدرے ہوتی کم جو تلخ کامی کرنے لگا قیس خود کلا محص

قیس

(میں کون ہوں کیا ہوں ؟)

بلد بہتارے کوئی میں کون ہوں کیا ہوں
 لگتی ہے یہ اک ادی خاموش جہاں کی
 ہر سمت ہراک سمت یہ کیسا ہے اجھیرا
 ایک گونہ ہے سناٹے کی ہر سمت فضا میں
 تاریک شب دروز تو تاریک مہ وسال
 تارے بھی سیہ پوش نظر سے بھی یہ پوش
 سناٹے کو اک نطق عطا کی ہے فلک نے
 اک شور ہے سناٹے کا سناٹے میں ہم ہیں
 گم ہو گیا غوغا میں میرا شور سلاسل
 لمحات کے ہاتھوں میں ہیں سناٹے کے تھیار
 سناٹے کے بازار میں بکتی ہے سماعت
 اس خطے کا ہر ذرہ ہے خاموش، نگوں سر
 ہے نطق پریشاں تو صداسر بگریباں
 ہوں شب کی سیاہی کہ ستار کی ضیا ہوں
 ہے تیرہ و تاریک ہراک چیز یہاں کی۔!
 کس غول نے اس دقت ہے اس دگر گیر
 خاموشی کے ذرات ہیں نقش کفِ پائین
 حاوی ہے ہراک ذرے پہ تاریکی اعمال
 ہم مارے ہوئے غم کے سیاہی سے ہم آغوش
 اس نطق کی آواز کوئی غور سے سن لے
 اک زور خموشی کا ہے سناٹے میں غم ہیں
 دل پہلے سے بسل تھا ہوا اور بھی بسل
 ادچھا نہیں کاری ہے خموشی کا ہراک دار
 کون اس کو خریدے کہے محروم حرارت
 چاند اور ستارے بھی ہیں خاموش فلک پر
 ہنگامہ محشر کی بھی ظلمت ہے ہراساں

اس شہرِ خموشاں میں ہے مقتل کی خموشی
مقتل میں ہیں شیرِ بکشی اور دراورس بھی
قاتل ہی کے ہاتھوں میں ہو اگر دامنِ انصاف
مظلوم پر ہے الزام کہ گردن زدنی ہے
مظلوم کی کبھی جہاں پہ بنی تھی نہ بنی ہے (ق)
مقتل میں کوئی آ کے تو دیکھے یہ تماشا
ہے کون وہ جس نے کہ پیاز ہر ہلا ہل
ہے کون یہ مظلوم جو بے نام و نشان ہے
ہے کون یہ جس پر کہ پڑے نگہِ ملامت
ہے کون کہ نفرت نے کیا ہے جسے غارت
کس کی یہ زباں بند ہے، ہے کون یہ مظلوم
ہے کون وہ جس پر کہ گری برق چمن میں
ہے کون کہ جو چپ ہی رہا کرتی ہر روز
ہے کون یہ معصوم کہ اک غول نے جس پر
صادر کیا فتوے کہ ہے سولی کی سزاوار
ایذا سے دی اور کیا ہر طرح سے برباد
ہے کون یہ طائر کہ جو معذور ہے یکسر
افسوس کہ اب اپنی نوا سے بھی ہے محروم

الزام کیسے دیں کہ یہاں کون ہے دوشی
مظلوم بھی ہے قاتل بھی ہے ماتھے کی شکن بھی
ہے فیصلہ معلوم کہ ہے بات بہت صاف
قاتل کو ہے اصرار کہ وہ سوختی ہے
اس کی تو یہ مشکل ہے کردہ دل کا غنی ہے
اے یارِ سرِ دار کھلا گل ہے نیاں
اور کس نے سہا ہے بخوشی قہر ہلا ہل
ہے کس کی یہ تربت کہ جہاں فرشتہ خاں
ہے کون یہ رسوا سرِ بازارِ فیضیت
گل کون ہے جس پر کہ یہ لٹٹی ہے قیامت
ہے بے گنتی جس کے رگ دریشے پر مرقوم
بے درج ہوئی خوار جو اپنے ہی وطن میں
بیگانہ ہے جس نے کہ طعنوں کے جگر دوز
وہ ظلم کیسے دیدہ انجم بھی ہوئے تر
نا کردہ گناہی پہ بھی ٹھہرایا گنہ گار
اک ایسا ستم جسکی نہ ہے داد نہ زیاد
صیاد نے پر نوچ لئے جس کے زین پر
نخیرِ ستم آج ہے صد حیف یہ معصوم

ہے کون یہ مہتاب جو اس طرح ہے معتب
 اک لالہ زینبا کا جگر کس نے کیا چاک
 ہونٹوں پہ نہیں آہ بھی ہے کون یہ مجبور
 اک بے کس و عاجز پہ ستم ڈھائے ہو کس
 ہے کون یہ جس طرح کوئی نہ گیس بیمار
 اس گوشہ خاموش میں ہے کون یہ گمنام
 ہنگامہ ہستی میں ہوا کون جسکے خوں
 اس طرح سے ہے کون کہ جو سینہ پیر ہے
 ہے شور یہ کس شوخ کی شوریدہ سری کا
 سر کوفتہ ہے کون بیا بیا الم میرے
 لے چرخ جفا پیشہ یہ کیا تو نے کیا ہے؟
 اب میرے لئے عیش جہاں کچھ بھی نہیں
 اب میرا جنوں تو کوئی معنی نہیں رکھتا
 اول تو فراہم نہیں سامانِ خور و خواب
 میں ان سے بہر کیف اٹھاتا نہیں آرام

کس ابر کی ظلمت سے ہوا ماہ یہ مغلوب
 اک چاند کے رخسار پہ کس نے یہ ملی خاک
 ہے کون سیم دیدہ سا، ہے کون یہ مقبور؟
 اور طرق و سلاسل اسے پینائے ہیں کس نے
 در ماندہ و آزرده و افسردہ و لاچار
 تن خستہ دل آشفۃ سر شام تہی جام
 آتا ہے ادھر خاک بسر کون یہ محزوں؟
 نے خوف ہے جس کو نہ جسے کوئی خطر ہے
 کس حور کی آشفۃ سری بے جگر ی کا
 ہے کون یہ معصوم خیا بانِ ستم میں؟
 مجھ سے مرا آرام و سکون چھین لیا ہے
 لیلیٰ جو نہیں ہے تو یہاں کچھ بھی نہیں ہے
 اک حرف غلط دہر میں ہے اب مرا سودا
 ہوتے بھی میسر جو کسی طرح یہ اسباب
 بے وجہ یہاں لے کوئی کس واسطے الزام

اُمڈا ہوا۔ ہر سمت ہے اک سیلِ بلا خیز
 جب تو ہی نہیں دہر میں بے سود ہے جینا
 اے پچھڑے ہوئے یار کوائف ہیں غم انگیز
 جب تو ہی نہیں بزم میں ممکن نہیں پینا

کشتی مری ساحل پہ بھی برباد رہیگی
دنیا ہی دنیا ہے تو کیا یاد رہیگی!

دارستان گو

بیگانہ تھا قیس اب جہاں سے
برگشتہ تھا سودا دریا لے سے
رخصت ہوا وہ بنایس و پیش
تھا اپنی حیات سے بہت تنگ
طے کرتا چلا یونہی وہ فرسنگ
اک خار بھی رہ میں تھا نہ ایسا
یکچھ عرصے تلک یونہی رواں تھا
پھرتا تھا یونہی وہ صحرا صحرا
رکھتا نہ تھا دل میں وہیم بے جا
جب تیز ہوا کچھ اور سودا
پہنچا سوئے خواب گاہ لیلی
روتے ہوئے متصل ہی اکس نے
پیوست تھا دل میں غم کا خنجر
روٹھا ہوا اس سے تھا مقدّر
اس طرح سے تب ہوا وہ گویا

روتا ہوا چیل پڑا دہالے سے
مطلب نہ تھا اس کو این دالے سے
برداشت رہ ولایت خویش
می دادزگر یہ خاک رارنگ
تھا اس کے لبوں پہ ایک آہنگ
آنکھوں سے ہونہ جس کے چھکا
گرتا تھا کبھی، کبھی تو اٹھتا
روتا تھا کبھی تو دریا دریا
سر میں تھا اُسی پری کا سودا
اک کوہ سے مثل سیل پھوٹا
اس کا تھا دہی بس ایک ملجا
تربت کے لئے ہزار بو سے
آنکھوں سے رواں تھا اک سمندر
قد رے جمہوا سکوں میسٹر
ہر حرف میں دل کا مدعا تھا!!

(سربراؤں ہے نوا)

قیس

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
کیا غذا ملتی ہے لیلیٰ ترے دیوانے کو

پس تو یہ ہے میں ترے پیار کے قابل ہی نہیں
رات کی عشوہ گری میرے صنم خانے میں
مضحکہ خیز کہانی تو نہیں زینت مری
مدتوں میں نے فقط تیری پرستش کی ہے
میں کہ دن رات تجھے یاد کئے جاتا ہوں
تو کہ بیگانہ آئینِ وفا ہے جیسے
تجھ کو بے علم کہہ دل ہار دیا ہے میں نے
اپنی نظروں سے گرایا جسے یکسر تو نے
آج پھر آیا ہوں اس دل کو لئے تیرے حضور
ایک بار اور میں بادیہٴ غم آیا ہوں
میں ادھر چاک گریبان و دل آشفہ ہوں
آج بھی رہ میں تری، میری بھی ہے آنکھیں
آج بھی میرے لبوں پر ہے ترای چرچا
آج بھی کنج میں بے تاب ہے میرا غنچہ

میں کہ تیرے درِ دولت کا ہوں ادنیٰ سا غلام
نورِ خورشید کے جلوے مری آنکھوں پر چرا
اس قدر رنج مجھے اے مری غم خوار نہ دے
دل کو تو اور نئے طرح کے آزار نہ دے
میری تکلیف سے ہوتی ہے خوشی گر تجھ کو
اس میں تو خوش ہے تو ہر دکھ ہے گوارا مجھ کو
ایک عرصے سے تیرے پیار کا دیوانہ ہوں
اے مری شمع ترا میں دہی پر دانہ ہوں
اٹھ کے اس بسترِ راحت سے مجھے دیکھ تو لے
”میں نہیں تجھ سے خفا“ اتنا ہی کہہ دے مجھ سے
تو نے دنیا ہی نئی اپنی بھائی ہے اُدھیر
آج بھی ہے مرے جذبات کا تو ہی محور
آج بھی میری یہ آغوش ہے وایتیرے لیے!
پہلے کی طرح سے اے بادِ صبا تیرے لیے!

آہ اس دہریں جزا شک نہیں میری متاع
 کچھ بجز اس کے نہیں اور کوئی میرا وجود
 زندگی ایک دورا ہے پہ کھڑی ہے میری
 جاگتا آیا ہوں اے خواب مری آنکھوں کے
 جب سے منہ موڑ گئی چھوڑ گئی تو مجھ کو
 اب تو سوتے مری آنکھوں کے ہیں کٹھن کھو کھو
 میں نے سمجھا تھا کہ تھا وصل بہت ہی آساں
 اتنا آسان نہ تھا سہل نہ تھا اپنا ملاپ
 ہجر دشوار تھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا
 چلو چھٹکارا ملا یہ بھی تو اچھا ہی ہوا
 یاد آتا ہے وہ دن جب میں ملا تھا تجھ سے
 تو نے جب پہلے پہل پیار سے دیکھا تھا مجھے
 یاد ہے آج بھی مجھ کو وہ زمانہ جس وقت
 روز ہی دل سے رہا کرتی تھی صحبت اپنی
 تب سے راہوں میں گھٹا ٹوپ اندھیر چھا
 جب سے اے قافلہ سالار ہوا تو رخت
 سنگ صحر کی مقدّر میں ہے میرے ٹھوکر
 طعنے دیتے ہیں مجھے خار، شر رختے ہیں

نذر کرنے کو فقط چند گہر لایا ہوا
 تو ہے اک جسم حسین میں تو ترا سایا ہوں
 تو بہت دور بہت دور گئی ہے جب سے
 اک پلک بھی مری جھپکی ہی نہیں ہے تب سے
 میں نے آلام زمانے کے سہے یں کیا کیا!
 اشک کے گواہ بنایا اب ہے میں کیا کیا
 مدّتوں بعد مگر مجھ پہ ہوا راز یہ فاش
 مجھ کو معلوم بہت پہلے ہی ہوتا ہے کاش!
 اس کو اپنا یگی تو اس قدر آسانی سے
 تجھ کو اس دہر کے زنداں کی پریشانی سے
 کیا بتاؤں کہ مرے دل کی تھی کیا کیفیت!
 آج بھی نقش ہے اس دل پہ مرے وہ عت
 دل یہ بندی نہ تھا، آزاد تھا، سیلانی تھا
 دل نہ تھا اصل میں اک یار مرا جانی تھا
 گل ہوا جب سے ترے چہرہ زیبا کا چراغ
 تب سے ہی محو ہوا اگر دیں منزل کا سراغ
 خوار و سوا ترا مجنوں ترا شیدا ہی ہے
 ہے مدارات مری یا کہ یہ رسوائی ہے

آہ اے یار کہوں کیا ترے ناتے کا ملال وہ تو اس دشتِ بلا خیز میں آوارہ ہے !
 تیری ہستی کے سبب سے جو درخشاں تھا کبھی آج صد حیف وہ ٹوٹا ہوا اک تارہ ہے
 اپنی ان آنکھوں کو میں بند کئے بیٹھا ہوں جب نہیں تو ، تو ہوں نظارہ محل کیسے
 کر کے پیوست اُدھر خنجرِ غم سینے میں مسکراتا ہے ادھر ظلم پہ قاتل کیسے !
 مطلعِ چشم پہ اک ابرسا ہے چھایا ہوا مجھ پہ ہی اشکِ فشاں اب مری بینائی ہے
 میری حالت پہ انہیں فکرمے دامان ہے چاک اشکِ برسائے کو پلکوں کی صف آرائی ہے
 ہو گئی جانِ حینِ دہر سے تو یوں رخصت جیسے گلزار سے اٹھ جاتی ہے پل میں شبنم
 جس طرح اشکِ ٹپک چاکِ خوشی سے کہیں صبح کو بزمِ قمر جیسے ہو درہم برہم

میری محبوب ذرا اپنا لحد سے مجھ کو
 دے دعا ایسی کہ مشکل مری آساں ہو جائے !
 جلد آئے وہ گھڑی ان ملوں میں تجھ سے
 خاک اس دشت میں میری بھی پریشاں ہو جائے !

داستانِ گو

تھا خستہ جگہ ، شکستہ تن تھا اک حرفِ غلط سیانہ بن تھا
 خاموش تھا خود ، خاموش بن تھا خاموش تھا تن ، خاموش من تھا
 اس دشت میں جتنے دام و دود تھے صف باندھے کھڑے ہوئے تھے آگے !
 دل جانوروں کے بھی تھے بھاری آنکھوں سے تھے اشک ان کے جاری

غم قیس کے قلب پر تھا طاری
 آنکھوں میں لئے ہوئے کس بندر
 کیا کہئے عجیب اک سماں تھا
 نظارہ کناں خود آسماں تھا
 شبنم کے بھی آرہے تھے آنسو
 ہرزہ رینگ پر نیاں تھا
 ہر سمت وہی رواں دواں تھا
 آلام کی کیسی یہ گھڑی تھی
 سناٹے کے غلطے کو سن کر
 جب قیس کا حال دیکھا اتر
 رونے سے بُرا تھا حال ان کا
 محبوب لحد میں سو رہا تھا
 یادانہ اشک بورہا تھا
 افس دشت کی ماتی نضا تھی
 قدرت کے پہ جی میں کیا سما یا
 اک پل ہی میں ہر طرف کو چھایا
 برسائے کچھ اس طرح سے آنسو
 ہر دیدہ آبلہ تھا منناک
 خاموش کھڑی تھی وہ عماری
 یعنی کہ سرشک پاک گوہر
 استادہ ما ایک کارواں تھا
 ہر سمت فقط دھواں دھواں تھا
 تارے بھی بہا رہے تھے آنسو
 سناٹا دہاں پہ حکمراں تھا
 اک رنج سے خم خود آسماں تھا
 قدرت بھی خاموش ہی کھڑی تھی
 آپہنچے طیور بھی دہاں پر
 ان سب کی ہی آنکھ ہو گئی تر
 بھاری تھا بہت ملال ان کا
 ہرزہ خاک رو رہا تھا
 نایاب گہر کو کھو رہا تھا
 شب کی بھی تو ماتی ردا تھی
 اک لکڑا ابرادھر کو آیا
 اک گنج برشک ساتھ لایا
 بیٹے لگی اس زمین پر جو
 دامن تھا ہر ایک خار کا چاک

تھے گریہ کنال نخل و خاشاک
 آنسو ہی رواں تھے دشتِ ددر میں
 صحرا میں جو کھل رہا تھا لالہ
 گر یہ سے بُرا تھا حال اس کا
 ہر چند سبھی شریکِ غم تھے
 تھی آنکھ سرِ شکِ غم سے خوئیں
 آرزو تھی طبعِ ماہ و پرویں
 بکھرے ہوئے اشک کے تھے گوہر
 روتے ہوئے یونہی راتِ گزری
 سورج کی بھی آنکھ سرخ ہی تھی
 شبنم کی دیارِ دشتِ غم میں سے
 مجنوں اٹھا بسترِ الم سے
 دنیا پہ عیاں تھے رخِ اس کے
 اور پھر وہ ہوا وہاں سے رخصت
 جس راستے سے بھی وہ گزرتا
 غم اس کا بکھرتا اور سنورتا
 چلتا تھا مگر غشی تھی طاری
 ہر راہ پر خلق تھی دور و یہ

ترخیشم تھا گلستاں میں ہر تاک !
 تھے اشک ہر ایک رہ گزریں
 زخم اپنے وہاں دکھا رہا تھا
 تھا اس کے بھی دل کا گھاؤ گہرا
 مجنوں کے الم مگر نہ کم تھے
 حنظل نہ تھا تلخ بلکہ شیریں !
 انجم کے تھے اشک، اشکِ سیمیں
 نایاب نجوم تھے زمیں پارس !
 بیساکھی پہ چلتی صبح آئی سے
 روتے ہوئے آئی تھی سواری
 بھیگی ہوئی آنکھ تھی الم میں سے
 رخسار پہ مار کے طپانچے !
 بوسہ دیا اک لمحہ کو پہلے !
 جیسے ہو کوئی جہاں سے رخصت
 ہر قلب میں ایک گھاؤ کرتا
 ہر آنکھ سے ایک سیل جھرتا
 دل پر تھا جو زخم اس کے کاری
 ہر شخص اسی کو دیکھتا تھا

ہر آنکھ میں تھا لہو کا دریا
تھا قیس پہ سب کو ہی تاسف
یوں خود سے ہی ہم سخن تھی خلقت

خلقت

مجنوں پہ جو کی گئی فضیحت
افسوس سب کچھ فتنہ گر تھا
افسوس ہوئے وہ ایسے تاشاد
اک وار میں ان کو تیغِ جلاّد
لے کاش ہمیں اب عقل آئے

داستان گو

کچھ وقت اسی طرح سے بیٹا
اک نہرِ الم رہا وہ پیتا
جیتا تو نہ تھا مگر تھا جینا
اک روز اُدھیر بن تھی جاری
ٹھہری وہاں آئے اک عمارِ
بغداد سے تھا سلام آیا

مجنوں رہا اپنے ہونٹ سیتا
جس طرح سے وہ رہا تھا جیتا
ہر لمحہ الم کے گھونٹ پیتا
اک رنہ تھا اس کے دل پہ طاری
ناقے سے تباہ تری اک سواری
ہمراہ طعام اپنے لایا

سلام بغدادی (سلام محبت)

بہت دور سے پھر میں آیا یہاں پر بہت دیر کے بعد چکا مقدر
 زمانے کے بعد آپ کی یاد آئے یہی یاد مجھ کو یہاں کھینچ لائے
 مجھے آپ سے تو تعلق ہے دل کا یہی وجہ ہے جو یہاں آن پہنچا !
 حضور آپ لے لیں سلام محبت کروں عرض آنے کی تب عرض وغایت

قیس (کیوں تکلیف کی)

اے خواں مرد تو آیا ہے یہاں بارِ دگر یاد تیری مجھے آتی ہی رہی ہے اکثر
 تجھ کو ہے علم کہ تو بھی ہے مجھے دل سے پسند آج مل کر تجھے میں پھر سے ہوا ہوں خرسند
 اس بیابان میں کیا چیز تجھے لائی ہے کیا ضرورت تھی تو کس شے کا تمنائے ہے
 اس بیابان سے بہت دور ہے شہر بغداد کس لئے آیا ہے تو، تجھ پر پڑی کیا افتاد !
 مجھ کو امید ہے ویسے تو بہر حال ہے خوش طور بے خوش میں ترے اور تری چال !
 اللہ الحمد کہ صحت بھی تری اچھی ہے اور امید ہے صحبت بھی تیری اچھی ہے !
 خوش تو ہیں تجھ سے ترے طور سے لگے والے ویسے خوش رہتے ہیں کس شخص سے کب گھر والے
 سر میں خوش ہوں کہ ملنا ہوا تجھ سے میرا اب ذرا یہ تو بتا حال ہے کیسا تیرا
 س قدر دور تجھے آنے کی حاجت کیا تھی ایسی تکلیف اٹھانے کی ضرورت کیا تھی

سلام بغدادی (برسوں کا بیمار)

سپاس آپ لیں مجھ سے پہلے تو میرا
 حضور آپ ہی کی رہی ہے عنایت
 جو مجھ پر تَلَطُّف رہا ہے ہمیشہ
 سدا آپ مجھ پر یونہی مہرباں ہوں
 عنایت ہمیشہ مرے حال پر ہو ،
 جودی قبل اس کے بھی رُشدِ ہدایت
 میں حاضر ہوا ہوں یہاں پر دہارا
 عطا پھر سے ہو وہ شوقِ فرا
 ولیکن یہاں میں یہ کیا دیکھتا ہوں
 اُداسی سی چھائی ہوئی ہے یہاں پر
 بہت تن شکستہ مجھے لگ رہے ہیں
 بُرا کچھ نہ مانیں اگر اب کہوں میں
 نہ آنکھوں میں تیزی نہ چہرے پر سرنخی
 مجھے فکر ہے آپ کیوں مضمحل ہیں
 تشجّہ سا اعصاب میں ہے یہ کیسا ؟
 ہوا رنگِ سرخ آپ کا پیلا پیلا
 کرم ہے جو فرمایا لے شاہِ صحرا
 بھلا چنگا ہوں اور اچھی ہے صحت
 جناب آپ کا، یاد رکھتا ہے بندہ
 دعا ہے کہ یونہی مرے قدر داں ہوں
 عطا آگئی ہو خزانے سے مجھ کو !
 اسی وجہ سے کی ہے میں نے جسارت
 خود اپنی طبیعت سے پا کر اشارا
 عنایت ہو پھر آگئی اور بصیرت
 عجب سا نیا ماجرا دیکھتا ہوں
 حضور آپ کا ہے بہت حالِ ابتر
 نہ جانے اَلَمِ آپ نے کیا سہے ہیں
 حضور آپ تو لوٹ کر رہ گئے ہیں
 خزاں آپ کے رخ پہ ہے آج کیسی ؟
 خدا را بتائیں کہ کیوں مشتعل ہیں ؟
 تکلف سا آداب میں ہے یہ کیسا ؟
 لگے ہیں دیا مجھ کو بھٹکا ہوا سا

بتائیں کہ صحت ہے کس طرح کھوئی
 نہیں آپ کے رخ پہ کوئی بشارت
 پریشان ہوں آپ کو جب سے دیکھا
 خدا سے دعا ہے کہ ہو وہ نگہاں
 کہ جیسے ہو بیمار پرسوں کا کوئی
 ہے تن میں ستم گر مرض کی اقامت !
 کریں دھیان صحت کا اب تو خدا را
 عطا اپنے دربار سے کر دے درماں

داستان گو

سنئے ہی یہ گفت کو سرا
 یوں اس کو لگا کہ جیسے یکسر
 سینے میں جنگ ہیں اور دل میں
 اک وجد کے حال میں تھا مجنوں
 حالت ہوئی اور ہی دگرگوں
 اک آہ دل و جنگ سے نکلی
 پس وہ ہوا مثل مرغ بسمل
 کچھ اور بڑھی جو دل کی مشکل
 بے آب و جوش طرح سے ماہی
 بے جان ساقش بن گیا تھا
 سازا سن کا کبھم کا بے صدا تھا
 تن اسن کا کہاں تھا اک کھنڈر تھا
 مجنوں کا بہت تھا حال ابتر
 پیوست کیا کسی نے خنجر
 ہر عضو میں یاں تلک کہ تل میں
 دل خون ہوا جنگ ہوا خون سے
 وہ ہو گیا حد سے بڑھ کے مخروں
 سیدھی جو حریم عرش پہرچی
 دل پر گری آئے اک بڑی سیل
 سینے ہی میں گھٹ گیا وہ گھاسل
 مجنوں کی ہوئی تھی وہ تب اسی
 گلشن میں خزاں ہی ڈھونڈتا تھا
 اک سبوں میں بے ضیا تھا
 لڑتا ہوا اک پڑا شجر تھا

کچھ دیر یوں ہی تھا سو یا کھو یا
ہرز خم کو اس نے پہلے دھو یا
الفاظ میں تھا بلا کا جادو

اک عرصے سے وہ نہیں تھا سو یا
اس طرح سے پھر ہوا وہ گویا
گفتار کا اک نیا تھا پہلو

(دل کا نگر تاراج ہے)

قیس

تیری خوبی ہے کہ آیا ہے بہت دور سے تو
تجھ کو بے فکر کہ کیوں جسم ہے میرا تاج
چھوڑ اس قصے کو مرنے والے میں آسانی ہے

یہی اچھا ہے رہے یہ تری پہلو سے
ورنہ پھر اس کا پتہ تجھ کو تو ملے گا نہیں
میرے تیر میں ملا ہے تجھے اک حرف سوال
ایک جلا دے تاراج کیا دل کا نگر !

دل کا جو حال ہوا کیسے کہوں میں مجھ سے
اب نہیں کچھ بھی مرے پاس بجز دیدہ تر
حیف وہ دل بھی تو باقی مرے سینے میں نہیں
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حلقہ زنجیر سے

کیا قیامت ہے کہ بے فتنہ محشر خاموش
اور کیسے ہوا رسوا سر بازار تو کچھ

اے سلام آیا ہے بغاوت سے تو بہر نمو
تو نے جو کچھ بھی کہا میں نے سنا غور آج
میں ستم کش ہوں تجھے اس کی پریشانی
مشعل دل ہے ترا اس کو تو رکھ قابو میں
دیکھ ایسا نہ ہو دل حد گزر جائے کہیں
تو نے دیکھا ہے مرے چہرے پہ اک غمگین

آہ معلوم نہیں تجھ کو جو بیٹی مجھ پر
کیا ہوا کب یہ ہوا اور ہوا ہے کیسے
ایک ضیاء نے گھر لوٹ لیا ہے یکسر
ویسے بھی کیا تھا مرے پاس بجز قلب میں
وہ جو رکھتے تھے ہم اک شوخی تقدیر سے ہے

تادسیف ٹوٹ گئے سارے یکسر خاموش
ایک دل اس پہ ان آفات کی یلغار تو کچھ

کہنا چاہے کوئی گر کس سے کہے کیا کیا کچھ !
 بن کے ہمدرد ہی کہنے میں اتاری تلوار
 سپّ آفت نہ رسد گوشہ تنہائی را ،
 ہم نے پایا ہے بلاؤں کا نہاں جم غفیر
 اس کا اک چشم سید مست سے یار نہ تھا
 اس کی خاطر ہی ستم اس نے ہے ہی کیا کیا
 خوب ہنستے ہوئے اس غم کو سجا یا دل نے
 زندگی اس کی تو فریاد کناں باقی ہے !
 ایک رہزن نے سر راہ ہمیں کو لوٹا ،
 باغ میرا ہوا تاراج خزاں میں کیسے !
 راہی ملکِ عدم ہو گیا میرا دلبر
 دہر میں اب کوئی پاسکتا نہیں اس کا را
 ایک لمحے میں بنی آہ وہ گزرا ہوا کلی
 شاخ آہو یہ ہی عشاق کی ہوتی ہے برات
 بے سبب ہی کوئی کب رہز پیا کرتا ہے
 جو تنگ و دد تھی جہاں میں مرے سر ہی تو گئی
 سوختہ کیسے ہوئے اپنے خرد خال نہ پوچھ
 کس طرح چاک ہوا ایک کلی کا دامن

دار آزار کے اس دل نے ہے کیا کیا کچھ
 غیر تو غیر ہیں اپنوں نے دیئے ہیں آزار
 ہم سمجھتے تھے کہ خلوت میں رہیں گے تنہا
 آہ لیکن یہ نہایت ہی غلط تھی تصویر
 دل یہ صحرائی تھا ، سودائی تھا دیوانہ تھا
 اس کی خاطر ہی زمانے میں ہوا ہر دوا
 جان لیوا ہے وہ غم جو کہ دیا قاتل نے
 کچھ گئی شمع مگر اب بھی دھواں باقی ہے
 آہ کیا تجھ سے کہوں کون سا طوفاں ٹوٹا
 آہ کس منہ سے کہوں تابِ بیاں کی ہے مجھے
 اہل بغداد کو جا کر تو سنا دے یہ خبر
 گلی ہوا موت کی آندھی سے وہ تابندہ چراغ
 دیکھتے دیکھتے لیتی گئی لیلیٰ کو اجل
 سخت جانی ہے میری میں ہوا بھی تک جو حیات
 یار کے بعد بھی کیا کوئی جینا کرتا ہے
 مجھ پہ جو کچھ بھی گذرنی تھی گذر ہی تو گئی
 کس طرح برق گری آہ وہ احوال نہ پوچھ
 اوس کو کیسے اڑائے گئی سورج کی کرلے

آہ اک پھول پہ کس طرح سے آفت ٹوٹی
کس طرح ایک حسین ماہ گہن میں آیا
خونچکلاں چشم مری قلب ہے غمناک مرا
حادثے جو بھی ہوئے آہ وہ اب کس سے کہوں
مختصر یہ کہ نہیں کچھ بھی مزاجینے میرے
کیونکہ اس جسم پہ رخ اپنا کہاں ہے باقی
زلزلہ آیا، گری برق، قیامت لڑنے
کیسے پتہ جھڑ ساریاں کارچنہ میں آیا
ایک بھلے نے جلایا خس و خاشاک مرا
جو بھی گزرے ہیں الم آہ وہ سب کس سے کہوں
اپنا چہرا نظر آتا نہیں آئینے میرے !
اب کسی سے کی طلب مجھ کو نہیں ہے ساقی

داستان گو

چپ چاپ سلام سن رہا تھا
مجھوں کا فزوں ہوا تھا سودا
باقی نہ رہا تھا دل پہ و تابو
اس کی دل و جہاں پہ آہنی تھی
لگتا تھا کہ سانس عارضی تھی
جس شاخ پہ اس کا آشیانہ تھا
تن اس کا تھا ہڈیوں کا ڈھانچہ
تھا روح پہ طوق اور سا بچہ
تصویر خیال تھا مجھ سے
اب قیس تھا حد سے بڑھ کے بیکل
کچھ دیر کے بعد اس نے دیکھا
آنکھوں سے امڈ رہا تھا دریا
اٹھتی تھی فقط صدائے یا ہو !
باقی نہ کوئی خوشی رہی تھی
جینے کی سبیل مٹ گئی تھی
اس شاخ سے اٹھ رہا دھواں تھا
رخ پر غم یار کا طپا بچہ
جن میں تھا جزا الم کا کھا بچہ
غم، غم سے ہوا تھا قد آدم
آنکھیں تھیں سرشک غم سے جل تھل

ذایل تھا قرار اور کس بل
 اک تودہ خاک بن گیا تھا
 تھا دشت میں وہ سزاب آسا
 ماؤں ہوا تھا ذہن اس کا
 خاموش خزاں کو دیکھتا تھا
 مٹی میں اٹے تھے بال اس کے
 از حد تھے تباہ حال اس کے
 اب پاس میں اس کے کیا رہا تھا
 روتا ہی رہا تمام شب قیس
 فارغ ہوا اشکِ غم سے جب قیس
 در مشہدِ یار کو سدھارا
 روئے پہ پہونچ کے غم کا مارا
 گریے سے بُرا تھا حال اس کا
 آنسو کی جھڑی لگی ہوئی تھی
 تھا حالِ سلام کا بھی ابتر
 تھا وہ بھی غریب غم کا پیکر
 پیوست نہوا تھا ایسا گہرا
 اک عرصے تک رہی خموشی

اعضا تھے تھکن سے سارے ہی شل
 دامن کا چساک بن گیا تھا
 مٹنے ہی کو تھا اب اس کا سودا
 تھا زخم ہی اس طرح کا گہرا
 حسرت سے جہاں کو دیکھتا تھا
 اشکوں سے پٹے تھے گال اس کے
 گہرے تھے بہت ملال اس کے
 وہ حرفِ سوال بن گیا تھا
 گریے سے الگ رہا تھا کب قیس؟
 دقت سے اٹھا وہاں سے تب قیس
 تھا ساتھ سلام بھی بچا را
 یک لخت ہی گر پڑا وہ سیدھا
 ہر سمت تھا اشکِ غم کا دریا
 یا آگ بھڑک رہی تھی دل کے
 وہ بھی تھا تباہ حال یکسر
 اس کے بھی تو دل میں غم کا خنجر
 تصویرِ الم وہ بن گیا تھا
 بولا نہ وہاں کسی سے کوئی

ہر شے پر غمی سی چھا گئی تھی ہر چیز بنی تھی اک پھیلی
جب بسترِ غم سے قیس اٹھا تب اس سے ہوا سلام گویا

سلامِ بغدادی (ایک تہذیبِ اک تمدن)

آہ لیلیٰ گزر گئی، بیہات
آہ اک مرگِ ناگہاں افسوس
کس قدر غمگسار تھی لیلیٰ
کتنے اس کے تھے آپ گردیدہ
کس قدر افس سے پیار کرتے تھے
اُس سے کچھ دن بھی گز نہ مل پاتے
درحقیقت وہ جانِ محفل تھی
تھی گرا نمایہ چیز وہ ہستی
تھی نہراک مسئلے پر وہ حاوی
تھی طبیعت میں اس کی جوت سستی
تھی قلمروئے نازکی سبوتا ج
موت سے اس کی پس ہوا معلوم
آپ پر جو گذر رہی ہے حضور
حال دشمن کا بھی نہ ہو ویسا

جس کی تھی بات بات میں اک بات
زندگانی کا یہ زیاں افسوس!
اس حین کی بہار تھی لیلیٰ
آج کتنے ہیں آپ غم دیدہ!
جان اس پر نثار کرتے تھے
آپ کتنے اداس ہوتے تھے
جانِ محفل تھی، آں محفل تھے
ایک تہذیب، اک تمدن تھی
یعنی وہ روحِ عصرِ حاضر تھی
اس کے رخ پر تھی اک ذہانت سلی!
تھا نہ ہے اس کا کوئی ثانی آج!
زندگی جیسے ہو گئی معدوم
آپ جس طرح سے ہیں اب مجبور
کوہِ غم آپ پر ہے جو بڑھتا!

آج وہ حال آپ کا ہے یہاں
جسم جیسے مجسم ایک قصور
آب باقی ہے اور نہ باقی رنگ
نطق اک ساز بے صدا سا ہے
سر سے پاتک ہیں یاس کی تصویر
چشم پر نم ہے چال بے ہنگم
ایک پیکر ہیں حُزن و حرماں کے
نور باقی نہیں وہ پہلا سا
دل فسرده ہے اور روح نڈھال
آہ کتنے بدل گئے میں آپ
شمع سے جیسے اٹھ رہا ہو دھواں
روح ، رستا ہوا سا اک ناسور
دل کے شیشے پہ آگیا ہے رنگ
قلب بھٹتا ہوا دیا با ہے
ایک غمگین خواب کی تعبیر
بال بکھڑے حال بے ہنگم
چاک ہیں آپ اک گریباں کے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
شوق مجروح و لوے پامال ہے
غم کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں آپ!

(سکوتِ لایعنی)

قیس

نسیری لیلیٰ گذر گئی بے شک
اس کے جانے سے فرق اتنا پڑا
آب و آتش میں اب چمک ہی نہیں
ان عناصر کی گم ہے گیرائی
وہ گئی دل کو دے کے ایک کسک
ایک دور ایک عصر ختم ہو ا ،
خاک اور باد میں کھنک ہی نہیں
ان میں باقی نہیں تو انائی !
دہر کا ہر نشان فانی ہے
ایک سکتے میں زند گانی ہے
چاند تارے سک رہا ہیں ادھر
اک سیاہی ہے مہر کے رخ پر

اب نہیں کوئی گل بہار بدوش واہے گلشن میں خار کا آغوش
 کا سہ واڑگوں سا ہے گردوں ذرہ ذرہ ہے دشت کا محزوں
 اب کھلیگا نہ کوئی پھول یہاں ایک عالم پہ چھاگئی ہے خزاں
 دھول اڑتی ہے دہریں یکسر آگ میں اب نہیں ہے کوئی شر
 ہر طرف اک سکوت لا یعنی زندگانی ہوئی ہے بے معنی
 مے کدے میں نہیں ہے دم باقی نہ تو مے ہے یہاں نہ ہے ساقی

زوال زوال

طائرانِ چمن خموش خموش آہو انِ ختن، خموش، خموش
 دام و دد دشت کے ملول، ملول ذی نفس حزن سے ملول، ملول
 ہے ہر اک قلب پر ہراس، ہراس دشت تا بام و در ہراس، ہراس
 دشت میں ہے جنوں سراب، سراب ہے جنوں سرنگوں سراب، سراب
 آسمان وزیں تباہ، تباہ ہر مکان و مکیں، تباہ تباہ!
 زندگی بن گئی صلیب، صلیب اور کچھ تن گئی صلیب، صلیب
 ذرہ ذرہ ہوا شکت، شکت ہار ہے ہر ملا شکت، شکت
 تن کے ہر عضو پر خراش، خراش روح زخمی جگر خراش، خراش
 نوجوانی ہوئی نحیف، نحیف زندگانی ملی نحیف، نحیف
 ہے ہر اک شے پہ اب جمود، جمود اس طرح کا تھا کب جمود، جمود

ذہن اور جسم و جاں علیل، علیل
 قلب زخمی، جیگہ نگار، فگار
 چاندنی ماہ کی سیاہ، سیاہ
 چشم سے ہے عیاں شکست شکست
 ہے ہر اک حسن کو زوال زوال
 خواہش وصل ہے دروغ دروغ
 پاس جو تھے وہ ہیں بعید، بعید
 آرزو، خواہشیں اسیر، اسیر
 کوئی ملتی نہیں نوید، نوید
 ہمیشہ زندگی فضول، فضول
 ذہر جان و تن خراب، خراب
 آگ سے ٹوٹتے شرار شرار
 کب تلک یوں رہوں حقیر، حقیر
 غمزہ دلبر ال قتل، قتل
 اس کا ملنا ہے اب محال محال
 ہے مقدر مرا فراق، فراق
 ہر طرف ہیں مرے خریف، خریف
 ان کو آتا نہیں حجاب، حجاب
 گل، کلی، گلستاں علیل، علیل
 آنکھ گھائل، نظر فگار، فگار
 قاف کی ہر پری سیاہ، سیاہ
 نہیں تاب بیاں شکست شکست
 آہ لے مہوش زوال زوال
 جام، میخانہ، مے دروغ، دروغ
 اک پری اور میں بعید، بعید
 جستجو، کاہشیں اسیر، اسیر
 اس جگہ ہے کہیں نوید، نوید
 عشرت و سرخوشی فضول فضول
 دہر کی انجن خراب، خراب
 مہر سے پھوٹتے شرار شرار
 سیل غم میں بہوں حقیر، حقیر
 شیوہ عاشقان قتل، قتل
 چاک سلنا ہے اب محال محال
 کب تلک لے خدا فراق، فراق
 ہیں مرے اور ترے خریف، خریف
 زیست میں ہے کہیں حجاب، حجاب

ہر طرف شہر میں شغال، شغال
 لے دل قیس اب شکیب شکیب
 ہو گئی داستاں دراز، دراز
 ہاں جو تو غم کی بات کرتا ہے
 کون سے دل پہ غم کا قہر نہیں
 غم تو ہے دل کا نغمہ بے صوت
 غم سے پاتے ہیں جسم و جاں شکیل
 غم ہے معراج روح کا اک نام،
 دل پہ غم کی گھٹا برستی ہے
 آج ہر شے ہوئی ہے بے معنی
 کون طوفاں کو روک پایا ہے
 اب کوئی بات بن نہیں پاتے
 صبح صورت نہیں ہے دکھلاتی
 میچ ہے زندگی سرا سرا، میچ

داستان گو

مجنوں کا کمال تھا کچھ ایسا
 مشہور ہوا تھا اس کا سودا
 تھا شعر و سخن کا وہ ہمالا
 ہر شخص جہاں میں معترف تھا

اشعار اسے نئے نئے لاتا اس طرح سے حوصلہ بڑھاتا!

(ہر دو آنے کو کہاں جامہ دری آدے ہے)

سلام بغدادی

سنا ہے بلی نہیں جہاں میں
بہت ہی سخت ایک امتحاں ہے
کسی شقی نے خسرانہ لوٹا،
عجب دورا ہے یہ زندگی ہے
کسے پکاریں کسے صدا دیے
نہ چاند تاروں میں روشنی ہے

حیات ہے آپ کی زیاں سے
یہ امتحاں کیا بلائے جہاں ہے
الم کا اک کوہ سبز پہ ٹوٹا
غضب کی راہوں میں بیکسی ہے
کسے صدا دیں کسے پکاریں
یہاں ہر اک سمت تیرگی ہے

چمن میں شبنم بھی رو رہی ہے
فلک پہ تارے مسک رہے ہیں
ہے لگ لگ مانتی فضا ہے
خوش و ساکت رباب زہرا
ہر ایک سا غریب ہے ہلا ہل
زمین اور آسمان مہمہ میرے
خوش ہے باغ میں صنوبر
نجوم ہیں آسمان پہ گم گم

شجر حنجر کو بھگو رہی ہے
قمر کی سب راہ تک رہے میرے
صبا کے سر پہ سیہ روا ہے
افق سے تا بہ افق اندھیرا
ہے ہر طرف سیلِ غم کی ہلچل
بہار اور کھٹاں سیہ میرے
خوش صیاد ساسم گر
خوش ہے نور کا تلاطم!

اب تھا نہ کسی جگہ وہ معنوب
 مجنوں تو عظیم شر گو تھا ،
 لب پر تھا سبھی کے نام اس کا ،
 از قصہ و قطعہ و قصیدہ
 داں جتنے بھی دن سلام ٹھہرا
 یعنی یہی انتظام ٹھہرا
 حاصل جو کردشت میں ہوئے تھے
 مجنوں سے شغف اسے تھا اتنا
 قصہ تھا بس اک اسی کا قصہ
 کرتا نہ کبھی وہ قیل اور قال
 مجنوں کے جنوں میں شک کیسے تھا
 عشق اس کا نہ تھا کوئی تماشا ،
 قدرت نے کبھی سنا نہ دیکھا
 اک پھول بھی تھا نہ رہ گذر میں
 اک آگ لگی ہوئی تھی گھس میں
 لیلیٰ کا دفات مسخر تھا
 کوشش تھی سلام کی یہ پل پل
 ملتا رہے اس کو ایک کس بل

محبوب بنا تھا سب کا محبوب
 تھا شہر جنوں میں اس کا چرچا
 تھا قیس نہ کوئی بے سہارا ،
 یک یک بنوشت بر جریدہ
 اس کا یہی اہتمام ٹھہرا !
 مجنوں کے قریں مدام ٹھہرا !
 ایام وہ ساتھ ہی گزارے
 ہمزاد اس کا بن گیا تھا !
 لب پر نہ کبھی کچھ اور آتا ۔ !
 اس طرح سلام کا تھا احوال
 تھا اس کا یہ اک عظیم جذبہ !
 دراصل وہ تھا اک ایسا سودا
 سمجھانہ سکا نہ کوئی سمجھا !
 تھے خار ہی راہ معتبر میرے !
 اک گھر تھیں سارے ہی نگر میں
 یا ایک عظیم المیہ تھا ۔ !
 ہو پائے نہ قیس اور بیکن ،
 جلتی رہے زندگی کی مشعل ،

خیال گم ہیں قیاس گم ہیں
 جہنم کا کھلا ہوا ہے !
 ہے رقص میں آج تاک دوانہ !
 خزاں کی زد پر ہے ہر گلستان
 اگل رہا ہے دہان ہذیا
 قیامتیں ہیں آفتیں میرے !
 جہنم میں ہر گل کارنگ نئی ہے
 اداس لیلیٰ کے بام کا رخ
 کہ وہ سحر سے نئی وقف غم ہے

سمندروں کے حواس گم ہیں
 غول کا اک جشن سا بپا ہے
 ستم کا ہے نسب شامیا نہ
 ہے شمع افسردگی فروزاں
 اٹھ رہا ہے دکھوں کا طوفاں
 تباہیاں ہیں قیامتیں میرے
 افق پہ آتش زدہ شفق ہے
 ملول و غمگین ہے شام کا رخ
 ادھر سحر کی بھی چشم نم ہے

کہ جس نے معذور کر دیا ہے
 کہ جان و تن کا زیاں ہے بے حد
 ہیں عشق میں ایک فرد آقا !!
 یہی کہو لگا کہ ہیں مجاہد !!
 جہاد میں ہیں سبھی سے آگے
 نیا ہو سودائے ہوں تیور
 سفر نیا بادیہ نیا ہو —
 کہ ختم ہو آپ کی توحش —

وہ تیر سینے پہ آ لگا ہے
 یہ سچ ہے صدمہ گراں ہے بے حد
 مگر ہیں آپ ایک مرد آقا
 زمانہ اس بات کا ہے شاہد
 مصافحہ الفت کے پورچے کے (ق)
 اب آگیا ہے وہ وقت یکسر
 تلاش کا نوا دیہ نیا ہو ،
 ضرورت اس کی ہے اس گنج حاجت

نئی ہو قدریں نیا تفکر
 نیا ہو آہنگ سوچنے کا
 کہ دشت اب ہو گیا پرانا
 جہاں تعقل کی روشنی ہو
 جہاں ہوں ادراک کے سویرے
 جہاں خرد وہم پر ہو حاوی
 جہاں روایت نہ معتبر ہو
 جہاں نوز ہو رہا ہے پیدا
 وہ عالم پیر مر رہا ہے
 اسی کو اب ہم گلے لگائیں
 جو کھٹا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا
 کٹا اندر اگا سورا

نیا ہو نغمہ نیا ہواک
 نئی ہو منزل نیا ہو راستہ
 بسائیں اک شہر اب نیا
 نئے خیالوں کی چاندنی ہو
 فنا ہوں ادھام کے اندھیرے
 جہاں خرد دل کے ہو مساوی
 جہاں فقط معتبر نظر ہو
 شان اس کے ہیں اب ہویدا
 وہ آدم نوا بھر رہا ہے
 قدیم ماضی کو بھول جائیں
 یہی ہے اک حرفِ عمر مانہ یہ ہے حقیقت نہیں فنا

(نیا موڑ)

قیس

وہی راز تھا جو مخفی دہی آشکارا
 یہ مرا جنوں سلامت، مجھے کام کیا خرد
 میں برہنہ تن ہوں اچھا مجھے پیر کی مطلب
 اسی باد پئے میں میں نے نئے گل کھلائے کیا کیا
 جس دھاک دشت و در کی مراد ہی چھانتا ہے
 جو اٹھائے اس نے صدمے مراد ہی جانتا ہے

"غمِ عشق" کی جگہ پر "غمِ روزگار" ہے اب
 مجھے کیا خرد سے مطلب مجھے کام نیک ہے اب
 جو خزاں میں کھل رہا ہو اسے فصل گل ہے کیا
 مری روح میرے دل نے نئے زخم کھلایا کیا
 جو اٹھائے اس نے صدمے مراد ہی جانتا ہے

ہے عجیب موڑ پر اک مری زندگی کا دھارا
 مجھے کیا ملا جہاں سے مجھے کیا دیا جہاں نے
 نہ تو تھام ہے مری اب نہ سحر مری حرم
 مراد دل ہوا ہے بسمل مرا ہو گیا جگر خوں
 نہ ہے آج ہی کی خواہش نہ مجھے ہے فکر کل کا
 گرے برق لاکھ سر پر کہ ہزار سنگ برس
 مجھے کچھ نہ ہو میسٹر مجھے ہے ہی گوارا
 لیا انتقام مجھ سے بلا درجہ آسمان نے
 کہ خموش ہو گیا ہے مرا سا زور مری نے
 مری چشم چشم پر غم، مرا حال ہے درگزر
 نہیں اس کی کچھ حقیقت کہ ہے ایک خواب باقی
 مری وحشتیں سلامت نہ ہو زخم اک بھی برقی
 مرے اے عدد مبارک تجھے میری بینوائی
 'سردوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی'

سلاام بغدادی (کہاں عشوہ گری آدے ہے)

آنکھ صحرا میں ہر اک گل کی بھری آدے ہے
 سر پہ جب گرتا ہے اک کوہِ عالم عاشق کے
 جب بہار آدے ہے آدے ہیں رونگر کتنے
 شہر میں یوں تو بہت عام ہے جادو نظری
 نہیں شایاں رسن و دار کا ہر اک حلاج
 سر تراشیدہ بہت ہیں پتہ قلندر کتنے
 عاشقی کھیل نہیں ہے نہ تماشا ہے کوئی
 ہر قبا کا یہ شرف کب ہے کہ پُر زہ ہو جائے
 جب بھی دلدار نسیم سحری آدے ہے !
 اس کی آنکھوں میں تب آشفۃ سری آدے ہے
 دل کے زخموں کی کسے بخیر گری آدے ہے
 ہر فنوں گر کو کہاں عشوہ گری آدے ہے
 شاخ اک آدھ ہی سولی کی ہری آدے ہے !
 ہر سکندر کو کہاں شیشہ گری آدے ہے !
 جب جگر خون ہو تب دیدہ دری آدے ہے
 'ہر دو آنے کو کہاں جامہ دری آدے ہے !'

عشق میں آپ ہی یکتا مے زمانہ میں فقط آپ کو بے خطری بے جگہی آدے ہے

داستان گو

بے حال تھا بے نوا تھا اب قیس بے نور تھا بے ضیا تھا اب قیس
تن چاک تھا بے ردا تھا اب قیس بیمار تھا بے دوا تھا اب قیس !
لب پر تھی فقط اک آہ باقی منزل تھی نہ کوئی راہ باقی
بے آب تھا قیس میں ماہِ محرم لیلیٰ کی وفات تھی تب، محرم
اس کی رہِ عشق کا تھا راہی باقی نہ تھا احتشامِ شاعر
تھا صرف زمانہ یار اس کا جو حوصلہ اس کو دے رہا تھا

(حقیقت یہ ہے !)

زمانہ

ہو مے ہو قیس آخر کار تم بے یار بے یاد رہے
تمہاری زیت بے معنی ہوئی ہے آج سرتاسر
حقیقت ہے گرا ہے غم کا اک کوہِ گراں سر پہ
تمہاری زندگی میں اب فقط اک غم ہی باقی ہے
جہاں میں اب تمہارا ایک تن اک مہم ہی باقی ہے

وہ لیلیٰ جو زمانے کی حسناؤں میں یکتا تھی
وہ دلبر جو کہ خاص و عام کی آنکھوں کا ندا تھی

وہ مہر و جوہر تمہاری زندگانی کا سہارا تھی

گئی وہ اس طرح خاموش اس دنیا کی غفلت سے

کہ جیسے اشک نکلے آنکھ سے یا آرزو دل سے

وہ تم سے دور تھی پھر بھی تمہارا پاس رہتی تھی

بہت مجبور تھی اور ظلم دنیا بھر کے ہستی تھی

تمہارا نام لے کر وہ فقط اک بات کہتی تھی !

کوئی صحرائیں جا کے تم تک اس کی بات پہنچا دے

’کراں مقتول را مجز بے گناہی نیست تقصیر !‘

مجھے سمجھ : ^{میں} اس کی اس کا عشق مادی تھا

رہیگا رہتی دنیا تک ہی اس کے عشق کا چرچا

اٹھا مے جو اس نے کئے اور طعنے سہے کیا کیا

نہایت تھی وہ پاکیزہ بہت ہی پاک طینت تھی

وہ بے حد پاک فطرت ، پاک دامن پاک عصمت تھی

یہ سچ ہے تم اکیلے رہ گئے ہو اس کے جانے پر

تمہاری زندگی کی ہر خوشی اب مٹ گئی یکسر

زردیہ پیرنہن ، بے دل ، پریشاں حال اور مضطرب

تمہارے واسطے باقی فقط اک غم ہے کھانے کو

کہو گے یہ اب تو غم ہی کافی ہے دوانے کو

ہوا جو کچھ بھی ہونا تھا مگر تم دل کو ڈھارس دو
 خدا دے تم کو طاقت اک ذرا تم حوصلہ رکھو
 جنوں کو ترک کر دو اور لبادہ ہوش کا پہنو
 اطاعت کو تم اپنا ذکر و ایماں کو پھر تازہ
 اگر تم کھٹکھٹاؤ گے تو کھل جائیگا دروازہ!

داستان گو

تھی قیس کی زندگانی برباد
 غمگین و حزیں سلام ناشاد
 کب تک وہ جنوں کا ساتھ دیتا
 اب قیس تھا بے قرار، بے چین
 تھا موت و حیات کے وہ مابین
 اٹھا، ہوا پھر سے وہ روا نہ
 تن اس کا ہوا تھا جیسے تنکا
 تھی اس کی حیات، محجوب آما
 دل میں لئے ایک ہی تمنا
 بس ایک ہی آرزو تھی باقی
 مجھ جائے چراغ زندگانی
 تھا دشت میں بھی کہاں وہ آباد
 آخر کو سیدھا راسوئے بغداد
 کب تک یونہی آسرا وہ لیتا؟
 بے نور تھے زندگی کے دن دیرے
 وہ اہل جنوں کا قرۃ العین
 تھا مرقدِ یار ہی ٹھکانہ
 یا جیسے کہ ہو، ہوا کا خجوا نکا
 اب موت ہی تھی علاج اس کا
 وہ مشہدِ یارِ آن پہنچا
 ہو جائے نہ بیانِ جسم خاکی
 کافی تھی جو زندگی گزارے

میلی جو نہیں تو جینا کیسا ساتی جو نہیں تو پینا کیسا ؟
 آتے ہی وہ گر پڑا سراسر رونے لگا روغن سے لپٹ کر
 بھٹا دیدنی مامی یہ منظر بھٹا ایک صدف اور ایک گوہر
 کچھ عرصے تک رہی یہ حالت طاری رہی اس پر ایک رقت
 شب ختم تھی پھوٹنے کو تھی پو مٹنے ہی کو تھی چراغ کی ضو
 برسوں سے تھی قیس کی تگ و دو آئی جو سحر تو بھگ گئی کو
 ”برداشت بسوئے آسمان دست انگشت کشادہ دیدہ بر بست
 دل میں لئے دھنل یا ر کی چاہ صحرائے جنوں کا وہ شہنشاہ
 گئی اس نے جیب کی گزر گاہ ہے گون کہ جس نے لی نہ یہ راہ
 ”راہیت عدم ہر انچہ ہستند اند آفت قطع او ترستند“

نوحہ

صبا ہے چاک داماں اور بیا باں سر بزاوہ
 بتائے کون کس سے آہ دیوانے پہ کیا گزری
 نہ جانے کتنے میکش میکدے سے فیض یاب آئے
 اٹھا وہ پاؤں کش پیاسا تو مینا نے پہ کیا گزری
 تاسف تھا بھی کو جل بھی جب شمع محفل میں
 کسی نے یہ نہ پوچھا آہ پردانے پہ کیا گزری

جو اپنا تھا بیگانہ تھا ہو جب وہ بھی بیگانہ
 یہ حالت دیکھ کر بستی کے بیگانے پہ کیا گذری
 دو آنے کا بھلا کیا غم دوانہ تو دوانہ بھٹا
 خرد سے کیوں ہوا بیگانہ فرزانے پہ کیا گذری
 گئے سب پی پلا کے بادہ کش رخصت ہوا ساقی
 رہی باقی نہ تھی بھی جب تو پیمانے پہ کیا گذری
 ”غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجھوں کے مرنے کی
 دوانہ مر گیا آخر کو دیر آنے پہ کیا گذری؟“

داستان گو

تھا زید جو قیس کا پرستار
 اک رات تھا نیند میں وہ سرشار
 جب زید ہوا تو اس نے دیکھا
 یک مرد و یک زن تھے وہاں پہ یکجا
 فردوس بریں کا تھا وہ منظر
 تھا ایک چمن حسین و خوش
 گلی ہائے شکفتہ و معطر
 رنگین قبا تھے جو ہر اس
 آراستہ تھی بہشت زریبا
 ہر سمت خوشی کا سلسلہ تھا
 ”حوریں بکر شہ آشکارا
 اور سارے ملک تھے بامدارا
 پاتے ہی کسی کا اک اشارا
 غلمان ہوتے تھے وہ آرا

حور اور فرشتے بے گماں تھے
 تھیں فاختگاں بہ درِ معبود
 جنت میں رفیقِ جاوداں تھے
 بہتی تھی چمن میں اک حسیں رود
 جنت میں نہ تھا زیاں اور سود
 کھا صرف زمیں پہ ہست اذ بود
 کھا صحن بھرا ہوا شجر سے
 کھا فرشِ بہشت کیا ہی زیبا
 ایک مرد دیک زن تھے آرمید
 ”گہم بربِ جام لب نہا رند
 اور پھر کبھی اپنی ہی کہاں سے
 حوروں کو زراہِ قدر دانی
 کہتا بس اپنی ہی حکایت -
 پس زید نے خواب میں ہی پوچھا
 ہیں کون یہ ذوبِ شکلِ زیبا
 اُس پیر بزرگ نے بتایا
 یہ دونوں زمین سے ہیں آئے
 ہیں ساتھ میں سلسیل لائے
 آسائش دہر داں نہ پائے
 جب شعلہ صبح گیتی افروز
 وہ بھول گیا تھا حشرِ دیروز
 جنت میں رفیقِ جاوداں تھے
 بہتی تھی چمن میں اک حسیں رود
 جنت میں نہ تھا زیاں اور سود
 کھا صرف زمیں پہ ہست اذ بود
 کھا صحن بھرا ہوا شجر سے
 کھا فرشِ بہشت کیا ہی زیبا
 ایک مرد دیک زن تھے آرمید
 ”گہم بربِ جام لب نہا رند
 اور پھر کبھی اپنی ہی کہاں سے
 حوروں کو زراہِ قدر دانی
 کہتا بس اپنی ہی حکایت -
 پس زید نے خواب میں ہی پوچھا
 ہیں کون یہ ذوبِ شکلِ زیبا
 اُس پیر بزرگ نے بتایا
 یہ دونوں زمین سے ہیں آئے
 ہیں ساتھ میں سلسیل لائے
 آسائش دہر داں نہ پائے
 جب شعلہ صبح گیتی افروز
 وہ بھول گیا تھا حشرِ دیروز
 جنت میں رفیقِ جاوداں تھے
 بہتی تھی چمن میں اک حسیں رود
 جنت میں نہ تھا زیاں اور سود
 کھا صرف زمیں پہ ہست اذ بود
 کھا صحن بھرا ہوا شجر سے
 کھا فرشِ بہشت کیا ہی زیبا
 ایک مرد دیک زن تھے آرمید
 ”گہم بربِ جام لب نہا رند
 اور پھر کبھی اپنی ہی کہاں سے
 حوروں کو زراہِ قدر دانی
 کہتا بس اپنی ہی حکایت -
 پس زید نے خواب میں ہی پوچھا
 ہیں کون یہ ذوبِ شکلِ زیبا
 اُس پیر بزرگ نے بتایا
 یہ دونوں زمین سے ہیں آئے
 ہیں ساتھ میں سلسیل لائے
 آسائش دہر داں نہ پائے
 جب شعلہ صبح گیتی افروز
 وہ بھول گیا تھا حشرِ دیروز

اس خواب سے زید ہوا جو بیدار ” کردائیں ہمہ راز را پدیدار “

القصہ یہ ختم ہے حکایت !

یعنی کہ نظم آبی کی روایت

ضم اس میں ہے داستانِ حکمت

موجود ہے عشق کی حرارت

” افسانہ آں دو ہم مدارا در عالم از دشت آشکارا “

’ ز خاکِ قیسِ دل افکار بوئے عشق می آید ‘